زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح صاحب رفیق دارالافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن

فتاوی رحیمیہ

افادات

حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

زیرِ ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹرایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

جلد ہفتم

کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
کمپوزنگ : مولانا مامون الحق صاحب
طباعت : ۲۰۰۳ء حسان پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : صفحات

﴿........ملنے کے پتے........﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم

كتاب الجنائز

صلوٰۃ الجنائز

باب ما يتعلق بالغسل والكفن

باب ما يتعلق بالدفن

کتاب الزکوۃ

باب مایوجب فیه الزکاة ومالایوجب

کتاب الجنائز

حائضہ عورت کا یا کافر کا میت کے پاس ٹھہرنا:

(سوال ۱) متعلق سوال بالا اولیاء میت اپنے میت کو وطن لے جائیں تو میت کے پاس حائضہ عورت اور کافر کا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اولیٰ یہی ہے کہ حائضہ عورت قریب نہ رہے اور کافر بھی قریب نہ رہے کافر کا وجود نزول رحمت کے لئے مانع ہے، درمختار میں ہے ویحضر عنده الطیب و یخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (درمختار ج ۱ ص ۷۹۸ باب صلوٰۃ الجنائز) مراقی الفلاح میں ہے (واختلفوا فی اخراج الحائض والنفساء) والجنب (من عنده) وجه الا خراج امتناع حضور الملائکة طحطاوی میں ہے (وجه الا خراج) اخراجهم علی سبیل الا ولية اذا کان من حضورهم غنی ...... ووجه عدم الا خراج انه قد لایمکن الا خراج للشفقة او للاحتیاج الیهن ونص بعضهم علی اخراج الکافر ایضا وهو حسن (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۳۰۸ باب احکام الجنائز)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ: مرجانے کے بعد اس کے یعنی میت کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگا دی جائے اور حیض اور نفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہے اس کے پاس نہ رہے (بہشتی زیور ص ۶۱ حصہ دوم)

مسئلہ:۔ جو حیض یا نفاس سے ہو وہ مردے کو نہ نہلاوے کہ یہ مکروہ ومنع ہے۔ (بہشتی زیور ص ۶۴ حصہ دوم)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے (۱) خلاصہ سوال:۔ غیر مسلم کو میت کا چہرہ دکھلانا کیسا ہے؟ وہ لوگ تقاضا کریں اور نہ دکھانے میں شور وشغب کا خوف ہو تو اس صورت میں ان کو چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) میت کے روز میت والے کے گھر پر غیر مسلم ہندو عورتیں آتی ہیں اور مردے کے پاس بیٹھتی ہیں اور تعزیت کرتی ہیں کیا ان عورتوں کو میت کے مکان میں داخل ہونے دینا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً (۱) جائز ہے لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کردیا جائے کہ یہی احوط ہے (۲) ان ہندو عورتوں کو وہاں سے علیحدہ کردیا جائے، کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، چونکہ وہ وقت نزول رحمت کا ہے اور غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے فقط (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۳ ص ۲۳۴ جلد سابع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صلوٰۃ الجنائز

جنازہ الٹا رکھدیا گیا:

(سوال ۲) سہواً جنازہ الٹا رکھدیا گیا ہو۔یعنی جس جانب میت کا سر ہونا چاہئے اس جانب پیر اور جس طرف پیر ہونے چاہئیں اس طرف سر ہو۔اب نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا تو نماز درست ہوگئی، یا پھر دھرانا پڑے گی؟

(الجواب) جان بوجھ کر جنازہ الٹا رکھنا مکروہ ہے، بھول سے ہوگیا تو کوئی حرج نہیں، نماز کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔(درمختار طحطاوی ج ۱ ص ۵۹۳ باب صلوۃ الجنائز) وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلین واساؤا ان تعمدوا.فقط واللہ اعلم بالصواب.

ناپاک جگہ پر جنازہ رکھدیا گیا:

(سوال ۳) ہمارے یہاں نماز جنازہ کے لئے مسجد کے قریب ایک جگہ مقرر ہے، وہاں پر نماز جنازہ ہوتی ہے، احاطہ کا دروازہ کھلا رہ جانے کی وجہ سے بھینس نے پیشاب کیا تھا، جنازہ اٹھا لینے کے بعد جگہ پیشاب سے تر معلوم ہوئی تو نماز درست ہوگئی یا لوٹانے کی ضرورت ہے؟

(الجواب) میت اور جنازہ پاک ہو تو جس مقام پر جنازہ رکھا گیا ہے اس کا ناپاک ہونا مضر نہیں، نماز درست ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب.

وضع حمل میں وفات پانے والی ماں اور اس کے بچے کی نماز کا طریقہ:

(سوال ۴) زچگی (حالت وضع حمل) میں ایک عورت اور اس کا نومولود بچہ دونوں وفات پاگئے ہیں۔اب دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی جائے یا الگ الگ؟

(الجواب) دونوں کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھنا اولیٰ ہے، ایک ساتھ پڑھنی ہو تو امام کے آگے پہلے بچہ کا اور پھر اس کی ماں کا جنازہ رکھا جائے یا بچہ کی پائنتی پر ماں کا جنازہ رکھا جائے یہ بھی جائز ہے۔دونوں کی ایک ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں اولاً بالغ کی دعا اور پھر نابالغ کی دعا پڑھی جائے بقی ما اذا کان فیھم مکلفون وصغار والظاھر انہ یأتی بدعاء الصغار بعد دعاء المکلفین کمامر. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۵ باب احکام الجنائز)فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام نے بھول سے تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا تو کیا کرے؟:

(سوال ۵) نماز جنازہ میں امام نے تیسری تکبیر کہہ کر بھول سے ایک جانب سلام پھیر دیا پھر یاد آیا یا پیچھے سے مقتدی نے لقمہ دیا تو اب امام کیا کرے؟

(۱) وطھارۃ مکان المیت لیست بشرط ھکذا فی المضمرات فتاوی عالمگیری فی الجنائز الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت

(الجواب) بھول سے سلام پھیرا ہو تو اب چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر لے، نماز صحیح ہوجائے گی۔ولو سلم الامام بعد الثالثۃ ناسیاً کبر رابعۃ ویسلم (مراقی الفلاح ص ۱۱۵۔باب احکام الجنائز) فقط۔واللہ اعلم بالصواب

جوتیاں پہن کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں

(سوال ۶) نماز جنازہ جوتیاں پہن کر یا جوتیاں پاؤں میں سے نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر کھڑے رہ کر پڑھے تو اس طریقہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) جوتیاں پہن کر یا جوتیاں نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں جوتیوں کا پاک ہونا ضروری ہے، جوتیاں پاک ہوں گی تو نماز ہوگی، ناپاک ہوں گی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ولو افترش نعلیہ وقام علیھما جازت وبھذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلوۃ الجنازۃ لکن لا بد من طھارۃ النعلین (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۹ کتاب الجنائز تحت قولہ وشرط اسلام المیت وطھارتہ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز جنازہ کے لئے نفل نماز توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۷) نفل نماز پڑھ رہے ہوں اور نماز جنازہ شروع ہوجائے تو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے نفل نماز توڑ سکتے ہیں یا نہیں۔

(الجواب) نماز جنازہ کے ہاتھ نہ آنے کا خوف ہو تو نماز میں شامل ہونے کی غرض سے نفل نماز توڑ سکتے ہیں، مگر نفل کی قضا کرنا ضروری ہے او کان فی النفل فجنی بجنازۃ وخاف فوتھا قطعہ لا مکان قضائہ(درمختار مع شامی ج ۱ ص ۶۶۲ باب ادراک الفریضۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبر پر جنازہ کی نماز:

(سوال ۸) ہمارے یہاں ایک شخص کے گھر بچہ کی پیدائش ہوئی دو تین روز بعد اس بچہ کا انتقال ہوگیا، اس شخص نے کسی کو اطلاع نہیں دی اور اپنے طور پر غسل دے کر دفن کردیا جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد گاؤں والوں کو اس کی خبر ہوئی تو اس بچہ کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی تو یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں کسی مستند عالم مفتی سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے تھا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک میت کا جسم پھٹا نہ ہو نماز پڑھ سکتے ہیں اور جب گمان غالب یہ ہوجائے کہ لاش پھٹ گئی ہوگی تو پھر نماز نہ پڑھی جائے، اور لاش پھٹنے کی مدت متعین نہیں ہے اس کا مدار میت کے جسم (یعنی موٹا و پتلا ہونے) موسم (یعنی سردی وگرمی) اور زمین کی خاصیت اور تاثیر پر ہے۔کسی جگہ تین دن کسی جگہ دس دن تک اور کسی جگہ ایک مہینہ تک میت کا جسم خراب نہیں ہوتا اور نہیں پھٹتا، تین دن کے اندر اندر پڑھنے میں تو زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے تین دن گذر گئے ہوں تو جو لوگ زمین کی خاصیت کے ماہر ہیں ان سے تحقیق کرکے اس کے مطابق عمل کیا جائے بلا تحقیق نہ پڑھی جائے۔درمختار میں ہے (وان دفن)واھیل علیہ التراب (بغیر صلاۃ) اوبھا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ (صلی علی قبرہ)

استحساناً (مالم یغلب علی الظن تفسخه) من غیر تقدیر هو الا صح (درمختار) شامی میں ہے
۔(قوله هو الا صح) لانه یختلف باختلاف الا وقات حراً وبرداً والمیت سمناً وهزالاً والا مکنة
بحرو قیل یقدر بثلاثة ایام وقیل عشرة وقیل شهر عن الحموی (درمختار و شامی ج ۱ ص ۸۲۷
باب صلوٰة الجنائز قبیل مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد)(البحر الرائق ج ۲ ص
۱۸۲ کتاب الجنائز تحت قوله فان دفن بلا صلاة الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۹) یہاں پر (افریقہ میں) قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق یہاں کے علماء میں اختلاف ہوگیا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ ناجائز ہے دوسرا فریق کہتا ہے کہ بلا تکلف جائز ہے، سامنے قبر ہو یا نہ ہو، ان دونوں فریقوں میں کون سا فریق حق پر ہے؟ اور نماز جنازہ قبرستان میں پڑھی جائے یا نہیں۔ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) اگر قبرستان میں خالی جگہ ہو اور سامنے قبریں نہ آتی ہوں اور اگر آتی ہوں تو اتنے دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو یا درمیان میں کوئی حائل ہو تو نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔ حدیث کی معتبر کتاب جامع صغیر میں ہے۔ نهی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (ترجمہ) قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے (ج ۲ ص ۱۸۱) اور فقہ کی معتبر کتاب "البدائع الصنائع" میں ہے۔ قال ابو حنیفة ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور (ج ۱ ص ۳۱۵ . باب صلاة الجنازة فصل فی الدفن) (ترجمہ) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ "حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (بحر الرائق ج ۱ ص ۱۹۵)(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۰) خودکشی کرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

(الجواب) بے شک خودکشی گناہ کبیرہ ہے مگر شریعت مطہرہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اگر بعض مذہبی مقتدا زجراً لوگوں کی عبرت کے لئے نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں تو اس کی گنجائش ہے مگر عوام پر ضروری ہے کہ نماز جنازہ پڑھیں نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن نہ کریں۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان کی نماز جنازہ تم پر لازم ہے وہ نیک ہو یا بد او کما قال علیه الصلوٰة والسلام. درمختار میں ہے من قتل نفسه لو عمداً یغسل ویصلیٰ به یفتی ترجمہ۔ جو آدمی خود کو عمداً قتل کرے تو اس کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اسی پر فتویٰ ہے ۔(شامی ج ۱ ص ۸۱۵ باب صلوٰة الجنائز فصل فی صلاة الجنازة) واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) باب صلوٰة الجنائز تحت قوله ولا یحصص وفی البدائع قال ابو حنیفة رحمه اللہ ولا ینبغی ان یصلی علی المیت بین القبور وکان علی وابن عباس یکرهان ذلک فان صلوا اجزاهم الخ)

نماز جنازہ مسجد کی جماعت خانے میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۱) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے ایک اشتہار نیچے کی سرخی سے (گجراتی میں) "نماز جنازہ حنفی مذہب کے مطابق مسجد کے جماعت خانے میں پڑھی جائے" پڑھنے کے متعلق تفصیل اور اس کی تشریح شائع کی ہے۔ جس میں دسویں صدی ہجری کے عالم ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ واللہ کہہ کر فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں کی نماز جنازہ مسجد کے جماعت خانے میں پڑھی تھی۔

اور لکھتے ہیں:۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ صحابہؓ نے مسجد میں پڑھی تھی۔

اور لکھتے ہیں:۔

زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔

اور لکھتے ہیں:۔

نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنے کا عمل آج بھی مکہ مدینہ میں جاری ہے۔

اور لکھتے ہیں:۔

جو حدیث ابو ہریرہؓ ہدایہ میں ہے من صلی علی جنازة فی المسجد فلا اجر له وفی روایة فلا شئی له (جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے کچھ حاصل نہیں ہے) اس میں فلا اجر له کا لفظ کتب حدیث میں نہیں ہے، اور قطب الدین حنفی کے حوالہ سے بلا کراہت مسجد میں نماز جنازہ درست ہے لکھا ہے:۔

یہ اشتہار پڑھ کر بہت سے لوگ تشویش میں مبتلا ہیں، لہٰذا حنفی مذہب کا اس کے متعلق صحیح مسلک کیا ہے وہ مع دلائل وحوالہ کتب تحریر کریں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحیح مسلک، ظاہر مذہب، اور ظاہر روایت ومفتی بہ قول یہ ہے کہ "بلا عذر اور بلا وجہ جنازہ مسجد میں رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے (۱) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من صلی علیٰ جنازة فی المسجد فلا شئی له (یعنی) جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کے لئے کوئی چیز نہیں ہے یعنی اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۹۸ کتاب الجنائز باب الصلوة علی الجنازة فی المسجد)(ابن ماجه شریف ج ۱ ص ۲۳۸) حدیث معتبر اور قابل حجت ہے۔ خلاف میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۱۴۴ ابو داؤد میں فلا اجر له اور فلا شئی له دو نسخے ہیں، محدث خطیب کی تحقیق یہ ہے کہ "محفوظ روایت میں فلا شئی له ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کی بھی یہی تحقیق ہے (عینی شرح هدایه ص ۱۱۰۹ ج ۱ . ۲ باب الجنائز فصل فی الصلاة علی المیت)(عمدة القاری شرح بخاری ج ۸ ص ۱۱۸ کتاب الجنائز باب الصلوة علی الجنائز بالمصلی والمسجد)

(۲) دوسری صدی ہجری کے فقیہ محدث مجتہد فی المذہب حضرت امام محمدؒ المتوفی ۱۸۹ھ حضرت امام ابو

یوسفؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ تکرہ الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد (یعنی) مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے (الجامع الصغیر باب الکراھیۃ ص ۱۵۳)

(۳) تیسری صدی ہجری کے محدث فقیہ حضرت امام طحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:۔

وکراھتھا قول ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسف (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہونے کا قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے اور امام ابویوسف کا بھی یہی قول ہے (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۵ باب الصلوۃ علی الجنازۃ ھل ینبغی ان تکون فی المساجد اولا)

(۴) چوتھی اور پانچویں صدی کے فقیہ امام ابوالحسن قدوریؒ المتوفی ۴۲۸ھ فرماتے ہیں:۔

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ (ترجمہ) مسجد جماعت (جماعت خانے) میں جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے (قدوری ص ۳۵ باب الجنائز)

(۵) پانچویں صدی کے فقیہ مجتہد فی المسائل امام سرخسیؒ المتوفی ۴۹۰ھ فرماتے ہیں:۔

وتکرہ الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد عندنا (ترجمہ) ہمارے مذہب میں نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے۔ (مبسوط ج ۲ ص ۶۸ باب الصلوۃ علی الجنازۃ)

(۶) چھٹی صدی کے فقیہ امام طاہر بخاریؒ المتوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں:۔ صلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی یقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ (ترجمہ) جس مسجد میں نماز با جماعت ہوتی ہو وہاں پر نماز جنازہ مکروہ ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۲ باب الصلاۃ علی الجنازۃ)

(۷) ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے فقیہ ابوالبرکات نسفیؒ المتوفی ۷۱۰ھ فرماتے ہیں:۔

ولا فی المسجد (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (کنز الدقائق ص ۴۵ کتاب الجنائز)

(۸) آٹھویں صدی کے فقیہ صدر الشریعۃ المتوفی ۷۴۷ھ فرماتے ہیں۔ وکرھت فی مسجد جماعۃ (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے (مختصر الوقایہ ص ۲۳ ایضاً)

(۹) نویں صدی کے فقیہ حافظ الدین شہاب کردریؒ المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔ یکرہ صلوۃ الجنازۃ فی مسجد الجماعۃ (ترجمہ) مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص ۳۲)

(۱۰) دسویں صدی کے فقیہ ابن نجیم مصریؒ المتوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں:۔ منع ادخال المیت فیہ (ترجمہ) مسجد میں میت کو داخل کرنا ممنوع ہے (الاشباہ والنظائر ص ۵۵۷ ایضاً)

(۱۱) گیارھویں صدی کے فقیہ محدث ملا علی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ جن کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے فرماتے ہیں۔ وکرھت الصلوۃ علی الجنازۃ عند ناوعند مالک فی مسجد غیر معد لصلوۃ الجنازۃ (ہمارے اور امام مالکؒ کے نزدیک نماز جنازہ ایسی مسجد میں جو نماز جنازہ کے لئے نہیں بنائی گئی ہے مکروہ ہے) (شرح نقایہ لملا علی قاری ج ۱ ص ۱۳۶ باب الجنائز)

اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "بیضاء کے لڑکے کی نماز جنازہ کا واقعہ بنا بر چند وجوہ پیش آیا ہے اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوسکتا" اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی

نماز جنازہ پڑھے جانے کا جواب دیتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کو آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کرنا تھا اس لئے مسجد میں جنازہ لے جائے بغیر چارہ نہ تھا، لہذا یہ واقعہ بھی عذر کی وجہ سے پیش آیا ہے۔

آگے مسجد حرام کو اس نہی سے مستثنیٰ قرار دے کر لکھا ہے کہ "مسجد حرام نماز پنجگانہ، عیدین جمعہ، کسوف، خسوف، جنازہ اور استسقاء اور تمام امور کے لئے بنی ہے۔" (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۶ باب الجنائز فصل صلوۃ الجنازۃ)

الحاصل تیرہ سو ۱۳۰۰ سال سے علماء، فقہاء، محدثین اور ائمہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ثابت کرتے آئے ہیں یہ آپ اوپر جان چکے۔ اس مسلک کو زیادہ تائید کتب ذیل سے ملتی ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۲) (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳) (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵) (فتاویٰ برھنہ ج ۱ ص ۱۶۵) (شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۲۱) (ھدایہ ج ۱ ص ۲۵۵) (درمختار شامی ج ۱ ص ۸۲۸) (طحطاوی ج ۱ ص ۲۰۲) (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۷) (منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۸۷) (مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۸۴) (رسائل الارکان ص ۱۸۵) (نفع المفتی ص ۱۴۳) (کبیری ص ۵۴۵) (صغیری ص ۲۹۱) (نور الایضاح ص ۱۳۸) (مراقی الفلاح ص ۱۱۷) (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۶۲) (شرح سفر السعادۃ ص ۲۵۲) (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۵) (عینی شرح کنز ج ۱ ص ۶۷) (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۴۳) (مستخلص الحقائق ص ۲۷۴) (مالا بد منہ ص ۸۳)

کراہت کے دو سبب ہیں:۔

(۱) مسجد کا بے جا استعمال، اس لئے کہ مسجد فرائض اور اس کے توابعات کے لئے موضوع ہے (بنائی جاتی ہے) نہ کہ جنازہ کے لئے۔ جنازہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے ہی الگ جگہ ہوتی آئی ہے، دیکھئے (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷ باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد) (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۹) عن ابن عمر ان الیھود جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل منھم وامرأۃ زنیا فامر بھما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد (اخرجہ البخاری)

ابن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ "مدینہ میں جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ مسجد مبارک سے متصل مشرق کی جانب تھی" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰ ایضاً) وحکی ابن بطال عن ابن حبیب ان مصلی الجنائز بالمدینۃ کان لاصقاً بمسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ناحیۃ جھۃ المشرق انتھیٰ۔

اور مؤطا امام محمد میں ہے وموضع الجنازۃ بالمدینۃ خارج من المسجد وھو الموضع الذی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ فیہ (یعنی) مدینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ خارج مسجد ہے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پر نبی کریم ﷺ نماز جنازہ پڑھتے تھے (مؤطا امام محمد ص ۱۳۱ باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد)

حضرت ملا علی قاریؒ کی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں ہے کان للجنازۃ موضع معروف خارج المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جنازہ کے لئے مسجد سے خارج ایک جگہ تھی جس کو سب

جانتے تھے (معروف جگہ تھی) (ج ۲ ص ۳۵۷۔ باب المشی بالجنازة والصلوة علیھا)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے بیان کیا کہ ہم مسجد نبوی سے متصل میدان میں جہاں جنازہ رکھا جاتا تھا بیٹھے ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مذکورہ حدیث کی شرح میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں کہ فیه دلیل علیٰ انهم لم یکونوا یصلون علی الجنائز داخل المسجد الشریف (ترجمہ) اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز جنازہ مسجد شریف میں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۴۳ ایضاً)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے "سلف صالحین کی عادت نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ بنانے کی تھی، اگر مسجد میں نماز جنازہ ممنوع اور مکروہ نہ ہوتی تو مسجد چھوڑ کر الگ جگہ کیوں بناتے تھے؟

غیر مقلدوں کے مسلم حافظ حدیث ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں۔ فکانوا یجهزون میتهم ویحملونه الیه صلی الله علیه وسلم علی سریره فیصلی علیه خارج المسجد (ترجمہ) حضرات صحابہؓ کا طریقہ اور دستور یہ تھا کہ میت کو تیار کر کے چارپائی پر آنحضرت ﷺ کے سامنے لاتے اور آپ ﷺ اس پر خارج مسجد نماز ادا فرماتے۔" (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)

ساتھ ہی خلاصہ فرماتے ہیں:۔

لم یکن من هدیه الراتب لصلوة علیه فی المسجد وانما یصلی علی الجنازة خارج المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کا ہمیشہ کا معمول اور دستور مسجد میں جنازہ پڑھنے کا نہ تھا" (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)

آگے فرماتے ہیں:۔

"اور کبھی آنحضرت ﷺ کو مسجد میں جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جیسے کہ سہل بن بیضاء اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ کے سلسلہ میں، مگر یہ آپ کی سنت اور دستور نہ تھا۔"

اخیر میں فیصلہ فرماتے ہیں۔

والصواب ماذکرناه اولاً ان سنته وهدیه الصلوة علی الجنازة خارج المسجد الا لعذر (ترجمہ) صحیح اور درست وہی ہے جو ہم اولاً بیان کر چکے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ خارج مسجد جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کی وجہ سے (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۴)

اور ابن ہمام کی بھی یہی رائے ہے کہ "یہ بات قطعی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ اور آپ کا دوامی عمل اور طریقہ مسجد میں میتوں کو داخل کرنے کا نہ تھا۔" (فتح القدیر ج ۲ ص ۹۲ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت)

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا عمل یہاں تک تھا کہ نجاشی کی وفات کی خبر آپ ﷺ نے مسجد میں دی مگر نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو لے کر مصلی الجنازہ میں تشریف لے گئے اور وہاں نماز ادا فرمائی دیکھئے (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷۔ باب الصلوة علی الجنائز بالمصلیٰ والمسجد) (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۹)

حالانکہ جنازہ وہاں پر موجود نہ تھا، باوجود اس کے مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی کہ مسجد کے غلط استعمال کے مرادف ہے۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ " دل حدیث ابن عمر هذا علیٰ انه کان للجنائز مکان معد للصلوة علیها الخ" (ترجمہ) "حدیث ابن عمرؓ (متعلق برجم) اس بات پر دال ہے کہ نماز جنازہ کے لئے ایک الگ جگہ تیار کی گئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا کسی عذر کی وجہ سے تھا یا بیان جواز کے لئے تھا۔ واللہ اعلم" (ج ۳ ص ۱۶۰ ایضاً)

اور علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ انهم کانوا لا یصلون علی میت فی المسجد (ترجمہ) حضرات صحابہ اور سلف صالحین مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔ (کتاب المدخل ج ۲ ص ۸۱)

حضرت عائشہؓ والی روایت جس کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے:۔

(۱) حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کے متعلق حضرت عائشہؓ کی درخواست مشیر ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا، ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) صحابہؓ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوامی عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا، عذر کیا تھا؟ اس کا جواب محدث قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ یہ دیتے ہیں کہ "ایک روایت میں یہ صریح آیا ہے کہ حضرت معتکف تھے اس لئے مسجد میں پڑھی" (مظاہر حق ج ۲ ص ۴۹ باب المشی بالجنازة والصلوۃ علیھا)

(۳) اس موقعہ پر صحابہ کا یہ فرمانا کہ ماکانت الجنائز یدخل بها المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے" (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۳ کتاب الجنائز عن عبداللہ بن زبیر یحدث عن عائشۃ الخ) مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔

(۴) محض بیضاء کے لڑکے کے جنازہ کو داخلہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جنازے خارج مسجد پڑھے جاتے تھے اور مذکورہ دو جنازے کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھے گئے، حضرت عائشہؓ کو عذر کا علم نہ ہوگا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اجتہاد تھا کہ مسجد میں جنازہ کی نماز جائز سمجھتی ہیں جس کو صحابہؓ نے تسلیم نہیں کیا، واللہ اعلم، الغرض حدیث مذکور مسلک احناف کے خلاف نہیں ہے بلکہ تائید میں ہے، عذر کی صورت میں علمائے احناف بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

(۲) کراہت کا دوسرا سبب مسجد کے ملوث ہونے کا خوف اور احتمال ہے، تنزیہہ مسجد واجب ہے اس لئے مسجد کو ہر اس چیز سے بچانا ضروری ہے، جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہو یا ہونے کا احتمال ہو۔

حدیث شریف میں ہے عن ابن عمر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال خصال لا ینبغی فی المسجد ...... لا یمر فیه بلحم نئی (ابن ماجه ص ۵۵ باب مایکره فی المساجد) کچا گوشت لے کر کوئی بھی مسجد میں سے نہ گزرے۔ آنحضرت ﷺ نے امت کو وصیت اور ہدایت فرمائی ہے کہ جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم (ابن ماجه ص ۵۵ ایضاً) یعنی اپنے بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں نہ جانے دو۔

آٹھویں صدی کے علامہ ضیاء الدین سناویؒ نے "نصاب الاحتساب" میں مذکورہ حدیث پیش کر کے لکھا ہے

کہ لانہ لا یؤمن منہم النجاسۃ وھو المعنی الموجود فی المیت (باب ۱۵ ص ۳۳) یعنی اس لئے کہ بچوں اور پاگلوں سے نجاست کے متعلق اطمینان نہیں کر سکتے، خطرہ رہتا ہے کہ کوئی گندگی پھیلا دیں گے۔ یہ علت (گندگی کا خطرہ کہ خون وغیرہ نجاست خارج ہو جائے) جنازہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

"مبسوط" میں بھی حدیث مذکور نقل فرما کر لکھا ہے۔ فاذا کان الصبی ینھیٰ عن المسجد فالمیت اولیٰ (ج ۲ ص ۶۸ الصلوۃ علی الجنازۃ) (ترجمہ) جب بچوں کو مسجد سے روکا گیا ہے تو میت کو بطریق اولیٰ الگ رکھا جائے۔

"صلوٰۃ مسعودی" میں ہے "و نیز تنزیہ مسجد واجب است و مردہ از اند کے آلائش خالی نہ باشد" (ج ۲ ص ۲۱۵) (اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور مردہ تھوڑی بہت آلائش سے خالی نہیں ہوتا) اسی لئے مسجد نبوی جیسی مقدس اور بڑی فضائل والی جگہ چھوڑ کر جنازہ پڑھنے کی جگہ الگ مقرر کی گئی تھی۔ فی الحال اگر وہاں آنحضرت ﷺ کی سنت اور طریقہ کے خلاف عمل ہوتا ہو تو وہ شرعاً حجت نہیں ملا علی قاریؒ اور ابن ہمام اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ قلت ھذا انما کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین الیٰ انقضاء القرون الثلثۃ الخ (ترجمہ) "میں کہتا ہوں کہ اہل مدینہ کا بدعات سے سلامت رہنا اور ان کے عمل کا حجت اور دلیل ہونا نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے اور قرون ثلاثہ تک تھا مگر قرون ثلاثہ کے بعد حالات بہت بدل گئے اور بدعات کی کثرت ہوگئی خصوصاً ہمارے زمانے میں (عینی) (مجموعۃ الفتاویٰ)

اور حضرت ملا علی قاریؒ المتوفی ص ۱۰۱۴ھ اپنے زمانے کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ "حرمین شریفین کے موجودہ باشندے بدعات اور برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۱)

حضرت ملا علی قاریؒ کا بدعات حرمین کے موضوع پر ایک رسالہ بھی موجود ہے، اگر کوئی حنفی عالم حنفی مسلک اور ظاہر روایت و مفتی بہ قول کے خلاف فتویٰ دے تو اس سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہونے کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے سبب کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرے سبب کے لحاظ سے مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق کس کو پہنچتا ہے؟:

(سوال ۱۲) نماز جنازہ پڑھانے کا احق کون ہے؟ محلہ کا امام یا میت کا ولی؟ کتاب شرح وقایہ میں احق بالأئمۃ بادشاہ، پھر قاضی، پھر محلہ کا امام پھر اولیاء میت، اس ترتیب سے ہے؟ لہٰذا تفصیل کریں کہ احق بالأئمۃ کون ہے؟ امام یا اولیاء میت؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محلہ کا امام اس وقت زیادہ حق دار ہے جب کہ اولیاء میت میں اس سے کوئی افضل نہ ہو، اگر اولیائے میت جنہیں حق ولایت حاصل ہے اس امام سے افضل ہوں گے تو احق قرار پائیں گے یا جس کو وہ اجازت دیں۔ وفی شرح المجمع للمصنف انما یستحب تقدیم امام مسجد حیہ علی الولی اذا کان افضل من الولی ذکرہ فی الفتاویٰ ا ھ وھو قید حسن و کذا فی المجتبی وفی جوامع الفقہ امام المسجد الجامع

اولیٰ من امام الحی ا ھ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۰ الصلوۃ علی الجنازۃ تحت قولہ ثم امام الحی) (قولہ ثم امام الحی) المراد بہ امام مسجد محلتہ لکن بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولیٰ منہ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۳) وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۸۲۳ باب صلوۃ الجنائز مطلب فی بیان من أحق بالصلاۃ علی المیت)

کتاب شرح وقایہ کا مسئلہ صحیح ہے، جب امام کا انتخاب اعلمھم تمام محلہ والوں واہل مسجد میں زیادہ جاننے والا اور افضل ہونے) کے شرعی اصول کے مطابق عمل میں آیا ہو تو امام ہی احق ہے کہ اس سے افضل کوئی نہیں ہے اور اگر امام کا انتخاب قومیت وعصبیت اور سستی تنخواہ کے اصول سے ہوا ہے تو اولیاء میت میں سے جو افضل ہوگا وہ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام نے نماز جنازہ میں تین تکبیروں کے بعد سلام پھیر دیا:

(سوال ۱۳) جنازہ کی نماز میں امام نے تین تکبیروں کے بعد سلام پھیر دیا۔ لقمہ دینے پر چوتھی تکبیر کہہ کر نماز پوری کی تو نماز صحیح ہوگی یا قابل اعادہ ہے؟ اس لئے کہ سلام عمداً تھا یعنی نماز ختم کرنے ہی کے قصد سے سلام پھیرا گیا تھا اور مسئلہ ہے کہ عمداً سلام پھیرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تین تکبیر کو چار تکبیر سمجھتے ہوئے سلام پھیرا گیا ہے۔ یہ صورت سہو کی ہے اگر یہ سمجھتے ہوئی تیسری تکبیر پر سلام پھیرا کہ نماز جنازہ کی تین تکبیریں ہیں تو یہ سلام قصداً شمار ہو کر نماز فاسد ہو جاتی سلم المصلی الظھر مثلاً علیٰ راس الرکعتین توھما اتمھا اربعاً وسجد للسھو لان السلام ساھیا لایبطل لانہ دعاء من وجہ بخلاف ما لو سلم علیٰ ظن انہ فرض الظھر رکعتان بان ظن انہ مسافر او انھا الجمعۃ او کان قریب عھد بالا سلام فظن ان فرض الظھر رکعتان او کان فی صلوٰۃ العشاء فظن انھا التراویح فسلم او سلم ذاکرا ان علیہ رکنا حیث تبطل لانہ سلام عمد. یعنی ظہر پڑھنے والے نے مثلاً دو رکعت۔ پر نماز ختم ہونے یعنی چار رکعت پڑھ چکنے کے خیال سے سلام پھیرا تو یاد آ جانے پر چار پوری کرے اس لئے کہ بھولے سے سلام پھیرنا نماز کو باطل نہیں کرتا کہ سلام من وجہ دعاء ہے۔ قصداً سلام پھیرنے کی مثال یہ ہے کہ ظہر کی دو رکعت سمجھ کر سلام پھیرا اس خیال سے کہ مسافر ہوں یا تو جمعہ سمجھ کر سلام پھیرا تو سلام قصداً ہوا یا نو مسلم تھا ظہر کی دو رکعت فرض ہے یہ خیال کرتے ہوئے سلام پھیرا تو یہ قصداً ہوا اسی طرح عشاء پڑھنے والے نے دو رکعت پر سلام اس خیال سے پھیر دیا کہ تراویح کی دو رکعت پر سلام پھیر رہا ہوں یہ سلام بھی قصداً ہے کہ نماز پوری ہونے کے گمان پر سلام پھیرا یا یہ جانتے ہوئے سلام پھیرا کہ میرے ذمہ رکن باقی ہے یہ صورتیں قصداً سلام پھیرنے کی ہیں اس لئے ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۴۔۷۰۵ باب سجود السھو)

(نوٹ) کسی کو شبہ ہو کہ جس نمازی کے ذمہ سجدہ سہو ہو وہ اپنی نماز ختم کرنے کے قصد سے سلام پھیرتا ہے

اس کے باوجود اس کی نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کے لئے حکم ہے کہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے حالانکہ نماز باطل ہونی چاہئے کہ اس نے نماز ختم کرنے کے قصد سے سلام پھیرا تھا، جواب یہ ہے کہ مشروع چیز کے متغیر کرنے کی نیت باطل ہوتی ہے مشروع یہ تھا کہ سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کرتا۔ اس لئے درمیان میں قطع نماز کی نیت لغو ہوگی نماز باطل نہ ہوگی۔ فافہم۔ درمختار میں ہے ویسجد للسهو ولو مع سلام نا ويا للقطع لان نية تغيير المشروع لغو (ج ۱ ص ۷۰۴ باب سجود السہو) فقط والله اعلم بالصواب. السید عبدالرحیم لاجپوری غفرله.

سیلاب میں عورت بہہ کر آئی ہو تو کفن دفن اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۴) سیلاب میں کوئی عورت بہہ کر آ گئی ہو اور بدن پر کپڑے نہ ہوں اور ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم تو اس کے کفن دفن کا کیا حکم ہے؟ نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں جب مسلمان ہونے کی کوئی علامت نہ ہو تو مسنون طریقہ کی رعایت کئے بغیر اس کو نہلا کر کسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اگر کسی قرینہ سے دل گواہی دیتا ہو کہ مسلمان ہوگی تو نماز پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے، درمختار میں ہے (فروع) لو لم يدر امسلم ام كافر و لا علامة فان فى دارنا غسل وصلى عليه والا لا (قوله فان فى دارنا الخ) افاد بذكر التفصيل فى المكان بعد انتفاء العلامة ان العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان فى الصحيح لانه يحصل به غلبة الظن كما فى النهر عن البدائع وفيها ان علامة المسلمين اربعة الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة اه قلت فى زماننا لبس السواد لم يبق علامة (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۰۷ باب صلوة الجنائز قبیل مطلب فى الكفن) فقط والله اعلم بالصواب .

جڑواں بچوں کی نماز جنازہ:

(سوال ۱۵) ایک عورت کو دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوئے پھر دونوں بچوں کا ایک ساتھ ہی انتقال ہو گیا تو اب ان دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنا چاہئے یا الگ الگ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں دونوں بچوں کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھنا بہتر ہے، ایک ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن نیت دونوں کی کی جائے، درمختار میں ہے واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة على كل واحدة اولى من الجمع وتقديم الا فضل افضل وان جمع جاز الخ (درمختار ج ۱ ص ۸۲۱. ۸۲۲ ایضاً قبیل مطلب فى بيان من هو احق بالا مامة) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ کسی کے کھیت یا شاہراہ میں نہ پڑھے:

(سوال ۱۶) نماز جنازہ کے لئے کوئی جگہ علیحدہ نہیں۔ قبرستان کے قرب عیدگاہ ہے۔ جس میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ تو اب سڑک پر یا قریب کے کھیت میں پڑھتے ہیں تو کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں۔ عیدگاہ جملہ احکام میں مسجد کی طرح نہیں تاہم اختلاف سے بچنے کے لئے علیحدہ جگہ مقرر کر لینا بہتر ہے۔ لا تكره فى المسجد اعدلها و كذا فى مدرسة ومصلى عيد لانه ليس لها حكم المسجد فى الا صح. ترجمہ۔ "مصلی جنازہ" یعنی اس مسجد میں جو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اسی طرح مدرسہ میں یا عیدگاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ اصح یہی ہے کہ کیونکہ عیدگاہ جملہ احکام میں مسجد کی طرح نہیں ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۷ ج ۱ باب احكام الجنائز فصل السلطان احق لصلاته)

شاہراہ پر اور لوگوں کے کھیت میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ويكره صلوة الجنائز فى الشارع واراضى الناس (مراقی الفلاح ص ۱۱۷ باب احکام الجنائز) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں تین تکبیر کہے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۷) امام صاحب نے نماز جنازہ میں تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیا تو نماز صحیح ہے کہ دوبارہ پڑھی جائے؟

(الجواب) اس صورت میں نماز جنازہ صحیح نہیں۔ اعادہ کیا جائے۔ ہاں اگر تین تکبیر کہنے کے بعد بھول سے سلام پھیر دیا۔ پھر غلطی کا احساس ہوا۔ اور فوراً ایک تکبیر اور کہہ دی اور اس اثناء میں منافی نماز کوئی کام (مثلاً بات یا قبلہ سے سینہ پھیر لینا) نہیں کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ نماز جنازہ میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ ولو سلم الا مام بعد الثالثة نا سياً كبر الرابعة وليسلم (مراقی الفلاح ص ۱۱۵ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۲ ایضاً) والله اعلم بالصواب .

(سوال ۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جنازہ کی نماز اس طرح پڑھائی۔ کہ پہلے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی۔ اس کے بعد سورہ والعصر کی۔ اس کے بعد درود شریف۔ اس کے بعد دعاء میت بلند آواز کے ساتھ۔ اس صورت میں جنازہ کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ جواب میں حدیث کا حوالہ ضرور ہونا چاہئے۔ اور حنفی مذہب اور وہابی مذہب کا فرق بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔ اور تین چار علماء کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ اس طرف اس سے بہت سخت نا اتفاقی ہو رہی ہے۔ جواب جہاں تک ہو سکے جلد عنایت ہو۔ بہت کرم ہوگا۔ فقط۔ احقر عبدالرحیم۔ مقام کھگول۔ ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز تو ہو گئی۔ لیکن سورۂ فاتحہ وغیرھا اگر بطور قرأت پڑھا گیا ہے جیسا کہ غیر مقلدوں کی عادت ہے تو مکروہ ہے۔ وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القرأة بعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام (درمختار مع الشامی ص ۸۱۷ ج ۱ باب صلوة الجنائز مطلب فى صلاة الجنازة) اور نماز جنازہ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ سراً مسنون ہے۔ واما الدعاء والثناء والصلوة فالمسنون فيه سراً كذا فى البدائع (عمدة الرعاية على شرح الوقاية ص ۲۵۳ ج ۱ باب الجنائز فصل صلوة الجنازة وبعض الفروع والفوائد)

اور حنفی میت کے جنازہ کی نماز کا امام غیر مقلد کو ہرگز نہ بنایا جائے۔ نماز جنازہ کا مقصد دعاء ہے اور حمد وثناء

ودرود شریف آداب دعاء میں سے ہیں۔اس لئے پہلی تکبیر کے بعد ثناءاوردوسری تکبیر کے بعد صلاۃ (درود شریف) اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میت کے لئے اور تمام مومنین کے لئے دعا کی جاتی ہے۔اور چوتھی تکبیر کے بعد تسلیم ہے۔ یحمد الله بعد الا ولیٰ ویصلی علی النبی علیه الصلوٰة والسلام بعد الثانية ويد عو لنفسه وللميت وللمومنين بعد الثالثة ويسلم بعد الرابعة. الا ختيار ص ۹۵ ج۱ باب الجنائز)

نماز جنازہ حقیقۃً نماز نہیں ہے۔اس لئے اس میں اور نمازوں کی طرح قرأۃ نہیں ہے۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں ہے۔ عن سعيد بن ابی سعيد المقبری عن ابيه انه سأل ابا هريرة رضی الله عنه كيف تصلی علی الجنازة فقال ابو هريرة رضی الله عنه انا لعمر الله اخبرک اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت علیٰ نبيه صلی الله عليه وسلم ثم اقول اللّٰهم عبدک وابن عبدک وابن امتک كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمداً عبدک ورسولک وانت اعلم به الخ (مؤطا امام مالک باب كيف تصلی علی الجنازة) یعنی ابوسعید مقبری نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا کہ آپ جنازہ کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اللہ کے بقاء کی، میں تمہیں صحیح بتلاتا ہوں ۔(صورت یہ ہوتی ہے کہ میت کے گھر سے جنازہ کے ساتھ چلتا ہوں۔ پھر جب (نماز کے لئے) جنازہ رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر اللہ کی تعریف اور ثناء کرتا ہوں۔مثلاً (سبحانک اللهم وبحمدک الخ) پڑھتا ہوں۔ اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہوں۔ پھر یہ دعا پڑھتا ہوں۔جس کا ترجمہ یہ ہے۔یا اللہ تیرا بندہ اور تیرے بندہ کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔اور تو اس کے حالات سے پوری طرح واقف ہے الخ۔(ص ۷۹) اس روایت میں قرأۃ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ وفيه عن نافع ان عبدالله بن عمر كان لا يقرأ فی الصلوٰة علی الجنازة (ص ۷۹ ایضاً) یعنی مؤطا امام مالکؒ میں دوسری حدیث حضرت نافع کی ہے۔جس میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نماز جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے تھے۔فقہ مالکیہ کی بنیادی کتاب ”المدونۃ الکبریٰ“ کی عبارت بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔ جس میں حضرت مالک کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کو دعا قرار دیا اور نہ صرف اپنے متعلق یہ فرمایا کہ میں قرأت نہیں کرتا۔بلکہ حضرات اکابر صحابہ کے نام بھی شمار کرا دیئے کہ یہ حضرات نماز جنازہ کو دعا فرمایا کرتے تھے۔اور اس میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے اور پھر اس کو اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کا معمول فرمایا ہے:۔قلت لا بن القاسم ای شئی يقال علی الميت فی قول مالک قال الدعاء للميت قلت فهل يقرء علی الجنازة فی قول مالک قال لا قال ابن وهب عن رجال من اهل العلم عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وعبد الله بن عمر وفضالة بن عبيد وابی هريرة وجابر بن عبدالله و واثلة بن الا سقع والقاسم بن محمد و سالم بن عبدالله وابن المسيب وربيعة وعطا بن ابی رباح ويحيیٰ بن سعيد انهم لم يكو نوا يقرؤن فی الصلوٰة علی الميت قال ابن وهب وقال مالک ليس ذالک بمعمول به فی بلدنا انما هو الدعاء ادركت اهل بلدنا علیٰ ذلک لاخ (ص ۱۵۸. ۱۵۹ ج ا باب الجنائز)

اس لئے نماز جنازہ کو حقیقۃً نماز سمجھنا، اور حدیث " لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب." سے استدلال کرنا

صحیح نہیں ہے۔اگر نماز جنازہ حقیقۃً نماز ہوتی تو میت کا سامنے ہونا ضروری نہ ہوتا۔میت کا سامنے ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے سفارش اور دعاء مغفرت کی جاتی ہے۔علاوہ ازیں چاروں تکبیروں میں ہر تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی۔کیونکہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔وقولهم ان التكبيرات الا ربع قائم مقام اربع ركعات (شامی ص ۸۱۳ ج ا (باب صلوة الجنائز مطلب فی الصلاة الجنائز) اور اس میں رکوع اور سجدہ ہوتا۔اور تشہد ہوتا۔اور غلطی ہونے پر سجدۂ سہو کیا جاتا۔مگر نماز جنازہ میں ان میں سے کوئی عمل بھی نہیں ہوتا۔یہ درست ہے کہ بعض روایتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے۔مگر وہ ثناء اور دعاء کی جگہ ہے۔بطور قرأت پڑھنے کا صراحۃً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وفی شرح الهمام قالوا الا يقرأ الفاتحة الا ان يقرأ ها بنية الثناء ولم يثبت القرأة عن رسول الله وفی موطا الا مام مالک عن نافع ان ابن عمر كان لا يقرأ ها فی الصلوة علی الجنازة الخ (مرقاة المفاتيح ص ۴۷ ج ۴ باب المشی بالجنازة والصلوة عليها)

ولنا قول ابن مسعود ولم يوقت النبی صلی الله عليه وسلم شيئاً من القرآن فی الصلوة علی الجنازة رواه الا مام ما لک (ای) واجاب الحنفية بانه لم يكن قرأة الفاتحة لا جل انها قرأة بل علیٰ نية الثناء والدعاء جمعاً بين الا دلة وقرأة الفاتحة بهذ الجهة جائزة عند نا فتا مل (رسائل الا ركان ص ۱۵۲ فصل فی حكم الجنازة) القرأة يخرج عن القرآنية بقصد الثنا ء فلو قرأ الجنب الفاتحة بقصد الثناء لم يحرم ولو قصد بها الثناء فی الجنازة لم يكره الا اذا قرأ المصلی قاصد الثناء فانها تجزية (الا شباه والنظائر ص ۱۹۹. ۲۰۰) قوله ولو قصد بها الثناء فی صلوة الجنازة لم يكره اقول يفهم منه لو قصد القرآ نيته يكره قال فی المحيط والتجنيس لو قرأ الفاتحة يعنی فی صلوٰة الجنازة بنيةالدعاء فلا بأس به وان قرأ ها بنية القرأة لا تجوز لا نها محل الدعاء دون القرأة انتهی (حموی شرح اشباه ص ۲۰۰ الفن الثانی) الحاصل نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں ہے اگر پہلی تکبیر کے بعد...... سورۂ فاتحہ بہ نیت ثناء ودعا پڑھی جائے تو جائز ہے۔لیکن چونکہ نیت کے اس فرق کو عوام نہیں سمجھتے وہ سورۂ فاتحہ بطور قرأۃ ہی پڑھیں گے۔(جیسا کہ اور نمازوں میں پڑھتے ہیں) اور کراہت کے مرتکب ہوں گے۔اس لئے احناف نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عوام کو اجازت نہیں دیتے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نعش پھولی پھٹی ہو تو نماز جنازہ پڑھے یا نہیں؟:

(سوال ۱۹) نعش پھول گئی اور پھٹ گئی تو اس کی نماز جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے قابل نہیں۔بحر الرائق میں ہے۔ لا يصلی عليه بعد التفسخ لان الصلوٰة شرعت علی بدن الميت فاذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً . ترجمہ:۔پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے لائق نہیں کہ نماز جنازہ قائم بدن پر مشروع ہے اور فاسد بدن قائم نہیں رہتا۔(ص ۱۸۲ ج ۲ كتاب الجنائز فصل السلطان أحق بصلاته) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟:

(سوال ۲۰) نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرتے وقت امام اور قوم ہاتھ باندھے رکھیں یا چھوڑ دیں۔ ہمارے امام صاحب سلام سے قبل دونوں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) دونوں صورتیں جائز ہیں۔ امام طاہر ابن احمد البخاری سرخسیؒ خلاصۃ الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانه لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انه یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین هکذافی الذخیرة . یعنی نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے۔ بلکہ چھوڑ دے۔ اس لئے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی ذکر پڑھنا مسنون نہیں کہ ہاتھ باندھے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر دونوں سلام پھیرے۔ (ص ۲۲۵ ج ا الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز)

اور حضرت مولانا عبدالحیی لکھنویؒ "سعایہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ومن ههنا یخرج الجواب عما سالت من انه هل یضع مصلی الجنازة بعد التکبیر الا خیر من تکبیراته ثم یسلم ام یرسل ثم یسلم وهو انه لیس بعد التکبیر الا خیر ذکر مسنون فیسن فیه الا رسال. یعنی اخیری تکبیر کے بعد کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ لہذا ہاتھ چھوڑ دینا مسنون ہے۔ (ص ۱۵۹ ج ۲ .مطبوعہ مصطفائی .مطلب فی ان وضع الیمین علی الشمال فی القیام هل هو من خصائل الصلوٰة ام لا.) لیکن حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند باندھے رکھنے کے قائل ہیں اور یہی معمول بہا ہے۔ واضح ہو کہ جنازہ کی ہر تکبیر کے بعد ذکر مسنون ہے۔ اول کے بعد ثنا اور دوسری کے بعد درود شریف تیسری کے بعد دعاء، چوتھی کے بعد تسلیم (سلام) ان میں سے ہر ایک ذکر مسنون ہے۔ (الیٰ قول) اور ذکر عام ہے جو سلام کو بھی شامل ہے۔ اور فقہاء کا عموماً تکبیرات جنازہ میں وضع کو مسنون فرمانا دلیل کافی ہے۔ بغیر تصریح خلاف کے خلاف کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۳۱۴ ج ۵)

جنازہ کی نماز قبرستان میں پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱) صلوٰۃ جنازہ قبرستان میں پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) بلاعذر قبروں کے درمیان نماز جنازہ مکروہ ہے۔ مجبوری ہو تو مکروہ نہیں۔ وفی البدائع وغیر ها قال ابو حنیفة رحمه الله لا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور وکان علی وابن عباس یکر هان ذلک وان صلوا اجزاهم لما روی انهم صلوا علی عائشة وام سلمة بین مقام البقیع والا مام ابو هریرة وفیهم ابن عمر رضی الله عنهم ثم محل الکراهة اذا لم یکن عذر فان کا ن فلا کراهة اتفاقاً الخ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۷ فصل السلطان أحق بصلاته)فقط والله اعلم بالصواب.

مسجد میں جنازہ کی نماز:

(سوال ۲۲) مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) بعض کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی، کراہت تحریمی کی دلیل یہ ہے: ویکره صلوٰة الجنازة فی المسجد قال العبد اصلحه الله تعالیٰ وبعض الناس اعتادوا ان واحداً لو مات فی اللیل ولا یتهیأ لهم الا خراج الی المقبرة یضعونه فی المسجد وانه مکروه ذکر فی شرح الکرخی قال علیه السلام جنبوا مسا جد کم صبیا نکم لانه لایؤمن منهم النجاسة وهذا المعنی موجود فی المیت (نصاب الا حتساب قلمی ص ۳۳ باب نمبر ۱۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے نصف جسم پر جنازہ کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳) میت کا بدن آدھا یا اس سے کم یا زیادہ ہو تو اس کے غسل، کفن، دفن، نماز کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) جب میت کا جسم آدھا ہو سر کے ساتھ (یعنی سر بھی ہو) تو وہ پورے جسم کے حکم میں ہے، بطریق مسنون تجہیز وتکفین اور تدفین کی جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر آدھا جسم بلا سر کے ہو تو ایسی میت کے لئے نہ بطریق مسنون غسل ہے نہ تکفین نہ تدفین اور نہ نماز جنازہ، نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں رکھ دیا جائے اور مٹی ڈال دی جائے، آدھے سے کم جسم ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ شامی میں ہے (کالعضو من المیت) ای لو وجد طرف من اطراف انسان او نصفه مشقوقاً طولاً او عرضاً یلف فی خرقة الا اذا کان معه الرأس فیکفن کما فی البدائع ا ه (شامی ج ا ص ۸۰۹ باب صلوٰة الجنازة مطلب فی الکفن)فقط والله واعلم بالصواب.

مخنث (ہیجڑے) کی نماز جنازہ:

(سوال ۲۴) مخنث کی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) مسلم جماعت کا ہو تو نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ اسلامی حق ہے چاہے عملاً فاسق وفاجر ہو، حدیث شریف میں ہے صلوا علی برو فاجر (هدایه) [۱] والله اعلم بالصواب

پیدائش کے وقت زندگی کے آثار معلوم ہوں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) بچہ کی پیدائش کے وقت آثار حیات معلوم ہوتے تھے لیکن جب پورے طور پر پیدا ہو گیا تو آثار حیات معلوم نہ ہوئے تو اب اس کا نام رکھا جائے؟ اور جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) بچہ کے بدن کا اکثر حصہ باہر آنے تک آثار حیات باقی رہیں یعنی سر کی طرف سے پیدا ہو تو سینہ تک اور

(۱) باب الامامة ویصلی علی کل مسلم مات بعد الو لادة صغیر اکان او کبیرا ذکر اکان او انثی حرا کان او عبدا الخ فتاوی عالمگیری فی الصلاة علی المیت ج ا ص ۱۶۲.

پاؤں کی طرف سے پیدا ہو تو ناف تک نکلے، اس وقت تک آثار حیات باقی رہیں تو بچہ زندہ شمار ہوگا اور مسنون طریقہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا، اور اگر اکثر حصہ نکلنے سے پہلے مر جائے تو مردہ شمار ہوگا، اس کو دھو کر پاک کپڑے میں لپیٹ کر بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے اور دونوں صورتوں میں نام رکھ لیا جائے۔ درمختار میں ہے ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه ويرث ويورث ويسمىٰ ان استهل بالبناء للفاعل اى وجد منه ما يدل علىٰ حياته بعد خروج اكثره . الىٰ قوله . (والا) يستهل (غسل وسمى) عند الثانى وهو الاصح ويفتىٰ به ...... وادرج فى خرقة ودفن ولم يصلى عليه اه (درمختار مع الشامى ج ١ ص ٨٢٩ ،ص ٨٣٠ باب صلوٰة الجنائز مطلب فى صلاة الجنازة) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو؟:

(سوال ۲۶) بعض گاؤں میں نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں ہوتا، باوجود انتظار کے کوئی نہیں ملتا، مجبوراً نعش کے خراب ہونے کے ڈر سے بلا نماز جنازہ دفن کردی جاتی ہے تو اس کے متعلق حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے، بعض کے پڑھنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، اگر ایک بھی نہ پڑھے گا تو سب تارک فرض شمار ہوں گے اور میت بڑے خسارے میں رہے گی [1]. لہذا نماز جنازہ سیکھنا، پڑھنا، پڑھانا ضروری ہے اگر کوئی بھی نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ایک مرد یا عورت وضو کر کے جنازے کے سامنے کھڑے ہو کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھے پھر بقیہ تین تکبیریں کہہ دے (کل چار تکبیریں ہوں گی) تو نماز پڑھی ہوئی شمار ہوگی، گناہ سے بری ہو جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چند جنازے جمع ہو جائیں تو ان کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟:

(سوال ۲۷) ہمارے گاؤں کے قریب شہر بلی مورا میں ایک عورت، تین نابالغ بچے اور بچیاں انتقال کر گئی تھیں، ان چھ کی ایک ہی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنازے الٹی لائن میں ترتیب وار رکھے گئے تھے تو اس طرح پر ایک نماز جنازہ پڑھنے سے سب جنازوں کی نماز ہو جائے گی؟ بچے بچیاں نابالغ تھیں تاہم ایک ہی نماز پڑھی، اگر ایک نماز جنازہ کافی ہے تو ایسی حالت میں نماز جنازہ کس طرح پڑھیں اور جنازے کس طرح رکھے جائیں مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الکریم ؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً: ۔ ان تمام جنازوں کی ایک ہی نماز پڑھی گئی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سب جنازوں کی نماز ادا ہو جائے گی، جنازہ کی نماز کی دعا:۔

....

الصلاة على الجنازة فرض كفاية اذا قام به البعض واحداً كان اوجماعة ذكرا كان اوانثى سقط عن الباقين واذا ترك الكل اثموا هكذا فى التاتارخانية فتاوىٰ عالمگيرى فى الصلاة على الميت ج . ص ١٦٢ ومن لا يحسن الدعاء يقول اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات كذا فى المجتبىٰ بحر الرائق كتاب الجنائز تحت قوله وهى اربع تكبيرات الخ

اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا الخ میں مرد و عورت، چھوٹے بڑے سب شامل ہو جاتے ہیں، البتہ ایسی صورت میں بہتر اور افضل یہ تھا کہ ہر ایک کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جاتی اور جو میت افضل تھی اس کی نماز پہلے پڑھی جاتی پھر اس سے کم افضل کی وھلم جراً۔

جنازوں کی نماز ایک ساتھ پڑھی جائے تو ضروری ہے کہ سب جنازوں کی نیت کی جائے، اگر جنازے مختلف ہوں (یعنی کچھ مرد کچھ عورتیں کچھ بچے) تو جنازے رکھنے کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر عورت کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر نابالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل [1] کے پاس کھڑا ہو۔ اس کی صورت اس طرح ہے۔

مرد کا جنازہ | پھر | نابالغ بچہ | پھر | عورت | پھر | نابالغ بچی۔

امام کی جگہ۔

دوسری صورت:

سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگرے اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اور اس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔ مثلاً

(۴) نابالغ بچی

(۳) عورت۔

(۲) نابالغ بچہ۔

(۱) مرد کا جنازہ۔

امام کی جگہ۔

تیسری صورت:

یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی

....

یعنی سب سے مقدم میت کے پاس کھڑا ہوگا کیونکہ ان جنازوں میں وہی افضل ہے اور افضلیت کی وجہ ہی سے اس کو مقدم رکھا گیا ہے ۱۲

میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح) جس کی صورت یہ ہے:۔

(۴)	نابالغ بچی۔
(۳)	عورت۔
(۲)	نابالغ بچہ۔
(۱)	مرد کا جنازہ۔

امام کی جگہ

سب جنازوں کے لئے دعا اللھم اغفرلحینا ومیتنا الخ کافی ہے۔نابالغ جنازہ کے لئے اس دعا کے ساتھ نابالغ کی دعا شامل کرلے تو بہتر ہے،درمختار اور شامی ہے واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰۃ علیٰ کل واحدۃ اولیٰ من الجمع وتقدیم الا فضل افضل . وان جمع جازثم انا شاء جعل الجنائز صفاً واحداً (ای کما یصطفون عند الصلوۃ. بدائع ای بان یکون رأ س کل عند رجل الآخر فیکون الصف علیٰ عرض القبلۃ.شامی)وقام (الا مام) عند افضلھم وان شاء جعلھا صفاً ما یلی القبلۃ واحداً خلف واحد بحیث یکون صدر کل جنازۃ مما یلی الا مام لیقوم بحذاء صدرالکل (وروی فی غیر روایۃ الا صول ان الثانی اولیٰ لان السنۃ ھی قیام الا مام بحذاء المیت وھو یحصل فی الثانی دون الاول ا ہ (شامی) وان جعلھا درجاً فحسن لحصول المقصود (درجاً ای شبہ الدرج بأ ن یکون رأس الثانی عند منکب الا ول .بدائع .شامی) وراعی التر تیب المعھود خلفہ' حالۃ الحیاۃ فیقرب منہ الا فضل .فالا فضل الرجل مما یلیہ فالصبی فالخنثیٰ فالبالغۃ فالمراھقہ (درمختار مع الشامی مطلب فی صلا ۃ الجنازۃ ج ا ص ۸۲۱.۸۲۲)وھکذا فی (نور الا یضاح ص ۱۲۷)(مراقی الفلاح ص ۱۱۲)(طحطاوی علی مراقی الفلاح. ص ۳۴۵)

نوٹ:۔مختلف جنازوں میں اگر خنثیٰ کا جنازہ بھی ہوتو عورت کے جنازے سے پہلے اس کا جنازہ رکھا جائے ،پھر عورت کا جنازہ رکھا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

جنازہ کو صحن مسجد میں رکھنا:

(سوال ۲۸)ہمارے یہاں مسجد کی ایک جانب میں نماز جنازہ کے لئے ایک جگہ بنائی ہے،نماز جنازہ اس میں ہوتی ہے مگر جب جنازہ نماز فرض کے وقت آئے تو اس کو صحن مسجد میں فرض نماز پڑھنے تک رکھتے ہیں،تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

(الجواب) بلاعذر اور بدون مجبوری کے جنازہ کو مسجد (جماعت خانہ یا صحن) میں داخل کرنا منع اور مکروہ ہے،کیونکہ تلویث مسجد کا ڈر ہے۔شامی میں ہے کما تکرہ الصلوۃ علیھا فی المسجد یکرہ ادخالھا فیہ (شامی ج ا

ص ۸۲۷ مطلب فی کراھۃ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد)فقط واللہ اعلم .

جنازہ کی نماز بیٹھ کر پڑھائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۹)میت کا ولی نیک،متقی پابند شرع ہے لیکن وہ بیمار اور کمزور ہے اگر وہ اس مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جنازہ کی نماز صحیح ہوجائے گی۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ اذا صلی المریض علی جنازۃ قاعداً وھو ولیھا والقوم خلفہ قیام جاز (عالمگیری ج ا ص ۱۰۵ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نوٹ:۔یہ حکم ولی کے لئے خاص نہیں ہے،جس کو بھی جنازہ کی نماز پڑھانے کا حق ہے اس کے لئے یہی حکم ہے۔فقط واللہ اعلم ۱۷ جمادی الاول ص ۱۴۰۲ھ۔

چار سے زیادہ تکبیر کہنے والے کے پیچھے نماز جنازہ:

(سوال ۳۰)حنفی المذہب ایسے امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھے جو چار سے زائد تکبیر کہتا ہے تو یہ کیا کرے؟اس کی اقتداء کرے یا نہ کرے؟بینوا توجروا۔

(الجواب) اقتداء جائز ہے اور حنفی مقتدی صرف چار تکبیر کہہ کر خاموش کھڑا رہے،چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کرے ،جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ یہ بھی سلام پھیردے۔ ولو کبر امامہ خمساً لم یتبع لانہ' منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معہ اذا سلم بہ یفتیٰ(درمختار مع الشامی ج ا ص ۸۱۷.۸۱۹مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں اللّٰھم اغفر لحینا الخ کے ساتھ دوسری دعا پڑھنا:

(سوال ۳۱)بالغ میت کی نماز جنازہ میں اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا الخ پڑھی جاتی ہے،لیکن ہمارے امام صاحب اس کے ساتھ اللّٰھم اغفرلہ' وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ' ووسع مدخلہ' واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الا بیض من الدنس وابدلہ داراً خیراً من دارہ واھلاً خیراً من اھلہ وزوجاً خیراً من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار .پڑھتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

(الجواب) ہاں اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا کے ساتھ اللھم اغفر لہ ا ہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بہتر ہے،جنازہ عورت کا ہو تو ضمیر بدل کر پڑھے یعنی اللھم اغفرلہ' کے بجائے اللھم اغفرلھا . وارحمہ کے بجائے وارحمھا.وعافہ کے بجائے وعافھا۔نزلہ کے بجائے نزلھا۔واغسلہ کے بجائے واغسلھا ۔وابدلہ کی جگہ وابدلھا.من دارہ کی جگہ من دارھا الخ پڑھے (شامی ج ا ص ۸۱۶ صلاۃ الجنازۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم داشتہ عورت کے بچہ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۲) غیر مسلم داشتہ عورت کے ساتھ زنا کرنے سے تولد شدہ بچہ زانی کے گھر میں وفات پائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا نہیں؟ یا ایسے بچہ کو موت کے بعد غیر مسلموں کے سپرد کر دینا ضروری ہے؟

(الجواب) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، خاتم المحققین، علامہ ابن عابدینؒ (صاحب فتاویٰ شامی) کی تحقیق یہ ہے کہ ایسا بچہ مسلمان باپ (جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے) کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہوگا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، نیز ہمارے مسلک (حنفی) میں زنا سے پیدا شدہ بچی زانی کے لئے حرام ہے نیز زنا سے پیدا شدہ بچہ کو اس کا باپ زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور اس کے حق میں اس بچہ کی شہادت معتبر نہیں ہے جب ان تمام امور میں نطفہ کا اعتبار کیا گیا ہے، تو پھر نماز جنازہ پڑھنے میں بھی اس کا اعتبار ہونا چاہئے۔ نسب، وراثت اور نفقہ میں اس کا اعتبار نہ کرنے کی وجہ بدکاری کا سد باب ہے، علامہ سبکی شافعیؒ اور قاضی القضاۃ حنبلیؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ ورأیت فی فتاویٰ الشهاب الشلبی قال واقعة الفتوىٰ فی زماننا مسلم زنیٰ بنصرانية فاتت بولد فهل يكون مسلما اجاز بعض الشافعية بعدمه وبعضهم باسلامه وذكران السبكی نصر عليه وهو غير ظاهر فان الشارع قطع نسب ولد الزنا وبنته من الزنا تحل له عند هم فكيف يكون مسلماً وافتى قاضی القضاة الحنبلی بأ سلامه أيضاً وتوقفت عن الكتابة فانه وان كان مقطوع النسب عن ابيه حتى لا ير ثه فقد صرحوا عند نا بان بنته من الزنا لا تحل له وبأ نه لا يد فع زكاته لأ بنه من الزنا ولا تقبل شهادته له ...... قلت يظهرلی الحكم بالا سلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة (شامی ج ۲ ص ۵۴۲ باب نكاح الكافر مطلب الولد يتبع خير الأبوين ديناً)

بخاری شریف میں ابن شہاب زہری تابعیؒ کی روایت علامہ شامی کی تحقیق کی پوری پوری مؤید ہے کہ زنا سے پیدا شدہ بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے جب کہ اس کے ماں باپ یا فقط باپ مسلمان ہو، اس لئے کہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ہے قال ابن شهاب يصلى على كل مولود متوفى وان كان لبغية من اجل انه ولد على فطرة الاسلام يد عیٰ ابواه الا سلام اوابوه خاصةً وان كانت امه على غير الا سلام اذا استهل صارخاً صلى عليه ولا يصلى على من لا يستهل من اجل انه سقط فان ابا هريرة كان يحدث قال النبی صلى الله عليه وسلم ما من مولود الا يولد على الفطرة (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۱ باب اذا اسلم الصبی فمات هل يصلى عليه الخ) عمدة القاری ج ۸ ص ۱۷۷ ایضاً (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۶ ایضاً)

مذکورہ تحقیق کے مطابق اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، غیر مسلمانوں کو سپرد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوال کے وقت جنازہ کی نماز:

(سوال ۳۳) زوال کے وقت جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت

پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی نے ان اوقات میں نماز پڑھ لی تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسی وقت جنازہ آیا ہو تو پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں ہے پہلے سے آ گیا ہو تو تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنے کی اجازت نہیں ممنوع ہے، درمختار میں ہے (لا ينعقد الفرض) وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر. (سجدة تلاوة وصلوة جنا زة تليت) الآية (فی كامل وحضرت الجنازة قبل) لوجوبه كاملا فلا يتادی ناقصاً فلو وجبتا فيهالم يكره فعلهما ای تحريماً وفی التحفة الا فضل ان لا تو خرالجنازة (درمختار) شامی میں ہے (قوله وفی التحفة) هو كالا ستدراك على مفهوم قوله ای تحريماً فانه اذا كان الا فضل عدم التاخير فی الجنازة فلا كراهة اصلاً وما فی التحفة اقره فی البحر والنهر والفتح والمعراج لحديث ثلاث لايؤ خرن منها الجنازة اذا حضرت ...... الخ (درمختار والشامی ج ۱ ص ۳۴۷ كتاب الصلوة) فقط والله اعلم بالصواب.

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۳۴) آج کل یہاں یہ طریقہ کہیں کہیں دیکھا جا رہا ہے کہ کسی ملک سے انتقال کی خبر آتی ہے تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہاں اکثر لوگ حنفی المسلک ہیں تاہم بلا تحقیق اس پر عمل پیرا ہیں اور ان لوگوں کو دیکھ کر دوسرے بھی اس پر عمل کرنے کے لئے مصر ہوتے ہیں، تو غائبانہ نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ جو لوگ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے، مفصل ومدلل جواب کی ضرورت ہے، بینوا توجروا۔ (انگلینڈ)

(الجواب) غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے جنازہ کا سامنے ہونا شرط ہے، آنحضرت ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوا اس روز آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا اور صحابہ کے ہمراہ آپ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہہ کر جنازہ کی نماز پڑھائی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیان ہے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے، نیز اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود تھا، نجاشی کی خدمات بہت ہیں، مکہ مکرمہ میں جب مشرکین مکہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت ہی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا کہ کسی طرح اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آنحضور ﷺ کے حکم سے صحابہ نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں نجاشی نے صحابہ کا بہت ہی اعزاز واکرام کیا اور ہر طرح ان کو راحت پہنچائی اور خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو کر مخلص مسلمان بن گئے۔ ایسے وقت جب کہ صحابہ کا کوئی معین ومددگار نہ تھا نجاشی نے ان کو پناہ دی اور ہر طرح مدد کی تو جب آنحضور ﷺ کو ان کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سمیت ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود ہے، لہٰذا یہ حکم عام نہ ہوگا اور اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا، خود

آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں بے شمار صحابہ مدینہ منورہ کے باہر شہید ہوئے اور ان کے شہید ہونے کی خبر خود آنحضور ﷺ نے صحابہ کو دی مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ خود حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ جب کسی کا انتقال ہوجائے تو مجھے اس کی اطلاع دو اس لئے کہ میرا نماز پڑھانا مردے کے لئے باعث رحمت ہے، اور فرمان خداوندی ہے۔ ان صلوتک سکن لهم ۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ بیر معونہ کا مشہور حادثہ پیش آیا جس میں ستر ۷۰ قرائے صحابہ کو دشمنان اسلام نے دھوکہ سے اپنے ساتھ لے جاکر بڑی بے دردی سے سب کو شہید کردیا، حضور ﷺ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا ایک مہینہ تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ غزوۂ موتہ میں خود حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر دی، ان کے لئے دعاء مغفرت کی مگر نماز نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ کا عام حکم ہوتا تو آپ ﷺ ہر ایک کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے۔ اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پڑھتے مگر اس کا صحیح طور پر ثبوت نہیں، لہذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اگر پڑھے گا تو یہ خلاف سنت ہوگا۔ اب حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

درمختار میں ہے۔ وکونه امام المصلی وکونه للقبلة فلا تصح علی غائب ومحمول علی دابة ...... وصلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لغویة او خصوصیة (قوله او خصوصیة) اولانه رفع سریره حتی راه علیه الصلوة والسلام بحضرته فتکون صلوة من خلفه علی میت اه الامام وبحضرته وهذا غیر مانع من الا قتداء فتح واستدل لهذین الا حتمالین بما لا مزید علیه فارجع الیه من جملة ذلک انه توفی خلق کثیر من اصحابه صلی اللہ علیہ وسلم من اعزهم علیه القراء ولم ینقل عنه انه صلی علیهم مع حرصه علی ذلک حتی قال لا یموتن احد منکم الا آذنتمونی به فان صلاتی علیه رحمة له' (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۸۱۳ مطلب فی صلاة الجنازة)

مراقی الفلاح میں ہے۔ والصلوة علی النجاشی کانت بمشهده کرامة له' ومعجزة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم (قوله کانت بمشهده) ای بمشهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای بما کان رآه وشاهده فیه صلی اللہ علیہ وسلم فرفع له سریره حتی رأه بحضرته فتکون صلاة من خلفه علیٰ میت یراه الامام دون المأمومین وهذا غیر مانع من الا قتداء اوانها خصوصیة للنجاشی او ان المراد بالصلاة الدعاء لا الصلوة المخصوصة ومثل ماذکر یقال فی صلوته صلی اللہ علیہ وسلم علی زید بن حارثة وجعفر بن ابی طالب حین استشهد بموته اه (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۹ فصل فی الصلوة علی الجنازة)

زجاجة المصابیح میں ہے عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی للناس النجاشی الیوم الذی مات فیه وخرج بهم الی المصلی فصف بهم وکبر اربع تکبیرات متفق علیه . وروی ابن حبان فی صحیحه عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیه فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفه فکبر اربعاً

وهم لا یظنون الا ان جنازته بین یدیه وفی روایة ابی عوانة فصلینا خلفه ونحن لا نری الا ان الجنازة قد امنا (زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۴۵۸، ۴۵۹ باب المشی بالجنازة والصلوة علیها)

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے۔ ونحن نقول رفع له سریره حتی رآه بحضرته او کشف له فیکون صلاة من خلفه کالصلوة علی میت رآه الا مام بحضرته دون المأمومین وهذا غیر مانع من الا قتداء وقیل ذلک مخصوص بالنجاشی فلا یلحق به غیره کذا فی اللمعات وفی المرقاة وعن ابن عباس رضی اللہ عنه قال کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم سریر النجاشی حتی رآه وصلی علیه (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۳ باب ماجاء فی صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی (مرقاة ج ۴ ص ۴۶)(مطبوعه ملتان)

عمدة الفقه میں ہے:۔ میت کا وہاں موجود ہونا..... پس غائب کی نماز جنازہ درست نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے سامنے سے جنازہ کے درمیان کے پردے اللہ تعالیٰ نے ہٹا دیئے اور اس کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کردیا، دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے تو آپ کا امام ہو کر اس کی نماز جنازہ حاضر میت پر ہوا اور صحابہؓ کا آپ کی اقتداء کرنا اگرچہ وہ میت کو نہ دیکھ رہے ہوں جائز ہوا اس میں کوئی مانع نہیں اگر غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو حضور انور ﷺ ان صحابہ کرامؓ کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھتے جو کثیر تعداد میں آپ سے دور فوت ہوئے اور دفن ہوئے حالانکہ باوجود آپ ﷺ کے نماز جنازہ پر بہت حرص فرمانے کے اور باوجود حکم الٰہی کے کہ ان صلوتک سکن لهم اور آپ ﷺ نے فرمایا لا یموتن احد منکم الا آذنتمونی به فان صلوتی علیه رحمة له ، کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہوا، پس کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے اور جن لوگوں نے حدیث نماز جنازہ بادشاہ حبشہ نجاشی سے سند پکڑ کر اس کا رواج ڈالا ہے یہ غلط اور غیر مشروع ہے (عمدة الفقه ص ۵۱۶ ص ۵۱۷ مطبوعہ کراچی پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جنازہ کی نماز متعدد بار پڑھنا، اگر ولی اعادہ کرے تو اس کے ساتھ کون لوگ شریک ہوسکتے ہیں؟:

(سوال ۳۵) ہماری بستی میں ایک بہت بڑا ڈیم (بند) ہے، بہت سے مسلمان بغرض ملازمت یہاں مقیم ہیں، کبھی کسی مسلمان کا انتقال ہوجاتا ہے تو بستی والے میت کو غسل دے کر اور کفنا کر نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں پھر میت کے اولیاء میت کو اپنے وطن لے جاتے ہیں اور میت کے عزیز و اقارب اور متعلقین دوسرے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں اس طرح میت کے دو مقام پر دو مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو ایک میت پر دو مرتبہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ (۲) جن لوگوں نے پہلی نماز میں شرکت کی ہے وہ لوگ دوسری بار نماز جنازہ میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یکے بعد دیگرے حضور اقدس ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ مکرر پڑھ سکتے ہیں، آپ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ (۱۔۲) ولی نے خود نماز جنازہ پڑھی یا اس کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھی گئی (اجازت یا بہ صراحۃ ہو یا دلالۃ جیسے اجانب (دوسرے لوگوں) نے اپنے طور پر نماز شروع کی اور ولی نے اس کی اقتدا کرلی) تو فرض کفایہ ادا ہوگیا اور تمام لوگوں کی طرف سے یہ فریضہ ساقط ہوگیا، اب اگر دوسرے لوگ نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو حنفی مسلک کے مطابق ان کے لئے اجازت نہیں، اس لئے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جب ایک مرتبہ ادا کرلی گئی تو سب کی طرف سے فریضہ ساقط ہوگیا، البتہ ولی نے نماز نہ پڑھی ہو نہ اس کی اجازت سے نماز پڑھی گئی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع میں روایت نقل فرمائی ہے ولنا ماروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فلما فرغ جاء عمر رضی اللہ عنہ ومعہ قوم فاراد ان یصلی ثانیاً فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علی الجنازۃ لا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ وھذا نص فی الباب یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اس کے بعد حضرت عمرؓ اور آپ کے ہمراہ کچھ لوگ حاضر ہوئے اور دوبارہ نماز پڑھنی چاہی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی البتہ میت کے لئے دعا واستغفار کرو (بدائع الصنائع ص ۳۱۱ فصل فی صلاۃ الجنازۃ)

درمختار میں ہے (فان صلی غیرہ) ای الولی (ممن لیس لہ حق التقدم) علی الولی (ولم یتابعہ) الولی (اعاد الولی) ولو علی قبرہ ان شاء لا جل حقہ لا لا سقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع (والا) ای وان صلی من لہ حق التقدم و تابعہ الولی (لا) یعید لانھم اولیٰ بالصلوۃ معہ (وان صلی الو لی بحق) بان لم یحضر من یقدم علیہ لا یصلی غیرہ بعدہ وان حضر من لہ التقدم لکو نھا بحق الخ (درمختار مع رد المحتار ص ۸۲۵، ص ۸۲۶ ج ۱. مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)

بدائع الصنائع میں ہے۔ ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ لا جماعۃ ولا وحدانا عندنا الا ان یکون الذین صلوا علیھا لا جانب بغیر امر الا ولیاء ثم حضرا لو لی فحینئذ لہ ان یعیدھا (بدائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل فی صلاۃ الجنازۃ)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔ ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ..... قال محمد رحمہ اللہ فی الاصل الا ان یکون الذی صلی اول مرۃ غیر الولی فحینئذ یکون للولی حق الا عادۃ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ص ۱۷۸ ج ۲ کتاب الجنائز نوع آخر من ھذ الفصل فی المتفرقات)

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس ﷺ کی نماز جنازہ کے بعد دیگرے ادا کی اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی توجیہات بیان فرمائی ہیں (۱) بحیثیت خلیفۃ المسلمین حق ولایت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل تھا آپ کے پڑھنے سے قبل دوسرے لوگ پڑھتے رہے خلافت کے انتظام کے بعد جب آپ نے بھی پڑھ لی تو اس کے بعد کسی نے بھی نہیں پڑھی۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔
وھکذا تاویل فعل الصحابۃ فان ابا بکر کان مشغولا بتسویۃ وتسکین الفتنۃ فکا نوا

یصلون علیہ قبل حضورہ و کان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ لما فرغ صلی علیہ ثم لم یصلی علیہ احد بعدہ کذا فی المبسوط (عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر ص ۱۲۱ ج ۲ فصل فی الصلاۃ علی المیت)

بدائع الصنائع میں ہے وھذا تاویل فعل الصحابۃ رضی اللہ عنہم فان الولایۃ کانت لا بی بکر لانہ ھو الخلیفۃ الا انہ کان مشغولا بتسویۃ الا مور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصلی بعدہ علیہ واللہ اعلم (بدائع الصنائع ص ۳۱۱، ۳۱۲ ج ۱ فصل فی صلاۃ الجنازۃ)

درمختار میں ہے قلت لکن ذکر فی النھایۃ عن المبسوط بعدہ ما ذکرہ ان تاویل صلوۃ الصحابۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر رضی اللہ عنہ کان مشغولا بتسویۃ الا مور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ و کان الحق لہ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ. (ھامش رد المحتار ص ۸۲۵ ج ۱ باب صلوۃ الجنائز مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)

(۲) یا پھر یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے (قولہ لا ن تکرارھا غیر مشروع)..... وانظر مع ھذا ما قدمناہ قریباً من تکرار الصحابۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رأیت فی ابی السعود ان ذلک من خصوصیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم (طحطاوی علی الدر المختار. ص ۴۰۱ ج ۱ ایضاً)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ وصلوۃ الصحابۃ علیہ صلی اللہ علہ وسلم افواجا خصوصیۃ کما ان تاخیر دفنہ من یوم الا ثنین الی لیلۃ الاربعاء کان کذلک لانہ مکروہ فی حق غیرہ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۲۴ فصل السلطان احق بصلاتہ)

محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "نبی کریم ﷺ پر تکرار صلوۃ آپ کی خصوصیت ہے الخ" علامہ انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ (نور اللہ مرقدہٗ) (بحوالہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۳۶۱ جلد پنجم)

(۳) حضور اقدس ﷺ کا صحابہ پر جو حق ہے وہ ظاہر ہے ہر صحابی پر (جو اس وقت وہاں موجود تھے) نماز فرض عین تھی مکرر پڑھنا ان کے حق میں نفل نہیں تھی طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے او لا نھا فرض عین علی الصحابۃ لعظیم حقہ صلی اللہ علیہ وسلم علیھم لا تنفلا بھا الخ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۲۴ فصل السلطان احق بصلاتہ)

پہلی نماز نہ ولی کی اجازت سے پڑھی گئی ہو نہ ولی نے اقتداء کی ہو جب ولی اعادہ کرے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ لوگ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے، درمختار میں ہے ولذا قلنا لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع، شامی میں ہے، فلیس لمن صلی اولا ان یعید مع الولی لان اعادتہ تکون نفلا من کل وجہ (درمختار و شامی ص ۸۲۶ ج ۱ باب صلوۃ الجنائز مطلب فی صلاۃ الجنازۃ) اور جو لوگ پہلی نماز میں شریک نہیں تھے اگر وہ لوگ تبعاً ولی کے ساتھ شریک ہوجائیں تو گنجائش ہے۔

فقہاء کی عبارتوں سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے۔عمدۃ الفقہ میں ہے۔

''اور جب ولی اس میت پر نماز کا اعادہ کرے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک نہیں تھے وہ ولی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں اور جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ دوبارہ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی وہ نماز نفل ہوگی جو مشروع نہیں ہے (عمدۃ الفقہ ص ۵۲۸ ج ۲)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

(سوال) نماز جنازہ پڑھ کر جب میت کو دفن کر دیا جائے تو پھر اس میت کی قبر پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو جن لوگوں نے پہلے نماز جنازہ پڑھی تھی وہ بھی نماز میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں اور پہلا ہی امام نماز جنازہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(الجواب) اگر پہلی نماز ولی نے پڑھی یا اس کی اجازت سے دوسرے نے پڑھائی اور ولی شامل جماعت ہوا تو پھر کسی دوسرے کو دوبارہ اس میت پر یا اس کی قبر پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، درمختار میں ہے۔وان صلی ھو ای الولی بحق الخ لا یصلی غیرہ بعدہ' الخ اور اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی تو اس کو اعادہ کا حق ہے لیکن جو لوگ پہلے نماز پڑھ چکے ہیں وہ شریک نہ ہوں فقط۔(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۲۵۸ جلد پنجم)

امداد الاحکام میں ہے۔

(سوال) سیدی المحترم ادام اللہ ظلال فیوضکم ، بعد سلام مسنون معروض خدمت عالی اینکہ مسئلہ مندرجۂ ذیل میں چند اشکال درپیش ہیں، امید ہے کہ ان کو حل فرما کر تسکین فرمائیں گے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ غیر من لہ' حق التقدم اگر میت کی نماز پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے اول اشکال یہ ہے کہ فرض جماعت اولی سے ساقط ہو گیا، اب ولی کی نماز فرض ادا ہوگی یا نفل، دوسرے یہ کہ ولی کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی شریک ہو سکتے یا نہیں؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریک نہیں ہو سکتے اور ولی تنہا نماز پڑھے اس لئے کہ ولی کو اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اس کا حق باقی رہ گیا ہے اور دوسرے لوگوں کا کوئی حق باقی نہیں رہا، لہذا جماعت ثانیہ ولی کے ساتھ نہیں ہو سکتی اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے جو تیمم کے باب میں ہے کہ ولی کے علاوہ اور لوگوں کو اگر فوت صلوۃ کا خوف ہے تو تیمم کر لیں اور ولی وضو کرے اور لوگوں کو اگر ولی کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی تو یہ چاہئے تھا کہ اگر ولی کو وضو کرتے دیکھیں تو یہ بھی وضو کر لیں اور ولی کے ساتھ شریک ہو جائیں اور جماعت ثانیہ کر لیں اور تیمم نہ کریں، حالانکہ یہ کہیں نہیں ملتا ادھر اس صلوۃ کا فرض کفایہ ہونا یہ بتلاتا ہے کہ فرض تو تھی ہر ایک پر مگر بعض کے ادا کرنے سے اوروں سے ساقط ہو جاتی ہے اور اگر دوسرے بنفسہ ادا کریں تو ہر ایک سے فرض ہی ادا ہوگا لہذا بعد میں ولی کی اور اس کی ساتھیوں کی نماز فرض ادا ہونی چاہئے جیسا کہ ایک شہر میں اگر کئی شخص اعتکاف کریں تو ہر ایک کی سنت ادا ہوگی، غرض یہ کہ بہت تردد ہے بدائع وفتح القدیر وشامی وغیرہ بہت دیکھیں جزئیہ مرقومہ کہیں نہیں ملتا کہ تعدد صلوۃ جنازہ اس طرح طریقے پر جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) قال فی رد المحتار فالا حسن الجواب عما قالہ المقدسی بان اعادۃ الولی لیست نفلا لان صلوۃ غیرہ وان تادی بھا الفرض وھو حق المیت لکنھا ناقصۃ لبقاء حق الولی فیھا فاذا

اعادھا وقعت فرضا مکملا للفرض الاول فلیس لمن صلی اولا ان یعید ھا مع الولی لان اعادتہ تکون نفلا من کل وجہ بخلاف الولی لانہ صاحب الحق (شامی ص ۹۲۳ ج ۱ مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) ولی کا اعادہ بطور نفل کے نہیں (۲) جو لوگ پہلی جماعت میں شریک ہو چکے ہیں ان کو ولی کے ساتھ اعادہ مکروہ ہے (۳) جو لوگ پہلے شریک نہ ہوئے ہوں ان کو ولی کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے افادہ قید لمن صلی اولا وقیود الفقرا حترازیہ اور تیمم کے مسئلہ پر قیاس درست نہیں کیونکہ جو لوگ جماعت اولی کے وقت حاضر ہیں اور تیمم کر کے جماعت اولی کو پا سکتے ہیں ان کو جماعت ثانیہ کا انتظار مکروہ ہے اس لئے وہ مامور بالتیمم ہیں کیونکہ انتظار جماعت ثانیہ میں جماعت ثانیہ کو گونہ اہتمام ہے، حالانکہ بعد ادائے فرض کے دوسری جماعت قابل اہتمام نہیں ہے اور ولی کو تیمم کی اجازت اس لئے نہیں کہ وہ صرف اپنے حق کی وجہ سے تنہا بھی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اس کو انتظار جماعت کی ضرورت نہیں فقط (امداد الاحکام ص ۷۴۴، ص ۷۴۵ ج ۱ کتاب الجنائز، امداد الفتاوی کا تکملہ زیر نگرانی ورہنمائی حضرت تھانویؒ) (تالیف حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ وحضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ تھلوی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے صحن یا اس کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۳۶) مسجد کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی مسجد (جماعت خانہ) میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، صحن اگر داخل مسجد ہو یا اس کے خارج ہونے کا یقین نہ ہو تو صحن مسجد میں بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ صحن خارج مسجد ہے (جیسے کہ بعض جگہ کا یہی عرف ہوتا ہے، تو صحن مسجد میں یا اس کے علاوہ مسجد کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، کفایت المفتی میں ہے۔

(خلاصہ سوال) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور صحن مسجد جس میں نماز پڑھی جاتی ہے وہ داخل مسجد ہے یا نہیں؟ مسجد کے باہر کشادہ سڑک ہے، قبرستان کا فاصلہ ڈیڑھ میل ہے، جس کی وجہ سے وہاں نماز جنازہ میں مجمع نہیں ہوتا اور سڑک پر پڑھنے سے کافی مجمع ہوتا ہے تو نماز جنازہ کہاں پڑھنا اولی ہے؟ سڑک پر یا قبرستان میں؟

(الجواب) بہت سے مقامات میں صحن مسجد کو خارج از مسجد قرار دیتے ہیں اور وہاں عرف یہی ہوتا ہے، اسی بناء پر بانیان مسجد بھی صحن کو مسجد میں داخل کرنے کی نیت نہیں کرتے، ایسی صورت میں نماز جنازہ صحن میں پڑھ لینی جائز ہے، اور اگر صحن کو مسجد قرار دیا گیا ہو تو باہر سڑک پر نماز جنازہ پڑھنا اولی ہے کہ قبرستان لے جانے اور وہاں نماز پڑھنے میں نمازی کم ہو جاتے ہیں (حضرت مولانا مفتی اعظم) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۹۹ کتاب الجنائز۔) واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ۔

نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے نفل نماز توڑنا:

(سوال ۳۷) ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اس حالت میں ایک جنازہ لایا گیا اور نماز جنازہ کی تیاری ہونے لگی اسے

یہ اندیشہ ہوا کہ اگر نفل پوری کروں گا تو نماز جنازہ مجھے نہیں ملے گی، تو نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے نفل نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جنازہ نہ ملنے کے خوف سے نفل نماز توڑ دینا جائز ہے لیکن فرض نہ توڑے او کان فی النفل فجئی بجنازۃ وخاف فوتھا قطعہ لامکان قضائہ (درمختار) قلت عارضہ ان الفرض اقوی منھا بخلاف النفل (شامی ص ۶۶۲ ج ۱ ، باب ادراک الفریضۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

عذر کی وجہ سے جماعت خانہ میں نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۳۸) جنازہ کی نماز ازدحام کثیر کی صورت میں جب کہ نماز جنازہ کی متعین جگہ (جو مسجد سے بالکل علیحدہ ہے) میں سب کے سمانے کی گنجائش نہ ہو جماعت خانہ میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، درست نہیں ہے، البتہ شرعی عذر بارش وغیرہ کی وجہ سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح شارع عام میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لیکن عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے، صورت مسئولہ میں نماز جنازہ کی متعین جگہ میں حاضرین کے سمانے کی گنجائش نہ ہو اور جماعت خانہ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں بلا کراہت نماز جنازہ جماعت خانہ میں پڑھ سکتے ہیں، شامی میں ہے: (تتمہ) انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا ومن الا عذر المطر کما فی الخانیۃ ...... مطلب فی کراھۃ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد الخ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں نماز جنازہ:

(سوال ۳۹) ہمارے یہاں قبرستان میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، قبرستان میں ایک مزار پر عمارت بنی ہوئی ہے اس عمارت کے باہر اس کی دیوار کے ساتھ جنازہ رکھ کر لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ وہ عمارت قبلہ رو ہوتی ہے قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے اس دوران بہت سے علماء بھی آئے لیکن کسی نے مزار کے سامنے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا کہ وہاں نماز نہیں ہوتی مگر ایک مولوی صاحب ایک جنازہ میں آئے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہاں نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی نیز ان کا کہنا ہے کہ آج تک جو بھی نماز جنازہ پڑھی گئی وہ نہیں ہوئی تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(الجواب) قبرستان میں کھلی جگہ جس کے سامنے بھی قبر نہ ہو وہ جگہ نماز جنازہ کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے، ایسی جگہ میسر نہ ہو سکے تو قبر کے سامنے بھی جنازہ کی نماز بلا تردد درست ہے، قبر کے سامنے رکوع سجدہ والی نماز اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہے لیکن جب نماز جنازہ میت کے سامنے ہونے کے باوجود مشروع ہے تو پھر قبر کے سامنے ہونے میں کیا حرج ہے، بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کا ایک ایسی قبر پر گذر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کب دفن کیا گیا ہے، صحابہؓ نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں، آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوا، پھر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی عن ابن عباس ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا قال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذنتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلی علیہ، متفق علیہ (مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیھا ص ۱۴۵) اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ کوئی میت بلا نماز دفن کر دی گئی ہو تو لاش خراب ہونے سے پہلے پہلے اس کی قبر پر نماز جنازہ درست ہے وان دفن بلا صلوۃ صلی علی قبرہ وان لم یغسل مالم یتفسخ (نور الایضاح فصل السلطان أحق بصلاتہ ص ۱۳۰ وص ۱۳۱)

لہذا صورت مسئولہ میں نماز نہ ہونے کا حکم صحیح نہیں ...... نیز امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۷۷، ۷۷۸ مطبوعہ پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احقر کا یہ "فتویٰ" فتاویٰ رحیمیہ گجراتی ص ۱۴۵، ص ۱۵۰ جلد نمبر ۵ میں شائع ہو چکا ہے اس کا ترجمہ کر کے فتاویٰ رحیمیہ اردو میں شامل کیا گیا، میرے ایک عزیز مکرم دام مجدہ، جزاہم اللہ وبارک اللہ فی علمہ وعملہ نے توجہ دلائی کہ امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳۳ مطبوعہ دیوبند کا مطالعہ کر لیا جائے ...... احقر نے امداد الفتاویٰ کا فتویٰ بغور سنا، اب احقر اپنے مندرجہ بالا فتویٰ سے رجوع کرتا ہے اور امداد الفتاوی کے حوالہ سے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا جو فتویٰ نیچے نقل کیا جا رہا ہے اسے قابل عمل سمجھا جائے امداد الفتاویٰ میں ہے۔

تحقیق کراہت صلوۃ جنازہ در مقبرہ:

میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا چنانچہ تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۴۹ پر وہ فتویٰ درج ہے اور اس جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اھ۔

لیکن ایک عزیز نے شرح جامع میں یہ حدیث دکھلائی ۔نھی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (طس عن انس رضی اللہ عنہ) اور اس کی وجہ یہی بیان کی ہے فانھا صلوۃ شرعیہ والصلوۃ فی المقبرۃ مکروھۃ تنزیھا ،اور یہ بھی کہا ہے اسنادہ حسن، یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے، لہذا اس فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، گو نماز ادا ہو جائے گی مگر کراہت کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

اور غور کرنے سے اس درایت کا جواب بھی ذہن میں آ گیا، وہ یہ کہ فقہاء نے نمازی کے سامنے شمع وسراج کے ہونے کو جائز فرمایا ہے اور انگارے کے سامنے ہونے کو مکروہ فرمایا ہے اور وجہ فرق یہ بیان کی ہے۔ لانہ لم یعبدھا احد و المجوس یعبدون الجمر لا النار الموقدۃ (درمختار وردالمحتار ص ۶۰۱ ج ۱)

پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہو سکتا ہے کہ قبر کی پرستش معتاد ہے نعش کی معتاد نہیں پس درایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳۳ مع جدید حاشیہ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم)

بغیر نماز جنازہ دفن کی گئی میت پر نماز جنازہ:

(سوال ۴۰) ہمارے یہاں ایک مسلمان شخص کے گھر میں بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد انتقال کر گیا اس نے کسی کو

اطلاع کئے بغیر بلا نماز جنازہ دفن کردیا، چند روز کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بچہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی، آیا یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ کے متعلق کسی معتبر عالم یا مفتی سے استفسار کے بعد عمل کرنا چاہئے تھا، مسئلہ یہ ہے کہ میت کی نعش خراب ہونے اور پھٹ جانے سے پہلے پہلے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، نعش پھول پھٹ گئی ہو تو پھر نماز پڑھی جائے نعش پھٹنے کی کوئی مدت متعین نہیں بلکہ اس کا مدار میت کے جثہ، موسم اور زمین کی تاثیر وخاصیت پر ہے، بعض جگہ تین روز بعض جگہ دس روز کسی جگہ ایک ماہ تک نعش خراب نہیں ہوتی، زمین کی تاثیر وغیرہ کے سلسلہ میں اس کے ماہر مسلمانوں سے پوچھ کر عمل کرسکتے ہیں نعش کے خراب ہونے اور پھٹ جانے کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، وان دفن بغیر صلاة صلی علی قبرہ استحسانا مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر هو الا صح (قوله هو الا صح) لانه یختلف باختلاف الا وقات حراً وبرداً والمیت سمناً وهزالا والا مکنة بحرو قیل یقدر بثلاثة ایام وقیل عشرة قیل شهر عن الحموی (درمختار مع الشامی جلد اول ص ۸۲۶ وص ۸۲۷ مطلب فی صلاة الجنازة) (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ کے جنازہ میں شرکت:

(سوال ۴۱) شیعہ جماعت کا آدمی دوست ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) شیعہ جماعت میں چند فرقے ہیں، جن لوگوں کے عقائد فاسد نہیں جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں گستاخی نہیں کرتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت نہیں لگاتے اور ان کے عقائد کفریہ نہیں ہیں تو ان کے ساتھ میل ملاپ اور دوستانہ تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہی ان کے جنازہ میں شرکت (کندھا دینے، نماز پڑھنے اور تجہیز وتکفین میں شرکت) کی اجازت ہے اور جن کے عقائد اور طرز عمل اس کے برعکس ہے ان کا یہ حکم نہیں، ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم ج ۱ ص ۳۳۰ وص ۳۳۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، امداد الفتاویٰ مبوب ج ۱ ص ۷۱۳، فقط واللہ اعلم

قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق مزید وضاحت:

(استفتاء ب/۴۲) وقار سادات، فخر گجرات، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیاتکم الطیبة بالصحة والسلامة والعافیة، السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی بخیر ہو، حضرت والا کا ہدیہ سنیہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ہشتم موصول ہوا جزاکم اللہ تعالیٰ جزاء جزیلة فی الدنیا والآخرة عنا وعن جمیع الامة آمین۔

دوران مطالعہ ج ۸/۱۸۶ میں "قبرستان میں نماز جنازہ" کے متعلق ابتداءً جواز پھر عدم جواز کی طرف رجوع اور تائید میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ نظر سے گذرا اس مسئلہ میں مزید تحقیق وتشفی کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔

قبرستان میں نماز جنازہ کے جواز پر آنجناب کے دو فتاویٰ (نئی ترتیب کے مطابق[1]) فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۲۶ اور ص ۴۸ پر بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں چند شرائط جواز لکھا گیا ہے۔

[1] جدید ترتیب میں صـ۵۲ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں

آنجناب کے فتاویٰ کے علاوہ چند جگہ جواز ہی مرقوم ہے مثلاً احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۵، عمدة الفقہ ج ۲ ص ۵۲۹ (قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اگرچہ قبریں سامنے ہوں ..... الخ) علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی قبرستان میں نماز کے متعلق فرمایا ہے " ولا بأس بالصلوة فیها اذا کان فیها موضع اعد للصلوة ولیس فیه قبر ولا نجاسة الخ" (شامی ج ۲ ص ۴۲ مکتبۃ الباز)

بنا بریں حضرت اقدس سے درخواست ہے کہ مزید تحقیق فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں فقط، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عزیزم مولوی صاحب سلمہ اللہ وبارک اللہ فی علمکم وعملکم. السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، آپ کا خط موصول ہوا حالات معلوم ہو کر اطمینان ہوا، شوق اور توجہ سے آپ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد ہشتم کا مطالعہ کیا اس قدر دانی کا تہ دل سے شکر گذار ہوں، جزاکم اللہ، آپ نے "قبرستان میں نماز جنازہ" کے متعلق جو اشکال پیش کیا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ میرے رجوع کا تعلق صرف اس صورت کے ساتھ سمجھا جائے جب کہ قبریں سامنے یا ارد گرد ہوں اور صلوة بین القبور کی صورت ہوتی ہو جیسا کہ حدیث کے الفاظ "نهی ان یصلی بین القبور" بھی اس پر دال ہیں، اور جب ما بین القبور نماز جنازہ ادا نہ کی جارہی ہو قبرستان میں الگ کسی خاص جگہ میں نماز جنازہ ادا کی جارہی ہو جیسا کہ بعض جگہ قبرستان میں مخصوص جگہ بنالی جاتی ہے تو ایسی جگہ نماز جنازہ بلا تکلف جائز ہے، فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۳۶۲ کا فتویٰ ضرور ملاحظہ کرلیں، یہ جواب بہت مناسب اور جامع ہے، موقع کی مناسبت سے وہ جواب یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ ہو۔

(الجواب) اگر قبرستان میں خالی جگہ ہو اور سامنے قبریں نہ آتی ہوں اور اگر آتی ہوں تو اتنی دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو یا درمیان میں کوئی حائل ہو تو نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، حدیث کی معتبر کتاب جامع صغیر میں ہے نهی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (ترجمہ) قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا منع ہے۔ (ج ۲ ص ۱۸۱) اور فقہ کی معتبر کتاب "البدائع الصنائع" میں ہے قال ابو حنیفة ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور (ج ۱ ص ۳۱۵) (ترجمہ) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھی جائے" حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۲) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے صـ۲۸)۔

"جب بین القبور نماز جنازہ کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے تو یہی قابل عمل ہے اس کے خلاف قابل عمل نہ ہوگا، لہٰذا عمدة الفقہ اور احسن الفتاویٰ کا جواب مبنی بر قیاس معلوم ہوتا ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے، کما قال الشیخ المحقق التهانوی رحمه الله تعالیٰ "یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۳۳) شامی کے جزئیہ میں "ولیس فیه قبر" بھی اسی پر دال ہے۔

آپ کے توجہ دلانے سے مسئلہ کی تنقیح بھی ہوگئی اور احقر کے فتاویٰ میں تطبیق بھی ہوگئی، جزاکم اللہ خیر الجزاء، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب ما يتعلق بالغسل والكفن

خنثیٰ مشکل کا غسل اور کفن:

(سوال ۴۳) ایک شخص پچاس سالہ کا انتقال ہوا ہے وہ نہ مرد میں ہے اور نہ عورت میں، خنثیٰ مشکل ہے اس کو غسل اور کفن کس طرح دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے خنثیٰ مشکل میت کے غسل اور کفن کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے۔ بلکہ تیمم کرا دیا جائے۔ الخنثیٰ المشکل لا یغسل بل یتیمم (فتاویٰ سراجیه ص ۲۲) درمختار میں ہے۔ ویتیمم الخنثی المشکل لو مراهقاً قبیل مطلب فی الکفن الخ.

اور کفن پانچ کپڑوں میں عورت کی طرح دیا جائے۔ مگر ریشم نہ ہو اور زعفران کا رنگا ہوا نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ وخنثیٰ مشکل کامرأة فيه ای الکفن (قوله وخنثیٰ مشکل کامرأة فیه) ای فیکفن فی خمسة اثواب احتیاطاً لانه علی احتمال کونه مذکرا فالزیادة لا تضر قال فی النهر الا انه یجتنب الحریر و المعصفر والزعفران احتیاطاً (شامی ص ۸۰۹ ج ۱ مطلب فی الکفن) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

روح نکل جانے کے بعد اور غسل کے وقت مردے کو کس طرح لٹایا جائے؟:

(سوال ۴۴) جب آدمی کی روح نکل جائے تو اس کو کس طرح سلایا جائے اور کس طرح لٹا کر غسل دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روح نکل جانے کے بعد میت کو شمالاً جنوباً لٹایا جائے جس طرح قبر میں لٹایا جاتا ہے، غسل کے وقت بھی اسی طرح لٹایا جائے، اگر اس میں سہولت نہ ہو اور دوسری طرح لٹانے میں سہولت ہو تو اسی طرح لٹایا جائے، اور اگر غسل کے وقت قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سرا ونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہو تو اس طرح بھی درست ہے درمختار میں ہے یوجه المحتضر ...... القبلة علیٰ یمینه هو السنة (وجاز الاستلقاء) علیٰ ظهره وقدماه الیها وهو المعتاد فی زماننا ولکن یرفع راسه قلیلاً لیتوجه الی القبلة (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۵ باب صلوۃ الجنائز)

"الاختیار لتعلیل المختار" میں ہے: ومن احتضر وجه الی القبلة علیٰ شقه الایمن (قوله وجه الی القبلة علی شقه الایمن) هو السنة واعتبارا بحالة الوضع فی القبر القربه منه الخ (ج ۱ ص ۹۰. ۹۱ کتاب الجنائز)

کبیری میں ہے: قال فی المبسوط والبدائع والمرغینانی یوضع علیٰ تحت طولاً الی القبلة کما فی صلوۃ المریض بالایماء (ص ۵۳۴ فصل فی الجنائز) واللہ اعلم فقط واللہ اعلم بالصواب.

ڈوبنے والے کو غسل دیا جائے یا نہیں؟:

(سوال ۴۵) کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مر جائے تو اس کو غسل دینا ضروری ہے یا نہیں؟ پانی میں ڈوب جانا اور پانی میں سے نکالنا غسل کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پانی میں ڈوب کر مر جائے تب بھی غسل دینا ضروری ہے، پانی میں ڈوبنا غسل کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ میت کو غسل دینا زندوں کے ذمہ فرض ہے۔ ہاں اگر پانی سے نعش نکالتے وقت غسل کی نیت سے پانی میں تین غوطے دے دیئے جائیں تو غسل کے لئے کافی ہیں، دوسرے غسل کی ضرورت نہیں۔ قاضی خاں میں ہے۔ الغریق یغسل ثلثاً فی قول ابی یوسف رحمه الله وعن محمد رحمه الله فی روایة ان نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلثا عنه فی روایة یغسل مرةً (ج ۱ ص ۸۹ باب فی غسل المیت وما یتعلق به من الصلاة علی الجنازة الخ) (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب.

شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۶) شوہر بیوی کے مرنے کے بعد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(الجواب) درمختار میں ہے۔ (ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح) منیة وقالت الائمة الثلثة یجوز لان علیاً رضی الله عنه غسل فاطمة رضی الله عنها قلنا هذا محمول علیٰ بقاء الزوجیة لقوله علیه السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی مع ان بعض الصحابة انکر علیه شرح المجمع للعینی الخ (درمختار ج ۱ ص ۸۰۳ مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع الا سببی ونسبی) یعنی مرد اپنی عورت کو نہ غسل دے نہ ہاتھ لگائے البتہ اس کا منہ دیکھ سکتا ہے اور دیگر تینوں اماموں کے نزدیک نہلا بھی سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہلایا تھا، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ (اول تو اس پر اتفاق نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے ہی نہلایا تھا، روایت میں ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے نہلایا تھا اور حضرت علیؓ کی طرف نہلانے کی نسبت بایں وجہ ہے کہ غسل کا سارا انتظام آپ نے فرمایا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ) حضرت علیؓ کا غسل دینا زوجیت قائم رہنے پر محمول ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے! ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والاخرة (فاطمہ تمہاری زوجہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی یعنی ہر سبب اور نسب موت سے منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا سبب (قرابت سببی) اور نسب (قرابت نسبی) موت سے منقطع نہیں ہوتا، علاوہ ازیں بعض صحابہ (جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے حضرت علیؓ کے غسل دینے پر اعتراض کیا ہے (شامی ج ۱ ص ۸۰۳) بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور احوط یہی ہے کہ بلا مجبوری اور شرعی ضرورت کے شوہر اپنی زوجہ کو غسل نہ دے، البتہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ عدت وفات پوری ہونے تک وہ اس کے نکاح میں ہے۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قوله وهی لا تمنع من ذلک ای من تغسل زوجها دخل بها اولا الخ مطلب فی حدیث کل سبب الخ

کفن پہنانے کے بعد مردہ کو کس طرح لٹایا جائے؟:

(سوال ۴۷) بمبئی میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کی موت ہوتی ہے تو اسے نہلا کر کفن پہنا کر قبلہ کی جانب پیر اور مشرق کی جانب سر کر کے لٹایا جاتا ہے، قوم بواہر میں تو یہ طریقہ دیکھا گیا ہے مگر اب تھوری مدت سے یہ طریقہ سنیوں کے یہاں بھی جاری ہوگیا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اس طرح لٹانے میں قبلہ کی بے ادبی نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مریض جو لیٹے لیٹے نماز ادا کرتا ہے اس کی نماز کا ایک طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کرے مگر گھٹنے کھڑے رکھے، اگر طاقت نہ ہو تو پیر پھیلا بھی سکتا ہے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر ذرا اونچا کردیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہوجائے، اسی طرح قریب المرگ آدمی کو لٹانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جس طرح قبر میں قبلہ رخ مردہ لٹایا جاتا ہے اسی طرح کروٹ سے لٹا دیا جائے، اس میں تکلیف ہوتی نظر آئے تو قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لٹا دیا جائے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر اونچا کردیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہو آسمان کی طرف نہ ہو۔ کفن پہناتے وقت اور پہنانے کے بعد شمالاً جنوباً لٹایا جائے اگر یہ مشکل ہو تو شرقاً غرباً لٹایا جائے، قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لٹانا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں سر اونچا نہیں کیا جاتا، غالباً اسی لئے اپنے یہاں اس کا دستور نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۴ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔

(۱) تدفین میں تاخیر کرنا اور جنازہ مسجد کے تہ خانہ میں رکھنا
(۲) جنازہ کی نماز کو سنت سے مقدم کیا جائے یا مؤخر؟:

(سوال ۴۸) (۱) یہاں برطانیہ میں جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو قانوناً میت کو ہسپتال لے جانا پڑتا ہے وہاں میت کو کولڈ روم (ٹھنڈے کمرے) میں رکھا جاتا ہے، اور اگر سنیچر یا اتوار یا کوئی سرکاری تعطیل کا دن ہو تو چونکہ ان دنوں میں قبرستان بند رہتا ہے، حکومت کی طرف سے تدفین کی اجازت نہیں ملتی اس لئے مزید ایک دو دن وہ میت کو ہسپتال ہی میں رکھتے ہیں، شہر بالٹی میں مسلمانوں نے مسجد کے تہ خانہ میں اپنا ایک کولڈ روم بنایا ہے اور اب میت کو بجائے ہسپتال میں رکھنے کے اپنے کولڈ روم میں رکھتے ہیں۔ یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو لوگ اس کے گھر تعزیت کے لئے جاتے ہیں، تعزیت کے بعد دنیوی باتیں بھی ہونے لگتی ہیں، چونکہ میت مسجد کے تہ خانہ میں رکھ دی جاتی ہے تو بہت سے لوگ تعزیت کے لئے یہیں مسجد کے تہ خانے میں آتے ہیں اور کچھ پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرتے ہیں تو میت کے پاس اس طرح قرآن کی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت کے گھر والے مسجد سے دور رہتے ہیں تو میت کو تنہا کولڈ روم میں رکھتے ہیں کوئی اس کے پاس نہیں رہتا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) جنازے کی نماز ظہر کے بعد پڑھنا مقرر کردیا جائے تو اب نماز جنازہ کب پڑھی جائے، جماعت سے

---

(۱) وکیفیة الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالة المرض اذا اراد الصلاة بالماء، ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انه یوضع کما تیسر کذافی الظهیریة فتاوی عالمگیری الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۸

فارغ ہو کر یا سنت و نوافل سے فارغ ہو کر؟ جواب سے نوازیں بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) جب کسی کی موت کا یقین ہوجائے تو جس قدر ممکن ہو اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے، شامی میں ہے۔ (قوله ویسرع فی جهازة) لماروی ابو داؤد عنه صلی الله علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما اری الا قد حدث فیه الموت فاذا مات فاذ نونی حتی اصلی علیه وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفةمسلم ان تحبس بین ظهر انی اهله والصارف عن وجوب التعجیل الا حتیاط للروح الشریفة فانه یحتمل الا غماء وقد قال الا طباء ان کثیرین ممن یموتون بالسکتة ظاهرا ید فنون احیاء لا نه یعسر ادراک الموت الحقیقی بها الا علی افاضیل الا طباء فیتعین التاخیر فیها الی ظهور الیقین بنحو التغیر امداد، وفی الجو هرة وان مات فجاءة ترک حتی یتیقن بموته (شامی ج ۱ ص ۷۹۹ باب صلاة الجنائز مطلب فی القراة عند المیت)

یعنی میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے، اس حدیث کی بنا پر جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جب آنحضور ﷺ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کر کے واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ ان میں موت سرایت کرچکی ہے، جب ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے خبر کرنا تاکہ میں ان کی نماز پڑھاؤں اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرو، اس لئے کہ مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکا جائے (شامی)...... لہٰذا شرعی عذر اور قانونی مجبوری کے بغیر میت کی تجہیز و تکفین و تدفین میں تاخیر کرنا غلط اور موجب گناہ ہے، اس سے میت کو ایذا پہنچتی ہے اور اس کی بے حرمتی ہوتی ہے، لاش اگر پھول جائے یا پھٹ جائے تو نماز جنازہ کے قابل نہیں رہتی۔ مذکورہ شرعی احکام سے حکومت کو آگاہ کیا جائے اور میت کو جلد سے جلد دفن کرنے کی خصوصی اجازت حاصل کرنے کی قانونی طور پر مسلسل کوشش کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اگر مالی قربانی پیش کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے، انتھک کوشش کے باجود اگر کامیابی حاصل نہ ہوسکے تو مجبوری ہے اللہ معاف کرے۔

میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے قریب قرآن مجید کی تلاوت نہ کی جائے مکروہ ہے، دوسرے کسی کمرے میں تلاوت کر کے ایصال ثواب کرسکتے ہیں درمختار میں ہے۔ تکره القراءة عنده حتیٰ یغسل . اور شامی میں ہے) محل الکراهة اذا کان قریباً منه اما اذا بعد بالقرائة فلا کراهة. (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۹ مطلب فی القراة عند المیت)

شرعی مسجد کے نیچے تہ خانے میں میت رکھنا درست نہیں، البتہ عبادت خانہ ہو تو حرج نہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے۔ قال العبد اصلحه الله تعالیٰ و بعض الناس اعتادوا ان واحداً لو مات باللیل ولا یتهیأ لهم الاخراج الی المقبرة یضعونه فی المسجد وانه مکروه ذکر فی شرح الکرخی قال علیه السلام جنبوا مساجد کم صبیا نکم لانه لایؤ من منهم النجاسة وهذا المعنی موجود فی المیت (نصاب الا حتساب قلمی ص ۳۳ باب نمبر ۱۵)

میت کو رکھنے کے لئے کسی دوسری ایسی جگہ انتظام کیا جائے جہاں میت کے پاس لوگ رہ سکیں، میت کو تنہا نہ رکھا جائے، اس کے قریب بیٹھنا مشکل ہو تو دور بیٹھ کر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں اور میت کے لئے دعائے مغفرت

کرتے رہیں، ہسپتال میں بھی اسی طرح عمل کیا جائے، میت کے پاس حیض، نفاس اور جنابت کی حالت میں نہ جائیں -ویخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (درمختار ج ا ص ٧٩٨ باب صلوة الجنائز)

(٢) فرض کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد سنت پڑھے، لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ لوگ سنت چھوڑ دیں گے تو پہلے سنت مؤکدہ پڑھ لی جائے پھر اس کے بعد جنازہ کی نماز ادا کی جائے۔ درمختار میں ہے۔ وتقدم (صلاة الجنازة على الخطبة) وعلى سنة المغرب وغيرها (كسنة الظهر والجمعة والعشاء) (درمختار مع الشامی ج ا ص ٧٧٥ باب العیدین). فقط والله اعلم بالصواب.

زمزم میں تر کیئے ہوئے کپڑے کو کفن میں استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ٤٩) کپڑے کو زمزم کے پانی میں تر کر کے خشک ہونے کے بعد کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔ بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

(الجواب) ہاں! حصول برکت کی غرض سے آب زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔ ولذا قال فی الاسرار المحمدیة لو وضع شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وسلم او عصاه او سوطه على قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها (تفسیر روح البیان ص ٥٥٩) اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں ہے، قمیص مبارک اور تہبند شریف کو کفن میں استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نرس کا دیا ہوا غسل کافی ہے یا دوسری مرتبہ کرنا پڑے گا؟:

(سوال ٥٠) یہاں پر (افریقہ میں) تقریباً ننانوے فیصدی زچگی (وضع حمل) ہوسپٹلوں میں ہوتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس مردہ بچہ کو ہوسپٹل میں نرس تیار (غسل وکفن) کر دیتی ہے اور اس کو براہ راست قبرستان میں دفنایا جاتا ہے۔ گھر پر اسے کوئی غسل نہیں دیتا حالانکہ بہشتی زیور میں غسل دینے کے متعلق فرماتے ہیں، حوالہ درمختار کا ہے لہٰذا بذریعہ رسالہ پیغام بالتفصیل جواب دیں۔

(الجواب) بہشتی زیور میں درمختار کے حوالہ سے جو لکھا ہے وہ صحیح ہے اور مذہب مختار کے مطابق ہے۔

نورالایضاح وغیرہ معتبر کتابوں میں ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو مذہب مختار یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے وان لم يستهل غسل في المختار وادرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه (ص ١٣٨ باب احكام الجنائز فصل السلطان أحق بصلوته) ومن لم يستهل ادرج في خرقة كرامة بني ادم ولم يصلى عليه (هداية ج ا ص ١٦١ فصل في الصلوة على الميت)(عالمگیری ج ا ص ١٥٩)

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے۔ وانه يسقط وان لم يكن الغاسل مكلفا (شامی ج ا ص ٨٠٥ باب صلوة الجنائز تحت

قوله وفي الاختيار)

مگر اس میں دو خرابیاں ہیں (١) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابق سنت نہیں ہے (٢) مسلم کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے، لہٰذا مسلمانوں کے ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق غسل دیا جانا ضروری ہے۔ چاہے وہ ہوسپٹل میں ہو یا گھر میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

میت کے ناخن کاٹے یا نہیں:

(سوال ٥١) میت کے ناخن بڑے ہوں تو کاٹ سکتے ہیں، یا نہیں؟

(الجواب) میت کے بال ناخن وغیرہ کاٹنا منع ہے۔ ہاں، ناخن ٹوٹا ہوا ہو تو جدا کر سکتے ہیں۔ مجالس الابرار میں ہے۔ وروى عن ابي حنيفة وابي يوسف ان الظفر ان كان متكسر افلا باس باخذه. یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر میت کا ناخن شکستہ ہو تو کاٹنے میں حرج نہیں (ص ٣٣٢ م ٥٦) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

میت کو غسل دینے سے پہلے تلاوت قرآن پاک مکروہ ہے:

(سوال ٥٢) میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) ہاں صحیح یہی ہے کہ میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ اور منع ہے۔ البتہ تسبیح پڑھی جا سکتی ہے۔ نورالایضاح میں ہے۔ ویکره قراءة القرآن عنده حتىٰ يغسل. یعنی جب تک میت کو غسل نہ دیا جائے اس کے پاس تلاوت کلام پاک مکروہ ہے (ص ١٣٣ باب احکام الجنائز) (درمختار مع الشامی ص ٨٠٠ ج ا) کیونکہ میت ضروری حاجت مثلاً پیشاب پاخانہ کی ناپاکی سے شاید ہی بچ سکتا ہے۔ اس لئے غسل سے پہلے اس کے پاس قرآن کریم نہ پڑھے۔ دوسرے کمرے میں اور دور بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے (وكره قراءة القرآن) اى تحريماً بناءً علىٰ ان نجاسته خبث (طحطاوی على الدر المختار ج ا ص ٥٨٢ باب صلوة الجنائز) فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

میت کے لئے خوشبو اور کافور کا استعمال:

(سوال ٥٣) عورت کو کفناتے وقت اس کی سر کے بالوں اور اعضاء سجدہ پر عطر لگانا چاہئے یا نہیں؟ اور مرد کے سر اور داڑھی کے بالوں پر اور اعضاء سجدہ پر عطر لگانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حنوط جو پاک چند خوشبودار عطر وغیرہ اشیاء کا مرکب ہوتا ہے وہ عورت کے سر کے بالوں میں اور مرد کے سر اور داڑھی کے بالوں میں لگایا جائے اور کافور اعضاء سجدہ پر یعنی پیشانی ناک ہتھیلیاں، گھٹنوں اور قدموں پر جو بوقت سجدہ زمین سے لگتے ہیں ملا جائے، یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، مرد کے لئے حنوط میں زعفران وغیرہ رنگین خوشبو کو شامل نہ کیا جائے، عورت کے لئے اجازت ہے، بعض کتب فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے غالباً اسی لئے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب

خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ سارا جسم معطر ہو جائے، اس طرح ستر ہاتھ لگنے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے، الجوہرۃ النیرہ میں ہے (قوله ويجعل الحنوط فی لحيته ورأسه وسائر جسده) وان لم يكن حنوط لا يضره ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس فانه لا يقرب الرجال كما فی الحيواة ...... ولا بأس ان يحنط النساء بالزعفران اعتباراً بحال الحيواة (قوله الكافور على مساجده) يعنی جبهته وانفه وكفيه وركبتيه وقدميه لفضيلتها لانه كان يسجد بها لله تعالىٰ فاختصت بزيادة الكرامة والرجل والمرأة فی ذلك سواء (الجوهرة النيرة ص ۱۰۵ باب الجنائز)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله علىٰ رأسه ولحيته) وسائر جسده كما فی الجوهرة بعد ان يوضع على الازار كما فی القهستانی (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۳ باب احكام الجنائز)

غایۃ الاوطار میں ہے۔ اور حنوط ملا جائے اس کی سر اور داڑھی پر براہ استحباب اور کافور ملا جائے اس کے سجدہ کی جگہوں میں یعنی جو مقام سجدہ میں زمین پر ٹکتے ہیں اور وہ ماتھا اور ناک اور ہتھیلیاں اور گھٹنے اور پاؤں ہیں ان پر کافور ملا جائے، ان کی تعظیم کے لئے تاکہ جلد طعمۂ خاک نہ ہوں۔ حنوط عطر مرکب ہے خوشبودار چیزوں سے سوائے زعفران اور ورس کے بسبب مکروہ ہونے ان دونوں چیزوں کے مردوں کو (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ا ص ۴۰۲) فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کا کفن اس کے ماں باپ کے ذمہ ہے یا اس کے شوہر کے ذمہ؟:

(سوال ۵۴) عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کا کفن کس کے ذمہ ہے؟ عورت کے ماں باپ کہتے ہیں کہ لڑکی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ماں باپ زندہ ہوں تو اس کا کفن ان کے ذمہ ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ یا پھر خود عورت کے مال میں سے اس کا خرچ لیا جائے؟ یا شوہر کے ذمہ ہے وضاحت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کا انتقال ہو جائے اور اس وقت شوہر زندہ ہو تو اس صورت میں عورت چاہے مالدار ہو اس کا کفن اس کے شوہر کے ذمہ ہے، ماں باپ کے ذمہ لازم نہیں ہوتا، شامی میں ہے (قوله بتجهيزه) وكذا تجهيز من تلزمه نفقته كولد مات قبله ولو بلحظة وكزوجته ولو غنية على المعتمد درمنتقىٰ (شامی ج ۵ ص ۶۶۴ کتاب الفرائض)

مفید الوارثین میں ہے (۴) عورت کا اگر شوہر موجود ہے تو عورت کا کفن اس کے ذمہ پر واجب ہے، عورت کے ترکہ میں سے اس کا خرچ نہ لیا جائے، اگر شوہر نہیں ہو تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ اور مال سے خرچ لیا جائے (مفید الوارثین ص ۳۶ فصل اول تجہیز و تکفین کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو سرمہ لگانا:

(سوال ۵۵) میت کو عطر وغیرہ کے ساتھ آنکھوں میں سرمہ لگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کو سنت طریقے کے مطابق عطر کافور لگایا جائے، سرمہ نہ لگایا جائے، یہ زینت ہے اور اب مردہ زینت سے بے نیاز ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بالوں میں کنگھی نہ کی جائے بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں، مراقی الفلاح میں ہے (ولا يقص ظفره) ای الميت (ولا شعره ولا يسرح شعره) ای شعر رأسه ولحيته) لانه للزينة وقد استغنى عنها (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۱۲ باب احكام الجنائز) درمختار میں ہے (ولا يسرح شعره) ای يكره تحريماً (ولا يقص ظفره) الا المكسور (ولا شعره) شامی میں ہے (قوله تحريماً) لما فی القنية من ان التزين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا يجوز نهر فلو قطع ظفره او شعره ادرج معه فی الكفن قهستانی عن العتابی (درمختار وشامی ص ۸۰۳ ج ۱، باب صلوة الجنائز) فقط والله اعلم بالصواب.

عورت کے کفن کی ذمہ داری شوہر پر ہے یا بھائی پر

(سوال ۵۶) ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کا شوہر، اس کے بیٹے موجود ہوں پھر بھی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس عورت کے کفن دفن کی ذمہ داری اس کے بھائی پر ہے، وہی پورا خرچ برداشت کرے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) درمختار میں ہے (واختلف فی الزوج والفتوىٰ على وجوب كفنها عليه) عند الثانی (وان تركت مالا) خانية ورجحه فی البحر بانه الظاهر لانه ككسوتها (درمختار مع شامی ص ۸۱۰ ج ۱، باب صلاة الجنائز مطلب فی كفن الزوجة على الزوج)

مفید الوارثین میں ہے (۴) عورت کا اگر شوہر موجود ہے تو عورت کا کفن اس کے ذمے واجب ہے، عورت کے ترکہ میں اس کا خرچ نہ لیا جائے، اگر شوہر نہیں تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ اور مال میں سے خرچ کیا جائے (مفید الوارثین ص ۳۶ فصل اول تجہیز و تکفین کا بیان)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رواج غلط ہے جب شوہر موجود ہے تو یہ ذمہ داری شوہر کی ہے عورت کے بھائی کی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب ما يتعلق بالدفن المیت

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۷) بچپن سے سنتے ہیں۔ کہ قبرستان میں جوتے پہن کر جانا منع ہے لیکن عام طور پر لوگ قبرستان میں جوتے پہن کر جاتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے[1]. ہاں جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ والمشيي في المقابر بالنعلين لا يكره عندنا. ترجمہ:۔ قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا ہمارے نزدیک مکروہ نہیں (ص ۱۶۰ ج ۱. آخر فصل في القبر والدفن الخ) ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

تدفین کے بعد سرہانے یا پائنتی پر پڑھنے کی کیا اصل ہے؟:

(سوال ۵۸) بعض مقام میں میت کے دفنانے کے بعد امام صاحب سرہانے کھڑے ہو کر "الم" سے "المفلحون" تک اور پائنتی پر " آمن الرسول " سے آخر تک پڑھ کر دعا کرتے ہیں۔ تو اس کی کوئی اصل ہے؟

(الجواب) ہاں اس طرح پڑھنا مستحب ہے آہستہ سے اور گا ہے اس کو چھوڑ بھی دے لازم نہ کرے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وليقرأ عند رأسه فاتحة البقر وعند رجله بخاتمة البقره. ترجمہ:۔ اور تدفین کے بعد میت کے سرہانے پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الم سے مفلحون تک) اور پائنتی پر سورہ بقرہ کی آخری آیتیں آمن الرسول سے ختم سورت تک پڑھی جائیں (مشکوٰۃ باب دفن المیت ص۱۴۹) "شامی" میں ہے و كان ابن عمر رضی اللہ عنه يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقره وخاتمتها. ترجمہ:۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مستحب سمجھتے تھے۔ کہ قبر پر دفن کے بعد سورۂ بقرہ کا اول حصہ اور آخری حصہ پڑھا جائے۔ (ص ۸۳۸ ج ۱ مطلب فی دفن المیت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرے کے لئے کھدی ہوئی قبر میں میت دفنا دینا:

(سوال ۵۹) کسی کی زمین میں میت کو دفنایا گیا اور مالک زمین میت کو نکلوانا چاہے تو کیا اس کو حق ہے؟ یا زمین کی قیمت کا حق دار ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مالک زمین میت کو نکلوا سکتا ہے۔ البتہ اگر زمین وقف کی ہے۔ اور کسی نے قبر کھدوائی ہو اور اس قبر میں دوسرا شخص اپنی میت دفن کرا دے تو قبر کھدوانے والا اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ میت کو نکلوانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا درمختار میں ہے۔ (ولا يخرج منه) بعد اهالة التراب الا لحق آدمی كان تكون الارض مغصوبة الخ اور شامی

---

(۱) ويكره ان يبنى على القبر او يقعد او ينام عليه او يو طاعليه الخ فصل في القبر والدفن

میں ہے۔ واحترز بالمغصوبة عما اذا كانت وقفاً قال في التاتارخانية انفق مالاً في اصلاح قبر فجاء رجل ودفن فيه ميته وكانت الارض موقوفة يضمن ما انفق فيه ولا يحول ميتة من مكانه لا نه دفن في وقف اه وعبر في الفتح بقوله يضمن قيمة الحضر فتامل (ص ۸۳۹. ۸۴۰ مطلب في دفن الميت) فقط والله اعلم بالصواب.

خاوند بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے:

(سوال ۶۰) شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتارنے کے لئے اتر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کے مرنے کے بعد شوہر اس کے حق میں اجنبی کے حکم میں ہے کپڑے کی آڑ کے بغیر اس کو مس نہیں کر سکتا، لیکن منہ دیکھ سکتا ہے اور محرم کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں لٹا سکتا ہے، قبر میں بھی اتار سکتا ہے، امام طاہر بخاری سرخسی التوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں! وقال الامام الاجل فخر الدين خان يكره للناس ان يمنعوا حمل جنازة المرأة لزوجها مع ابيها واخيها ويدخل الزوج في القبر مع محرمها استحساناً وهو الصحيح وعليه الفتوىٰ.

ترجمہ:۔ امام فخر الدین نے فرمایا۔ لوگوں کا شوہر کو اس کی بیوی کا جنازہ اس کے باپ یا اس کے بھائی کے ساتھ اٹھانے سے روکنا مکروہ ہے، اور شوہر اس کے محرم کے ساتھ قبر میں اتر سکتا ہے استحساناً اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون في الجنائز) فقط والله اعلم بالصواب.

قبر میں میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۱) دو آدمیوں نے ایک کتاب میں یہ مسئلہ پڑھا کہ جب میت کو قبر میں لٹائے تب اس کے پاؤں قبلہ جہت رکھے جائیں کس کتاب میں پڑھا وہ ان کو یاد نہیں لوگ کہتے ہیں کہ میت کا منہ قبلہ رخ کرنا چاہئے اگر پاؤں قبلہ کی طرف رکھنا ہو تو کس حالت میں؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) میت کو قبر میں قبلہ جہت سے اتارنا مسنون ہے۔ قبر میں دائیں بازو پر لٹا کر منہ قبلہ رخ کرنا سنت موکدہ ہے قبلہ جہت پاؤں کرنا ناجائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ويوضع في القبر على جنبه الايمن مستقبل القبلة. ترجمہ:۔ میت کو قبر میں دائیں بازو پر لٹا کر قبلہ کی طرف منہ رکھا جائے (ج ۱ ص ۱۶۶ الفصل السادس في القبر والدفن الخ شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب في دفن الميت) مالابدمنہ میں ہے و روئے بسوئے قبلہ کردہ شود (یعنی قبر میں میت کا چہرہ قبلہ رخ کیا جائے (ص ۷۶) بعض فقہاء کے نزدیک قبر میں میت کا منہ قبلہ رخ کرنا واجب ہے (درمختار۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۲ فصل فی الدفن) بہر حال قبر میں پاؤں قبلہ جہت کرنا جائز نہیں اسلامی طریقہ کے خلاف اور گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال ۶۲) ایک پانچ سالہ بچہ مر گیا اس کو صندوق میں دفن کیا گیا۔ دفنانے والے نے اس کو صندوق میں کس ہیئت

سے رکھا وہ نہیں بتایا۔ تدفین کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا منہ قبلہ جہت نہیں ہوا ہے اب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اس طرح پر دفنانے میں گناہ ہوا یا نہیں؟ وہ تحریر فرمائیں۔

(الجواب) قبر میں میت کا منہ عمداً قبلہ رخ نہ کرنا گناہ ہے۔ غلطی سے کچھ رخ بدل جائے تو گناہ نہیں ہے۔ مٹی ڈالنے سے پہلے یاد آ جائے کہ میت کا منہ قبلہ جہت نہیں کیا ہے تو قبر کھول کر اینٹ یا تختہ ہٹا کر منہ قبلہ جہت کر لیا جائے مٹی ڈالنے کے بعد قبر کھولنا جائز نہیں گناہ ہے شامی میں ہے لو دفن مستدبراً لھا واھا لو التراب لا ینبش لان التوجہ الی القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ماذا کان بعد اقامة اللبن قبل اھالة التراب (ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر لکڑی کے تختے رکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۳) میت کو قبر میں دفنانے کے بعد مٹی ڈالنے سے پہلے لکڑی کے تختے یا بانس رکھنے کا شرعی حیثیت سے کیا حکم ہے؟ دفن کرنے کے بعد تختے یا بانس یہاں کے لوگ نہیں رکھتے ہیں تو ساری مٹی میت پر گرتی ہے، میت کی بے حرمتی ہوتی ہے، لہٰذا مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

(الجواب) قبر کی دو قسمیں ہیں ''بغلی'' اور ''صندوقی'' ،بغلی قبر سنت ہے اس کی صورت یہ ہے کہ قبر پوری کھودنے کے بعد جانب قبلہ کی دیوار کو نیچے سے کھود کر ایسا خلا بنا لیا جائے کہ میت کو اس میں لٹایا جا سکے۔ پھر کچی اینٹیں کھڑی کر کے یہ خلا بند کر دیا جائے، کوئی سوراخ یا چھید رہ جائے تو اس کو گارے سے بند کر دیا جائے، کچی اینٹیں نہ ہوں تو بانس رکھے وہ بھی نہ ہوں تو مجبوراً لکڑی کے تختے رکھ کر اوپر درخت کا بھوسہ یا کھجور کی چٹائی بچھا کر حجرہ کے مانند بنا دیا جائے کہ اس میں مٹی کا گزر نہ ہو۔ مگر یہ بغلی قبر سخت زمین میں بن سکتی ہے۔ نرم زمین میں اگر بنالی بھی جائے تو جلد بیٹھ جاتی ہے ایسی زمین میں صندوقی قبر بنائی جائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ قبر کھودنے کے بعد اس کی بیچ میں لمبائی میں نہر کی مانند زمین اتنی کھودی جائے اور صاف کر دی جائے کہ میت کو لٹایا جا سکے۔ اس پر کچی اینٹیں، پتھر کی سلیں یا بانس وغیرہ بچھا کر قبر مسقف (چھت دار) صندوق کے مانند بنالی جائے جس کی وجہ سے اندر مٹی کا گزر نہ ہو سکے، پھر مٹی ڈال کر قبر کو پر کر دیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶۔۱۶۵)(۱) (عینی شرح ہدایہ وغیرہ) خالی میت پر (جیسے کہ سوال میں ہے) مٹی ڈالنا خلاف سنت ہے اس سے میت کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے، اس طریقہ کو ترک کرنا اور توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر کو پتھر سے ڈھانپ سکتے ہیں؟:

(سوال ۶۴) بغلی قبر کے علاوہ جیسا ہمارے ہاں کا رواج ہے زمین کی نرمی کی وجہ سے، کھود لینے کے بعد اس کو پتھر سے ڈھانپ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور پتھر سے ڈھانپنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مدینہ طیبہ وغیرہ میں پتھر سے ڈھانپتے ہیں؟

(۱) والسنة ھو اللحد دون الشق کذا فی محیط السرخسی وصفة اللحد ان یحفر القبر بتمامه ثم یحفر فی جانب القبلة حفیرة فیوضع فیه المیت کذا فی المحیط ویجعل ذلک کالبیت المسقف کذا فی البحر الرائق فان کانت الارض رخوة فلا باس بالشق کذا فی فتاویٰ قاضی خان وصفة الشق ان تحفر حفیرة کالنہر وسط القبر ویبنی جانباہ باللبن و یوضع المیت فیه ویسقف کذا فی معراج الدرایة الفصل السادس فی القبر والدفن الخ)

(الجواب) زمین نرم ہونے کی وجہ سے قبر دھنس جانے کا اندیشہ ہو تو صندوقی قبر بلا حرج کے جائز ہے اور قبر ڈھانپنے میں ضرورةً پتھر استعمال کر سکتے ہیں کہ جس سے جانور قبر کھود کر مردہ تک نہ پہنچ سکے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ پتھر کے نیچے کا یعنی میت کی طرف کا وہ حصہ مٹی سے لیپ لیا جائے جس کی وجہ سے مردہ کی چاروں طرف مٹی معلوم ہو (درمختار، شامی ج ۱ ص ۸۳۶)(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پختہ قبر بنانے کے متعلق:

(سوال ۶۵) (۱) ایک شخص اپنے والد کی قبر پختہ بنانا چاہتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ (۲) اگر پختہ قبر بنانے کی اجازت نہ ہو تو کیا چہار دیواری پختہ بنا کر اوپر کا حصہ کھلا یا کچا رکھنے کی اجازت ہے؟ (۳) اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو کیا محض ایک پتھر پر مرحوم کا نام اور تاریخ وفات لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) قبر کو پختہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبن علیه وان یقعد رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب فی دفن المیت) آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت باندھنے اور قبر پر بیٹھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

اس لئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۷)(۲) لہٰذا بغیر ضرورت شرعیہ کے چہار دیواری کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

کچی قبر رہنے میں میت کا مفاد ہے، کچی اور کس مپرسی کی حالت کی قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر مؤثر ہے، موت یاد آتی ہے اور دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے، زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے، میت کے ساتھ محبت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی قبر پختہ اور مزین بنائی جائے، حضرات صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے عاشق جاں نثار تھے، آنحضرت ﷺ کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہ دیتے تھے، ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور آنکھوں پر ملتے تھے، ایسی محبت اور عظمت ہونے کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے محبوب ترین آقا پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک پختہ نہ بنائی، کچی ہی رہنے دی، ہمیں بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ (خدا پاک نیک توفیق عطا کرے۔ آمین) اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو اس پر وقتاً فوقتاً مٹی ڈالی جا سکتی ہے۔ نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اس کو پامال نہ کریں تو اس پر نام اور تاریخ وفات بھی لکھی جا سکتی ہے۔ ولا باس بالکتابة علیه لئلا یذھب الا ثر ولا یمتھن (نور الایضاح ص ۱۴۰ فصل فی حملھا ودفنھا) ان احتیج الی الکتابة حتی لا یذھب الأثر ولا

(۱) وقال لکن ینبغی ان یفرش فیه التراب وتطن الطبقة العلیاء مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علی یمین المیت ویسارہ لیصیر بمنزلة اللحد مطلب فی دفن المیت)
(۲) لا الآجر المطبوخ والخشب لد حلوہ قال فی الشامیة تحت قوله الآجر قال البدائع لأنه یستعمل للزینة ولا حاجة للمیت الیھا ولأنه مسته النار فیکرہ ان یجعل علی المیت تفاؤلا کما یکرہ ان یتبع قبرہ بنا رتفاؤلا مطلب فی دفن المیت)

یمتهن فلا بأس به فاما الكتابة بغير عذر فلا اه (شامی ج ۱ ص ۸۳۹) ولاباس بالکتابه ان احتيج اليها (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۹ ایضاً) بہرحال ضرورت کی صورتوں کو اگر چہ حضرات فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے تب بھی بہتر یہی ہے کہ کچھ نہ لکھا جائے۔ لان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يجصص القبور وان يكتب عليها وان توطا . رواه الترمذي . مشكوة شريف ص ۱۴۸ باب دفن الميت) (ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندھا جائے (ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ شریف)

شرعی حکم میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، اگر پختہ قبر ممنوع نہ ہوتی تو آج چاروں طرف قبریں ہی قبریں ہوتیں۔ مکانات اور کھیتی کے لئے بھی زمین ملنا دشوار ہو جاتا۔ فقط

میت کو تلقین کب کرے اور کب نہ کرے:

(سوال ۶۶) ایک جگہ پر بعنوان "قبر پر تلقین" کے تحت حسب ذیل لکھا ہے:۔

"حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی بھائی وفات پائے اور تم اس کو قبر میں دفن کر چکو۔ اس کے بعد ایک آدمی قبر کے پاس کھڑا ہو کر میت کا نام لے کر پکارے، یہ پکار وہ سنتا ہے مگر اس کو جواب نہیں دے سکتا۔ پھر جب دوبارہ اس کا نام پکارا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ برادر! کیا کہتا ہے؟ اللہ تجھ پر رحم فرمائے (مگر مردہ کی یہ بات باہر والے نہیں سن سکتے۔) اس طریقہ سے تین دفعہ ندا دے کر حسب ذیل تلقین کرے۔

اذكر ما اخرجت عليه من الدنيا بشهادة ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله وانك رضيت بالله رباً وبالا سلام ديناً وبمحمد نبيا!

مردے کی یہ تلقین سنتے ہی قبر میں سے منکر نکیر نامی فرشتے واپس لوٹ جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہاں تو تلقین ہو رہی ہے۔ اپنا یہاں کام نہیں۔

(اس تلقین کے بارے میں امام نوویؒ "تعلیقات" کے مصنف قاضی حسین "تتمہ" کے مصنف ابوسعید شیخ ابو الفتح نست مقدسی اور امام شافعی وغیرہ علماء کرام متفق ہیں۔

(الجواب) تلقین کے دو مواقع ہیں (۱) موت کے وقت (۲) بعد الموت۔ موت کے وقت کی تلقین بالاجماع مستحب ہے۔ وهذا التلقين مستحب بالا جماع (فتاویٰ عالمگیری الفصل الاول فی المختصر ج ۱ ص ۱۵۷) اور قبر کی تلقین میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں ہیں۔ واما التلقين بعد الموت فلا يلقن عندنا في ظاهر الرواية كذا في العيني ، شرح الهداية ومعراج الدراية ونحن نعمل بما عند الموت وعند الدفن كذا في المضمرات .

یعنی بہرحال موت کے بعد کی تلقین ظاہر روایت میں منع ہے۔ اور ہمارا عمل دونوں تلقین پر ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۷ فی القبر والدفن الخ) (عینی ج ۱ ص ۱۰۷۳) (طحطاوی شرح درمختار ج ۱ ص ۵۷۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تلقین بعد الموت خلاف ظاہر روایت ہے اور ترجیح ظاہری روایت کو ہوتی ہے اور بعد الموت قبر والی تلقین کے بارے میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ البتہ ضعیف روایات فضائل اعمال میں معتبر ہوتی ہیں اور اس پر عمل جائز ہے اس شرط پر کہ اعتقادی یا عملی خرابی لازم نہ آتی ہو۔ مگر تلقین مذکور کے بارے میں اکثر اوقات عملی اور اعتقادی خرابی دیکھنے میں آتی ہے۔ یعنی اس کو لازمی سمجھا جاتا ہے کبھی ترک نہیں کرتے اور نہ کرنے والے کو ملامت کی جاتی ہے۔ انہیں بدمذہب، بدعقیدہ کہا جاتا ہے اور اہل سنت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ لہذا قابل ترک ہے۔ فقہاء کا مسلم عقیدہ ہے کہ ان المندوب ينقلب مكروهاً اذا خيف ان يرفع عن رتبته مباح اور مستحب کو جب اس کے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے تو مکروہ اور ممنوع ہو جاتا ہے۔ (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۴۴)

حاصل یہ کہ تلقین اول (عند الموت) بالاجماع مستحب ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے اور تلقین ثانی (بعد الموت عند القبر) میں اختلاف ہے۔ لہذا فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جہاں اس کا رواج نہیں ہے وہاں اس کو جاری نہ کیا جائے اور جہاں اس کا رواج ہو وہاں اس کو بند نہ کیا جائے کہ فتنہ وفساد کا ڈر ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:۔ ولا يلقن بعد تلحيده وان فعل لا ينهىٰ عنه . یعنی بعد دفن تلقین نہ کی جائے اور اگر کوئی کرے تو اسے روکا نہ جائے (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۷ مطلب فی التلقین بعد الموت) فقط والله اعلم بالصواب.

پرانی قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا کیسا ہے:

(سوال ۶۷) علمائے دین سے رہنمائی مطلوب ہے مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہمارے ملک میں آبادی کے بے تحاشہ پھیلاؤ اور تیز رفتار اضافہ نے خاص طور پر بڑے بڑے شہروں میں رہائش کے معاملہ کو جس حد تک دشوار بنا دیا ہے وہ سب پر عیاں ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قبرستانوں کی گنجائشیں بڑھتی ہوئی ضرورتوں کا ساتھ دینے سے عاجز آتی جا رہی ہیں شہری آبادی سے بہت دور دراز جگہوں میں نئے قبرستان بنا بھی لئے جائیں تو وہاں تک اموات کا حمل ونقل بہت دشوار بلکہ عملاً ناممکن نظر آتا ہے، اس کا ایک حل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدیم قبرستانوں میں دوبارہ تدفین شروع کی جائے بشرطیکہ شریعت اسلامیہ اس کی روادار ہو اس لئے علماء کرام رہنمائی فرمائیں کہ شرعاً کتنی مدت کے بعد کسی پرانی قبر کو دوبارہ تدفین کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے جبکہ مبصرین کا عام خیال یہ ہے کہ چالیس سال یا زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے عرصہ میں مدفون میت (الا ماشاء اللہ) خاکستر محض ہو جاتی ہے تو کیا ان مقابر کو جن کی تدفین پر پچاس ساٹھ سال کا عرصہ یقینی طور پر گذر چکا ہو، دوبارہ کھود کر تدفین کے کام میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس معاملہ میں شریعت مقدسہ کی واضح رہنمائی سے ممنون فرمائیں جزاکم اللہ خیراً۔ بینوا توجروا (از دہلی)

(الجواب) شامی میں ہے قال في الفتح ولا يحفر قبر لدفن آخر الا ان بلى الاول فلم يبق له عظم الا ان لا يوجد فتضم عظام الاول ويجعل بينهما حاجز من تراب ..... الى قوله ..... قال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه . الىٰ قوله . قلت فالاوليٰ انا طة الجواز بالبلاد اذ لا يمكن ان يعدل كل ميت قبر لا يدفن فيه غيره وان صار الاول ترابا لا سيما

فی الامصار الکبیرة الجامعة الخ ...... (شامی ص ۸۳۵ ج ۱ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت)

یعنی فتح القدیر میں ہے: میت دفن کرنے کے لئے کسی قبر کو کھودی نہ جائے الا یہ کہ پہلی میت بوسیدہ ہوگئی ہو اور اس کی ہڈیاں باقی نہ رہی ہوں، البتہ اگر جگہ نہ ہونے کے سبب قبر کھودی گئی اور اس میں ہڈیاں نکلیں تو احترام کے ساتھ پہلے مردہ کی ہڈیوں کو جمع کر کے قبر کے ایک جانب رکھ دی جائیں اور ان دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ کر دی جائے۔ الیٰ قولہ۔ علامہ زیلعی فرماتے ہیں اگر میت بوسیدہ ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسری میت کو اس میں دفن کرنا جائز ہے۔ الیٰ قولہ۔ قلت، علامہ شامی فرماتے ہیں بوسیدہ ہوجانے کے بعد جواز کا قول اختیار کرنا بہتر ہے اس لئے کہ ہر میت کے لئے ایسی قبر مہیا کرنا جس میں کبھی کوئی مردہ دفن نہ ہوا ہو ممکن نہیں ہے خاص کر بڑے شہروں میں۔ (شامی ص ۸۳۵ ج ۱)

مراقی الفلاح میں ہے:۔ لو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ کذا فی التبیین (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۶ ، فصل فی حملها ودفنها)

البحر الرائق میں ہے وفی التبیین ولو بلی المیت وصار ترابا جائز دفن غیرہ وزرعه والبناء علیه اھ (البحر الرائق ص ۱۹۵ ج ۲، کتاب الجنائز تحت قوله ولا یخرج من القبر الخ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین (عالمگیری ص ۱۶۷ ج ۱ کتاب الجنائز فصل نمبر ۶)

بوسیدہ ہونے سے قبل قصداً وارادۃً قبر کھودنے کی اجازت نہیں، علامہ شامی فرماتے ہیں وما یفعل جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال اجانب علیهم هو من المنکر الظاهر یعنی: میت کے بوسیدہ ہونے سے قبل جاہل گورکن ایسی قبریں بھی کھود دیتے ہیں اور دیگر اموات کو اس میں دفن کر دیتے ہیں، یہ بات ظاہری طور پر منکر اور ممنوع ہے (شامی ص ۸۳۵ ج ۱)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ راجح قول کے مطابق مردہ جب خاک ہوجائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو اس صورت میں دوسرے میت کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے خاص کر بڑے شہروں میں جہاں زمین کی قلت ہوتی ہے اور اس سے قبل جب کہ اندازہ یہ ہو کہ میت کا جسم خاک نہ ہوا ہوگا قصداً وارادۃً بلا عذر شرعی قبر کھودنا جائز نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ زمین کی قلت ہو، نیا قبرستان آبادی سے بہت دور ملتا ہو اور وہاں تک اموات کا نقل وحمل بہت دشوار ہو تو مبصرین جتنی مدت کا اندازہ بتائیں اور تجربہ سے بھی ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہو تو اتنی مدت کے بعد پرانی قبر میں میت دفن کرنا جائز ہے اگر کبھی ہڈیاں نکلیں تو پوری احترام کے ساتھ قبر کے ایک جانب رکھ کر مٹی کی آڑ کر دی جائے پختہ قبر بنانے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ شرعاً بھی ممنوع ہے اور مصلحت کے بھی خلاف ہے۔

عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال) ایک قبر کھودی اس میں مردہ کی ہڈی نکلی اس میں نیا مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہڈیوں کو ایک طرف رکھ کر جدید میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل ومدلل ص ۳۷۸ ج ۵)

دوسرا فتویٰ:

(الجواب) دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کسی قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے کیونکہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے۔ چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوال علماء کی یہ لکھا ہے فالاولیٰ اناطة الجواز بالبلا اذ لا یمکن ان یعد لکل میت قبر لا یدفن فیه غیرہ الخ اور قبل البلا ایسا کرنا ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں وما یفعله جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال اجانب علیهم فهو من المنکر الظاهر فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل ج ۵ ص ۳۸۵ ،نیز ج ۵ ص ۳۸۷)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حوالہ جات میں زرع اور بناء کی جو اجازت ہے وہ غیر موقوفہ زمین کے متعلق ہونا چاہئے، موقوفہ قبرستان میں اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وقف قبرستان میں قبر کے اردگرد چبوترہ بنانا اور کتبہ لگانا:

(سوال ۶۸) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو لوگوں نے برکت کے لئے اپنے خاص برادری کے قبرستان میں دفن کیا (یہ قبرستان کسی کی مملوکہ زمین میں نہیں ہے وقف زمین ہے) اب ان کے معتقدین چاہتے ہیں کہ ان کی قبر پر کتبہ وغیرہ لگادیں اور آس پاس قبر کی دیواریں اٹھادیں تاکہ لاعلم لوگوں کو آسانی سے قبر مل جائے اور کسی قسم کی زحمت نہ ہو، لیکن مذکورہ قبرستان میں کسی کی قبر پر بھی کتبہ لگا ہوا نہیں ہے تو قبرستان کے منتظمین ممانعت کے باوجود کتبہ لگا سکتے ہیں یا نہیں جواب باصواب سے ماجور عنداللہ ہوں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ قبرستان وقف ہے تو بلا ضرورت شرعیہ قبر کے اردگرد دیوار نہ بنائی جائے، سنت طریقہ یہی ہے کہ قبر مکمل کچی رکھی جائے قبر پر نام اور تاریخ وفات لکھی جاسکتی ہے مگر ضروری نہیں ہے، سوال میں درج شدہ قبرستان میں کسی کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے تو کتبہ لگانے کے بجائے نشانی کے لئے بے لکھا ہوا کوئی پتھر رکھ دیا جائے، فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:۔ اسی لئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے آس پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۷)(۱) کچی قبر رہنے میں میت کا مفاد ہے کچی اور کس مپرسی کی حالت کی قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر مؤثر ہے، موت یاد آتی ہے، دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آجاتا ہے زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہوجاتی ہے:۔ الیٰ قولہ:۔ اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو وقتاً فوقتاً مٹی ڈالی جاسکتی

(۱) والسنة ان یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذہ من جدید بشئی ولا شک فی کراهة کما هو ظاهر الوجه ای لأنه لا یعمل الا بالنار فیکون کالآجر المطبوخ مطلب فی دفن المیت)

ہے، نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو لوگ اس کو پامال نہ کریں تو اس پر نام اور تاریخ وفات لکھی جاسکتی ہے۔ ولا بأس بالکتابة علیه لئلا یذهب الا ثرولا یمتهن (نور الایضاح ص ۱۴۰)ان احتیج الی الکتابة حتی لا یذهب الا ثرولا یمتهن فلا بأس به فاما الکتابة بغیر عذر فلا اه (شامی ج ص ۸۳۹) ولا بأس بالکتابة ان احتیج الیها (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۹)

بہر حال ضرورت کی صورتوں کو اگرچہ حضرات فقہاء نے مستثنی کیا ہے تب بھی بہتر یہی ہے کہ کچھ نہ لکھا جائے لان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان یجصص القبور وان یکتب علیها وان توطأ ، رواه الترمذی (مشکوۃ شریف ص ۱۴۸)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندا جائے (ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۱۴۸) (فتاوی رحیمیہ ص ۳۸۴ ج ۱ ص ۳۸۵) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں پختہ قبر بنانے کے متعلق عنوان سے دیکھیں۔ ص ۶۷)

فتاوی دار العلوم میں ہے:۔

(سوال) زید حفاظت اور علامت کے لئے اپنے والد مرحوم کی قبر کے اطراف اربعہ کو پختہ اور بیچ میں کچی اور سنگ مرمر پر کندہ کرانا چاہتا ہے، کوئی صوت جواز کی ہے یا نہیں؟

(الجواب) شامی میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها رواه مسلم یعنی منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے سے اور ان پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے پس صورت مذکورہ فی السوال شرعاً درست نہیں ہے فقط (فتاوی دار العلوم ص ۳۷۷ ج ۵ ص ۳۷۸ مدلل ومکمل)

فتاوی محمودیہ میں ہے۔

(سوال) کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا تاکہ نشان باقی رہے، درست ہے یا نہیں؟ اور قبر کا چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً: مٹی ڈلوانا درست ہے اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حد ذاتہ بھی درست ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے، اس لئے نہیں چاہئے، وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم۔ (فتاوی محمودیہ ص ۳۹۵ ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الجنائز) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے خویش واقارب کے انتظار میں دفنانے میں تاخیر کرنا:

(سوال ۶۹) متعلق سوال بالا، بیٹا، بیٹی، شوہر، بیوی اور رشتہ دار واقرباء کے انتظار میں میت کو دفنانے میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسی شخص کے انتقال کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں عجلت مطلوب ہے، احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے عن حصین بن وحوح ان طلحة بن البراء رضی الله عنه مرض

فاتاه النبی صلی الله علیه وسلم یعوده فقال انی لا ری طلحة الا وقد حدث به الموت فاذنونی به وعجلوا فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله (ابو داؤد ص ۹۴ ج ۲ کتاب الجنائز باب تعجیل الجنازة)

یعنی:۔ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے حضور ﷺ ان کی عیادت (بیمار پرسی) کے لئے تشریف لائے، آپ نے حضرت طلحہ کی حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا میرا گمان یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے، ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع کرنا اور ان کی تجہیز وتکفین میں عجلت کرنا اس لئے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش اس کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے۔ (ابوداؤد شریف ص ۹۴ ج ۲)

(دوسری حدیث) عن عبدالله بن عمر رضی الله عنه قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول اذا مات احد کم فلا تحبسوه واسرعوا به الی قبره ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة (رواه البیهقی)

یعنی:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو اسے روک کے مت رکھو اور اسے اس کی قبر تک جلد پہنچاؤ اور (دفن کے بعد) اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک اور پائنتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے آخر تک) پڑھی جائیں (مشکوۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت فصل نمبر ۳)

(تیسری حدیث) عن علی رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا، رواه الترمذی . یعنی:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے علی! تین چیزوں میں تاخیر مت کرنا (۱) نماز کا جب وقت آجائے (۲) جنازہ جب حاضر ہوجائے (۳) بے نکاحی عورت کا جب کفو مل جائے (تو فوراً نکاح کردینا) (مشکوۃ شریف ص ۶۱ باب تعجیل الصلوۃ)

(چوتھی حدیث) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تک سوی ذلک فشر تضعونه عن رقابکم ، متفق علیه . یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنازہ جلدی لے چلو اگر وہ صالح ہے تو وہ خیر ہے جسے تم لے جارہے ہو اور اگر وہ صالح نہیں تو اپنی گردن پر جلدی شر کو دور کروگے۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ شریف ص ۱۴۴ باب المشی بالجنازة)

اسی بنیاد پر فقہاء نے بھی اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے واذا تیقن موته (یعجل بتجهیزه) اکراماً له لما فی الحدیث عجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله . یعنی جب موت کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے، اسی میں اس کا اکرام واحترام ہے، حدیث میں ہے کہ تجہیز وتکفین میں عجلت کرو مسلمان کی نعش کو اس کے گھر والوں میں روکے رکھنا مناسب نہیں (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۰۹ باب احکام الجنائز)

میت کو ایک دو میل سے زیادہ یا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی چند وجوہات بیان کی ہیں ان میں ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ منتقل کرنے سے تدفین میں تاخیر ہوگی، رسائل الارکان میں ہے ولا ینقل المیت من بلد مات فیہ الی بلد اخری لما عن جابر رضی اللہ عنہ قال لما کان یوم احد جاءت عمتی بابی لتدفنہ فی مقابرنا فنادی منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردوا القتلی الی مضاجعھم رواہ الترمذی وابوداؤد. الی قولہ والافضل ان لا ینقل فعلم منہ ان النقل مکروہ والافضل عدم النقل وایضاً فی النقل تاخیر الدفن.

یعنی میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جاوے ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد کو (یعنی اپنے بھائی کو) اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہتی تھی رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کی شہادت کی جگہ دفن کرو، الیٰ قولہ، اور منتقل نہ کرنا ہی افضل ہے، نیز منتقل کرنے میں تدفین میں تاخیر ہوتی ہے (رسائل الارکان ص ١٥٩، ١٦٠ قبیل فصل فی تجویدۃ التلاوۃ)

لہذا بہتر اور اولیٰ صورت یہی ہے کہ جتنا ہو سکے تدفین میں عجلت کرنا چاہئے اسی میں میت کا احترام ہے، اعزاء وغیرہ کے انتظار کرنے میں تاخیر ہوگی اور تاخیر مناسب نہیں فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے وکرہ تاخیر صلوتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ یعنی اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں لوگ زیادہ ہوں گے، یہ مکروہ ہے (درمختار مع ردالمحتار ج ٦ ص ٨٣٣، مطلب فی حمل المیت فتاوی رحیمیہ ج ٦ ص ٣٦٨) جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ٨٣ ج ٧ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح

مندرجہ بالا مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آپ کی بستی میں انتقال ہوا ہے تو بہتر اور افضل یہی ہے کہ آپ ہی کی بستی میں دفن کیا جائے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جائے (درمختار ص ٨٤٠ ج ١) (کبیری شرح منیہ ص ٥٦٣ فصل فی الجنائز) (رسائل الارکان ص ١٥٩، ص ١٦٠) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ٣٣٧ کتاب الجنائز) یہ سب حوالے گذشتہ اوراق میں آچکے ہیں ملاحظہ ہو سوال نمبر ٢٩٢٨ (جدید ترتیب کے مطابق متفرقات جنائز میں، میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، کے عنوان سے دیکھیں صفحہ ١٣٢۔ مرتب) اگر اولیاء میت اپنے وطن لے جانے پر مصر ہوں تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ آپ کی بستی میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ میت کے اعزاء واقارب کا اصرار یقیناً نماز پڑھنے پر ہوگا اگر آپ کی بستی میں بھی پڑھی جائے گی تو شرعی قیود کی رعایت نہ ہو سکے گی اور پھر یا تو انتشار پیدا ہوگا یا تکرار نماز جنازہ کی صورت پیش آئے گی آپ کی بستی والے اپنے اپنے طور پر مرحوم کے لئے دعاء مغفرت وایصال ثواب کریں اور جو میت کے ساتھ وطن جا سکتے ہوں وہ میت کے اعزاء واقارب کے ساتھ نماز جنازہ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

مسلمانوں کے قبرستان میں روافض کو دفن کرنا:

(سوال ٧١) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ سنیوں کا ایک قبرستان ہے جس کا انتظام کورٹ کی طرف سے ''سنی مسلم وقف کمیٹی'' نامی ایک کمیٹی کو سپرد کیا گیا ہے، اس قبرستان میں مسلمانوں کے علاوہ غیر سنی مثلاً شیعہ وغیرہ فرقہ کا کوئی مردہ دفن کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مندرجہ بالا کمیٹی ایسی اجازت دیتی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ معتبر کتب کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔ روافض واہل تشیع میں مختلف العقائد فرقے ہیں، بعض وہ ہیں جو حضرت علیؓ کو خلیفۂ اول ہونے کے مستحق سمجھتے ہیں مگر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرّیٰ نہیں کرتے یہ فاسق اور مبتدع ہیں اسلام سے خارج نہیں ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے (لیکن ان کی جگہ الگ کر دی جائے) اور بعض وہ ہیں جو حضرت علیؓ کو معبود سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) بعض وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، حضرت علیؓ کو پہنچانے کے بجائے حضرت محمد ﷺ کو پہنچادی، گویا ان کے نزدیک نبی ورسول بننے کے اصل حق دار (معاذ اللہ) حضرت علیؓ تھے، بعض وہ ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو حضرات صحابہ کو مسلمان ہی نہیں مانتے کافر ومرتد قرار دیتے ہیں، ان فرقوں کی نماز جنازہ درست نہیں ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

الرافضی اذا یسب الشیخین ویلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیاً کرم اللہ وجہہ علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافراً الا انہ مبتدع. الی قولہ. من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر علیٰ قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظھیریۃ. (فتاویٰ عالمگیری ج ٢ ص ٢٦٤ کتاب السیر مطلب موجبات الکفر انواع منھا ما یتعلق بالانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام)

اور شامی میں ہے: نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا اوانکر صحبۃ الصدیق اواعتقد الالوھیۃ فی علی رضی اللہ عنہ اوان جبرئیل غلط فی الوحی (شامی ج ٣ ص ٤٠٥ کتاب الجہاد مطلب مہم فی حکم سب الشیخین)

ہر فرقہ کی تعیین مشکل ہے، جو لوگ روافض وشیعہ کہلاتے ہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے اسی میں احتیاط ہے، فقط واللہ اعلم۔

مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد کچی اینٹیں یا تختہ رکھے بغیر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟:

(سوال ٧٢) ہمارے یہاں فرقۂ مہدویہ کے کچھ لوگ ہیں، ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو عام طور پر شقی قبر بناتے ہیں میت کو قبر میں لٹانے کے بعد ہم لوگ اس کے اوپر تختے رکھتے ہیں اور اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں فرقہ مہدویہ والے ہمارے اس طریقہ کو خلاف سنت کہتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر لٹانے کے بعد سب سے پہلے ان کے پیر صاحب تین لپیں مٹی ڈالتے ہیں اور اس کے بعد پھاوڑے سے دھڑا دھڑ میت کے جسد پر مٹی ڈالتے ہیں اور پوری قبر مٹی سے بھر دیتے ہیں اور اسی کو صحیح اور سنت طریقہ کہتے ہیں اور ہمارا طریقہ جو عام طور پر رائج ہے اسے غلط اور خلاف سنت کہتے ہیں، ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم جس طرح دفن کرتے ہیں وہ صحیح ہے اس میں میت کا

احترام بھی ہے مگر ان کو اپنے ہی طریقہ پر اصرار ہے اور غزوات کے واقعات پیش کرتے ہیں کہ شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا جاتا تھا وہاں کہاں اس طرح پہلے تختے یا کچی اینٹیں رکھی جاتی تھیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ کفن کو میلا کرنا چاہئے، اس پر مٹی ڈالیں گے تو میلا ہوگا، آپ سے درخواست ہے کہ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور مدلل جواب ارقام فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) لحد (بغلی) اور شق دونوں قسم کی قبر بنانا جائز ہے، اگر زمین سخت ہے تو لحد (بغلی قبر) بنانا افضل ہے اور نرم زمین جہاں قبر بیٹھ جانے کا احتمال ہو وہاں شق قبر (صندوقی قبر) بنانے میں کوئی حرج نہیں، قبر لحدی بنائی جائے یا شقی، سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر میں میت کو رکھنے کے بعد کچی اینٹیں یا نرکل (بانس) اس پر چنے جائیں اور شقی قبر ہو تو میت کو قبر میں رکھنے کے بعد کچی اینٹوں یا تختوں سے اس پر چھت بنائی جائے تا کہ مٹی ڈالتے وقت مردے پر مٹی نہ گرے حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک میں بھی اسی طرح کچی اینٹیں چنی گئی تھیں۔

مسلم شریف میں حدیث ہے حدثنا یحییٰ ...... ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال فی مرضہ الذی ھلک فیہ الحدوالی لحداً وانصبوا علی اللبن نصباً کما صنع برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا "میرے لئے لحد (بغلی قبر) بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں چنا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۶۱ کتاب الجنائز فصل فی استحباب اللحد) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

نووی شرح مسلم میں ہے: فی استحباب اللحد ونصب اللبن وانہ فعل ذلک برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق الصحابۃ رضی اللہ عنہم اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لحد (بغلی قبر) بنانا اور اس پر کچی اینٹیں چنا مستحب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی طرح کیا گیا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱)۔

مذکورہ حدیث اور علامہ نووی رحمہ اللہ کی تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لحد کو کچی اینٹوں سے چنا جائے تا کہ مٹی میت کے بدن پر نہ گرے اس میں میت کا احترام بھی ہے اور یہ طریقہ علی سبیل التوارث چلا آ رہا ہے لہذا اس کے خلاف نہ کیا جائے پکی اینٹ نہ رکھی جائے کہ وہ آگ میں سینکی گئی ہے جس سے مردے کو دور رکھنا مستحسن ہے۔

درمختار میں ہے (ویسوی اللبن علیہ والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب شامی میں ہے (قولہ والقصب) قال فی الحلیۃ وتسد الفرج التی بین اللبن بالمدد والقصب کی لا ینزل التراب منھا علی المیت. یعنی: اس پر (یعنی میت پر) کچی اینٹیں اور نرکل (بانس) رکھے جائیں پکی اینٹیں اور تختے نہ رکھے جائیں، حلیہ میں ہے: اینٹوں کے درمیان جو سوراخ ہوں ان کو گارے سے بند کر دیا جائے تا کہ سوراخوں میں سے مٹی میت پر نہ گرے (درمختار و شامی ص ۸۳۷ ج ۱ مطلب فی دفن المیت)

فقہاء نے یہ وضاحت حدیث کی روشنی میں فرمائی ہے: کبیری شرح منیہ میں ہے وفی فتاویٰ قاضی خان والسنۃ فی القبر اللحد وان کانت الارض رخوۃ فلا باس بالشق انتھی والاصل فیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللحد لنا والشق لغیرنا رواہ ابوداؤد والترمذی. الی قولہ. واخرج مسلم عن

سعد بن ابی وقاص انہ قال فی مرضہ الذی مات فیہ الحد والی لحداً او انصبوا علی اللبن نصباً کما صنع برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روی ابن حبان فی صحیحہ عن جابر انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الحدو نصب علیہ اللبن ورفع قبرہ من الارض نحو شبر واللحد ان یحفر فی جانب القبلۃ من الارض حفیرۃ فیوضع فیہ المیت وینصب علیھا اللبن. والشق ان یحفر حفیرۃ کالنھر ویبنی جانبا ھا باللبن او غیرہ ویوضع المیت بینھما ویسقف علیہ باللبن اوالخشب (کبیری ص ۵۹۵ فصل فی الجنائز)

عمدۃ الفقہ میں ہے: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد لحد کو کچی اینٹوں سے بند کر دیں اور اینٹوں کے درمیان جو جھری رہ گئی ہو اسے ڈھیلے یا کچی اینٹ کے ٹکڑوں یا نرکل سے بند کر دیں تا کہ ان جھریوں سے میت پر مٹی نہ گرے لحد کو بند کرنے میں نرکل (بانس) کا استعمال بھی کچی اینٹ کی طرح مستحب ہے (عمدۃ الفقہ ص ۵۳۱ ج ۲)

مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ قبر لحد ہو یا شق میت کو اس طرح دفن کیا جائے کہ براہ راست مٹی میت پر نہ گرے اسی میں میت کا احترام ہے) جس طرح قرآن کے بوسیدہ اوراق دفن کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لحد (بغلی قبر) بنائی جائے تا کہ قرآن پر مٹی نہ گرے، اگر شق صندوقچی بنائی گئی تو قرآن پر مٹی پڑے گی اور اس میں ایک گونہ قرآن کی تحقیر ہے ہاں اگر اس پر تختوں سے چھت بنالی جائے اور اس پر مٹی ڈالی جائے تو پھر مضائقہ نہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے المصحف اذا صار خلقاً لا یقرؤ یخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن اولیٰ من وضعہ موضعاً یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذلک ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الیٰ اھالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف بحیث لا یصل التراب الیہ فھو حسن ایضاً کذا فی الغرائب (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۳) (در مختار شامی ص ۱۶۴ فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۳،۸۲ ج ۱۴)

(جدید ترتیب کے مطابق کتاب الایمان، میں ماتعلق بالقرآن والتفسیر کے باب میں قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا کیا حکم ہے؟ کے عنوان میں دیکھ لیا جاوے ص ۱۳۲ مرتب)

غزوات کا معاملہ ہی الگ ہے، غزوات میں تو اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح شہداء کو جلد از جلد دفن کر دیا جائے، جلدی دفن کرنے کی فضیلت بھی ہے، وہاں اتنا اہتمام کرنے کا کہاں موقع ہوتا ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ قبر بنائی جائے اور اس اہتمام سے ان کو دفن کیا جائے، غزوات میں ایسے واقعات بھی ہوئے کہ پورا کفن بھی میسر نہ ہوا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا، حضور اقدس ﷺ تسلیماً کثیراً کی ہدایت سے سر ڈھانک کر دفن کیا گیا، لہذا اگر کسی غزوہ میں ایسا اہتمام نہ کیا گیا تو اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

کفن تو میلا ہونے ہی والا ہے، مٹی ہی پر تو لٹایا جاتا ہے، اپنے ہاتھ سے میلا کرنا اس کی کوئی ہدایت نہیں ہے بلکہ ہدایت یہ ہے کہ (اپنی حیثیت کے مطابق) اچھا کفن دو اور خوشبو لگاؤ، حدیث میں ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ مسلم حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳ باب غسل المیت وکفنہ) لہذا یہ استدلال بھی ناقص ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر لٹانا مسنون ہے:

(سوال ۷۳) ہمارے علاقہ میں مردے کو قبر میں لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کیا جاتا ہے جب کہ عموماً کتابوں میں لفظ کروٹ ملتا ہے تو کیا چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دینا سنت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے یا مردے کو کروٹ پر کرنا ہوگا؟ صحیح طریقہ بتلائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ رخ داہنی کروٹ پر لٹایا جائے اور پشت کی جانب مٹی سے سہارا دیا جائے تاکہ مردہ پلٹ نہ جائے، اگر کسی عذر کی وجہ سے کروٹ پر نہ لٹایا جاسکے اور صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ویوضع فی القبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة کذا فی الخلاصة (عالمگیری ص ۱۶۳ ج ۱ الفصل السادس فی القبر والدفن الخ)

مراقی الفلاح میں ہے (ویوجه الی القبلة علی جنبه الایمن) بذلک امر النبی صلی الله علیه وسلم، طحطاوی میں ہے (قوله بذلک امر النبی صلی الله علیه وسلم) علیاً لما مات رجل من عبدالمطلب فقال یا علی استقبل القبلة استقبالاً وقولوا جمیعاً بسم الله وعلی ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تکبوه علی وجهه ولا تلقوه علی ظهره کذا فی الجوهرة الخ (مراقی الفلاح وطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۷ فصل فی حملها ودفنها)(الجوهرة النیرة ص ۱۱۰ ج ۱)

امداد الفتاوی میں ہے:

(سوال) مردہ کو قبر میں لٹانا داہنی کروٹ پر مسنون ہے یا چت لٹا کر فقط چہرہ کعبہ کی طرف کر دینا، یہاں کے بعض علماء اول کو مسنون کہتے ہیں، اس میں کیا تحقیق ہے، اور ہدایہ اولین میں یوجه الیها کے کیا معنی ہے؟

(الجواب) فی الدر المختار ویوجه الیها الی قوله وینبغی کونه علی شقه الایمن، فی رد المحتار عن الحلیة بخلاف ما اذا کان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب فانه یزال ویوجه الی القبلة عن یمینه آه۔ یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں داہنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے پس ہدایہ میں یوجه الیها بھی اسی پر محمول ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال) مردہ کو قبر میں چت لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کر دیا جائے یا داہنی کروٹ کر دیا جائے چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاتا ہے، تو اب یہ دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

(الجواب) مردہ کو داہنی کروٹ پر رو بقبلہ رکھنا چاہئے فی الدر المختار ویوجه الیها وجوبا وینبغی کونه علی شقه الایمن فی رد المحتار لکن صرح فی التحفة بانه سنة ا ه (امداد الفتاوی ص ۴۶۱ ج ۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے: سنت یہ ہے کہ میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر قبلہ رو لٹایا جائے اور اس میت کی پیٹھ کی طرف مٹی یا اس کے ڈھیلے سے تکیہ لگادیں تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے پشت کی جانب لوٹ نہ جائے، چت لٹانے اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے کا جو عام رواج ہوگیا ہے وہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور اس طرح صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے سے تھوڑی دیر کے بعد منہ قبلہ سے پھر کر سیدھا ہو جائے گا پس اس سے پرہیز کرنا اور سنت طریقہ کو

رائج کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیثوں میں میت کو چت لٹانے کی ممانعت وارد ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۵۳۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تدفین کے بعد اور قبر کی مٹی منتشر ہونے کی وجہ سے قبر پر پانی چھڑکنا کیسا ہے؟:

(سوال ۷۴) تدفین کے بعد پانی چھڑکنا کیسا ہے؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر کسی وقت قبر کی مٹی منتشر ہو جائے اس کو درست کر کے پانی چھڑکیں تو کیا حکم ہے؟ بہت سے لوگ ہر جمعرات جمعہ کو قبر پر پانی چھڑکتے ہیں، اس کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبر کی مٹی جمی رہے اور قبر کی حفاظت رہے اس خیال سے تدفین کے بعد پانی چھڑکنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، سر کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کرے اور پائنتی تک چھڑکے، بعد میں اگر قبر کی مٹی منتشر ہوگئی ہو تو قبر کو ٹھیک کر کے پانی چھڑکنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہر جمعرات اور جمعہ کو پانی چھڑکنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

حدیث میں ہے عن جعفر بن محمد عن ابیه مرسلاً ان النبی صلی الله علیه وسلم حثی علی المیت ثلث حثیات بیدیه جمیعاً وانه رش علی قبر ابنه ابراهیم الخ حضرت جعفر صادق اپنے والد محمد اور وہ اپنے والد امام باقر سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک سے تین لپیں میت پر مٹی ڈالی اور حضور اقدس ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کے قبر پر پانی چھڑکا (مشکوۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

دوسری حدیث میں ہے: عن جابر رضی الله عنه قال رش قبر النبی صلی الله علیه وسلم وکان الذی رش الماء علی قبره بلال بن رباح بقربة بدأ من قبل رأسه حتی انتهی الی رجلیه۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا، بلال بن رباحؓ نے آپ کی قبر مبارک پر مشک سے سر مبارک کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا یہاں تک کہ پاؤں مبارک تک پہنچا دیا (مشکوۃ شریف ص ۱۴۹ فصل فی حملها ودفنها)

نیز حدیث میں ہے: عن ابی رافع قال سلّ رسول الله صلی الله علیه وسلم سعداً ورش علی قبره ماءً رواه ابن ماجة (مشکوۃ شریف ص ۱۴۹)

درمختار میں ہے (ولا بأس برش الماء علیه) بل ینبغی ان یندب لانه صلی الله علیه سلم فعله بقبر سعد کما رواه ابن ماجة وبقبر ولده ابراهیم کما رواه ابو داؤد فی مراسیله وامر به فی قبر عثمان بن مظعون کما رواه البزار فانتفی ما عن ابی یوسف من کراهته لانه یشبه التطین حلیة (درمختار و شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) غایة الاوطار میں ہے: اور کچھ مضائقہ نہیں پانی چھڑکنے کا قبر پر واسطے حفاظت مٹی کے اڑنے کے، بلکہ پانی چھڑکنے کو مستحب کہنا مناسب ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد اور اپنے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی قبر پر پانی چھڑکوایا تھا، چنانچہ ابن ماجہ میں اور ابوداؤد کے مراسیل میں مروی ہے۔ (غایة الاوطار ترجمہ درمختار ج ۱ ص ۴۲۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر میں میت کا منہ قبلہ رخ نہ کیا تو؟:

(سوال ۷۵) ہمارے یہاں بچہ کی تجہیز وتکفین کے بعد صندوق میں رکھنے کا رواج ہے ایک پانچ ماہ کے بچہ کا انتقال ہوا غسل دینے والوں نے صندوق میں کیسے رکھا وہ نہیں بتلایا بعد تدفین معلوم ہوا کہ اس بچہ کا منہ صندوق میں قبلہ رخ نہیں کیا تھا، اب اس پر چہ میگوئیاں ہورہی ہیں، آیا بچہ کا رخ صندوق میں قبلہ سمت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کا چہرہ قبر میں عمداً قبلہ رخ نہ کرنا موجب معصیت ہے البتہ سہواً ایسا ہوا ہے تو کوئی حرج نہیں مٹی ڈالنے سے پہلے معلوم ہوجائے کہ منہ قبلہ کی طرف نہیں ہے تو قبر کھول کر یعنی اینٹ بانس وغیرہ ہٹا کر چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے بعد مٹی ڈال چکنے کے قبر کھولنا گناہ ہے جائز نہیں۔ لو دفن مستدبر الها واها لو اا التراب لا ینبش لان التوجه الی القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ماذا کان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب (شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب ما یتعلق بحمل الجنائز

جنازہ اٹھاتے وقت میت کے پیر جانب قبلہ ہوں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷۶) میت کا جنازہ قبرستان لے جانا ہے مگر قبرستان جانب مشرق ہے، مغربی جانب سے جب جنازہ لے جایا جائے گا تو میت کے پاؤں قبلہ رخ ہوں گے اور منہ مشرقی جانب، تو اس کا کیا حکم ہے؟ میت کے پاؤں قبلہ رخ ہونے میں بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

(الجواب) جنازہ قبرستان لے جاتے وقت درمیان راہ میت کے پاؤں قبلہ کی جانب ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ تو مجبوری ہے اس لئے قبلہ کی بے حرمتی یا بے ادبی لازم نہیں آتی۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو گدے پر ڈال کر جنازہ میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۷۷) میت کو جنازہ میں رکھتے وقت گھر میں گدا ہو تو اس پر رکھ کر جنازہ میں ڈالنا کیسا ہے؟ گھر میں گدا نہ ہو تو چٹائی پر ڈال کر بھی جنازہ میں رکھے، مگر گھر میں گدا ہوتے ہوئے چٹائی کے پیسے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ گدے پر ڈال کر جنازہ میں رکھنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کو مسجد میں یا امام کو دے دینا ضروری ہے؟

(الجواب) میت کو جنازہ میں رکھنے کے لئے گدے یا چٹائی کی ضرورت نہیں ہے، کفن کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں اور جنازہ میں سے قبر میں رکھ سکتے ہیں، گاہے ضروری معلوم ہو تو چادر، شطرنجی وغیرہ جو بھی موجود ہو اسے کام میں لے پھر اس کو اپنے استعمال میں بھی لے سکتا ہے خیرات کردینا ضروری نہیں ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قریبی راستہ سے جنازہ لے جانا بہتر ہے:

(سوال ۷۸) حدیث میں جنازہ کو چالیس قدم کندھا دینے کی فضیلت آئی ہے، اس فضیلت کے حصول کے لئے قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب جنازہ میں لوگ زیادہ ہوتے ہیں تو ہر ایک کو کندھا دینے کا موقع ملے اس مقصد سے لمبا راستہ اختیار کرتے ہیں اور محلہ محلہ گشت کراتے ہوئے جنازہ قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک! جنازہ کے چاروں پایوں کو کندھے پر رکھ کر دس دس قدم چلنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے لقوله صلی اللہ علیه وسلم من حمل جنازة اربعین خطوة کفرت عنه اربعین کبیرة یعنی جو شخص چالیس قدم جنازہ اٹھائے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ (بحوالہ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۱ فصل فی حملها ودفنها)

لیکن اس سے بھی زیادہ تاکیدی حکم یہ ہے کہ جب موت کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین اور نماز وغیرہ میں جلدی کی جائے، مراقی الفلاح میں ہے واذا تیقن موته (یعجل بتجهیزه) اکراما له لما فی الحدیث وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله الخ یعنی جب موت کا یقین ہوجائے تو

اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے اس کی اعزاز کی وجہ سے، حدیث میں ہے اس کے کفن دفن میں جلدی کرو اس لئے کہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش (لاش) اس کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے (مراقی الفلاح مع طحطاوی ۳۰۹ باب احکام الجنائز) (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۹۹)

اور جب جنازہ لے کر چلیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ جنازہ کو اتنی جلدی لے کر چلیں کہ میت کو چارپائی پر اضطراب نہ ہو، یعنی ادھر ادھر حرکت نہ کرے اور میت کو جھٹکے نہ لگیں، حدیث میں ہے اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخير تقدمونها وان تک سوىٰ ذلک فشر تضعونه عن رقابکم متفق عليه . یعنی جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ صالح ہے تو خیر ہے جسے تم لے جارہے ہو اور اگر صالح نہیں ہے تو اپنی گردن پر سے جلدی سے شر دور کروگے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۴۔ باب المشی بالجنازہ) نیز حدیث میں ہے اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على اعناقهم فان تک صالحة قالت قدمونی وان کانت غير صالحة قالت لا هلها يا ويلها اين تذهبون بها يسمع صوتها کل شئ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق رواه البخاری.
یعنی ۔ جب لوگ جنازہ کو اپنی گردنوں پر لے کر چلتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر صالح نہیں ہے تو کہتا ہے کہ ہائے مصیبت مجھے کہاں لے جارہے ہو، یہ آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں اگر یہ آواز انسان سن لے تو اس کے ہوش باقی نہ رہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۴ باب احکام الجنائز)

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ کو جلد از جلد اس کے مقام پر پہنچادینا چاہئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوگی تو لوگ زیادہ ہوں گے، یہ مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکره تاخير صلاته ودفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلوٰة الجمعة (دُرمختار ج ۱ ص ۸۳۳ مطلب فی حمل المیت)

منشاء شرع کے پیش نظر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ جنازہ قریبی راستہ ہی سے لے جانا بہتر ہے، بلا عذر شرعی قریبی راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کرنا، اور جنازہ کو محلہ محلہ گشت کرانے کا رواج پسندیدہ نہیں ہے، میت کو اضطراب سے بچانا بھی مشکل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسائل تعزیت وسوگ

تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعۂ خط تعزیت کرنا:

(سوال ۷۹) تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے اور اس کا وقت کتنے دنوں تک ہے اور اس موقعہ پر کن الفاظ سے تعزیت کرنا چاہئے؟ اگر کوئی شخص دور ہونے کی وجہ سے یا کسی مجبوری کی وجہ سے خود حاضر ہوکر تعزیت نہ کرسکے تو بذریعۂ خط تعزیت کرسکتا ہے یا نہیں اور اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ اس معاملے میں ہماری رہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) تعزیت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جاکر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے صبر کی تلقین وترغیب دے، اور ان کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔

تعزیت کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے ایک حدیث میں ہے عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال ما من مؤ من يعزى اخاه بمصيبة الا کساه الله سبحانه من حلل الکرامة يوم القيمة. یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنی بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجه شريف ص ۱۱۶ . باب ماجآء فی ثواب من عزى مصابا) نیز حدیث میں ہے من عزى مصاباً فله مثل اجره . جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر) (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۲۷ باب ماجآء فی اجر من عزى مصابا) نیز حدیث میں ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من عزى ثکلى کسى بردا في الجنة. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مرگیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷ باب آخر فی فضل التعزية)

الفاظ تعزیت اور اس کا مضمون متعین نہیں ہے۔ جدا جدا ہے، صبر اور تسلی کے لئے جو الفاظ زیادہ موزوں ہوں وہ جملے کہے، بہتر ہے کہ یہ جملے کہے ان لله ما اخذ وله ما اعطىٰ وکل عنده باجل مسمى فلتصبر والتحتسب . یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو (مشکوٰة شريف ص ۱۵۰ باب البکآء على الميت) یہ الفاظ بھی ایک حدیث میں آئے ہیں اعظم الله اجرک واحسن عزاءک وغفر لميتک خدا تم کو اجر عظیم عطا فرمائے، اور تیرے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اور تیری میت کی بخشش کرے۔ اگر غیر مکلف ہو تو آخری جملہ وغفر لمیتک نہ کہے (کبیری) (درمختار ج ۱ ص ۸۴۳ مطلب فی الثواب علی المصیبة)

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذات خود حاضر نہ ہوسکے تو بذریعہ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا۔ آپ کا وہ خط حصن حصین میں ہے، وہ خط مبارک ملاحظہ ہو۔

وکتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ معاذ یعزیہ فی ابن لہ . بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو اما بعد فاعظم اللہ لک الا جروا لھمک الصبر ورزقنا وایاک الشکر فان انفسنا واموالنا واھلینا واولادنا من مواھب اللہ عزو جل الھنیۃ وعواریہ المستودعۃ نمتع بھا الیٰ اجل معدود ویقبضھا لوقت معلوم ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلیٰ فکان ابنک من مواھب اللہ الھنیۃ وعواریۃ المستودعۃ متعک بہ فی غبطۃ وسرور وقبضہ منک باجر کبیر . الصلوۃ والرحمۃ والھدیٰ ان احتسبت فاصبر ولا یحبط جزعک اجرک فتندم واعلم ان الجزع لا یرد شیئاً ولا یدفع حزناً وما ھو نازل فمکان قد والسلام یعنی: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم . اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کی سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے مبارک عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اور ان کو واپس لے لے) تو صبر کریں۔ تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہنچایا، اور (اب) اجر عظیم، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلے اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودے، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ والسلام۔ (حصن حصین ص ۱۸۰ پانچویں منزل بروز پیر)

مندرجہ ذیل تعزیتی خط میں نے اپنے ایک قدیم مخلص دوست مرحوم جناب منشی عیسیٰ بھائی کاوی کے صاحبزادے حافظ احمد کی وفات پر ان کو لکھا تھا، بطور نمونہ وہ بھی ملاحظہ ہو۔

مکرمی ومحترمی جناب ...... صاحب رزقکم اللہ صبراً جمیلاً واجراً جزیلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد سلام مسنون! عزیز صاحب زادے کی وفات حسرت آیات کی اطلاع سے بے حد صدمہ ہوا آپ کے خط کے مضمون سے طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ما شاء اللہ کان و مالایشاء لا یکون غفراللہ لہ واسکنہ جنۃ الفردوس وافاض علیہ شآبیب غفرانہ وادعوا اللہ تعالیٰ ان یفرغ علی قلوبکم صبراً جمیلاً وعلی من فقد تم اجراً جزیلاً بلطفہ ورحمہ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بھائی! دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے، یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔

کل نفس ذائقہ الموت وکل روح مارزۃ الفوت

زندگی کے سانس معدود اور اجل کا وقت مقرر ہے، مرحوم آپ کے پاس خدا کی امانت تھی جسے آپ نے سپرد کردی۔ ان للہ مااخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔ اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے پس صبر اختیار کرو اور ثواب کی امید رکھو ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

لا تقل فیما جری کیف جری
کل شیء بقضاء وقدر

جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضاوقدر کے موافق ہوتی ہے۔

روایت میں ہے:۔ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا تو حق تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا اے آدم! فنا ہونے کے لئے بچے جن اور اجڑنے کے لئے عمارت بنا، کسی عربی شاعر نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

الا یا ساکن القصر المعلی
ستدفن عن قریب فی التراب

اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہو جا۔ عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

لہ ملک ینادی کل یوم
لدو اللموت وابنوا للخراب

فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ

قلیل عمرنا فی دار دنیا
مرجعنا الیٰ بیت التراب

ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

آپ نے مرحوم کی صحت وشفایابی کے لئے دعا اور دوا میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی مگر وقت موعود آچکا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا
الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا، لہذا مشیت الٰہی پر راضی رہنا چاہئے۔

جب حضرت عباسؓ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے۔

اصبر نکن بک صابرین فانما
صبر الرعیة بعد صبر الرأس
خیر من العباس اجرک بعده
واللہ خیر منک للعباس

یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں، صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔ منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبداللہؓ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔ خدا کرے آپ کے حق میں بھی یہ اشعار نفع بخش ثابت ہوں۔

یہ تعزیت نامہ گھر میں سب کو سنا دیجئے، آپ خود بھی صبر کیجئے اور اہل خانہ کو بھی صبر کی تلقین کیجئے، حق تعالیٰ آپ کو اور جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے آمین۔

بفردوس اعلیٰ بود جائے او
بہشت بریں بود ماوائے او

فقط والسلام۔

میت کے گھر والوں کا پہلی عید پر عید نہ منانا کیا حکم رکھتا ہے؟:

(سوال ۸۰) ہمارے یہاں عام طور پر رواج ہے کہ جب کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو اس سال جو پہلی عید یا بقر عید آتی ہے اہل میت عید نہیں مناتے اچھا لباس نہیں پہنتے۔ اچھا کھانا نہیں پکاتے، عورتیں زیب و زینت نہیں کرتیں، خود کسی کے گھر نہیں جاتیں، قریبی رشتہ دار یا نزدیک کے تعلق والے اپنے گھر سے ان کے یہاں کھانا لے کر جاتے ہیں اور وہی کھانا ان کو کھلاتے ہیں، کیا یہ سب چیزیں شرعاً صحیح ہیں، ان پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو بہت برا اور معیوب سمجھا جاتا ہے، آپ اس پر روشنی ڈالیں۔ اور امت کی رہنمائی فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ سوال میں جو باتیں درج ہیں یہ سب غیر شرعی رسومات ہیں، شریعت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ شرعاً ممنوع ہیں، یہ غیروں کا طریقہ ہوگا اسلامی طریقہ نہیں ہے، لہذا قابل ترک ہے۔

عورت کے لئے اپنے شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن سوگ منانے یعنی زیب و زینت ترک کرنے کا حکم ہے، اور شوہر کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کی موت پر تین یوم تک ترک زینت کی صرف عورتوں کو اجازت ہے، گھر کے مردوں کا نئے لباس کو ترک کرنا یا اچھا کھانا پکانے سے احتراز کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث میں ہے عن ام حبیبة وزینب بنت جحش رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لا یحل لامرأة تو من باللہ والیوم الاخران تحد علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعة اشهر و عشرا، متفق علیه.

ترجمہ:۔ حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا، جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کرے (بخاری، مسلم) (بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب العدۃ ص ۲۸۸، ص ۲۸۹)

نیز حدیث میں ہے: عن ام عطیة رضی اللہ عنها ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لا تحد امرأة علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعة اشهر وعشراً ولا تلبس ثوباً مصبوغاً الا ثوب عصب ولا تکتحل ولا تمس طیبا ...... الخ متفق علیه . (مشکوة شریف ص ۲۸۹ باب العدۃ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ نہ کرے البتہ شوہر کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کرے، بجز کدار رنگین کپڑا نہ پہنے...... سرمہ نہ لگائے، خوشبو نہ لگائے، (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۹)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کا انتقال ہو گیا تو آپ نے تین دن کے بعد خوشبو منگوائی اور فرمایا کہ مجھے خوشبو لگانے کی کوئی حاجت نہیں ہے مگر چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لا یحل لا مرأة الخ مذکورہ حدیث بیان فرمائی (چونکہ میرے والد کے انتقال کو تین دن ہو چکے ہیں لہذا اس حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے خوشبو لگا رہی ہوں (شامی فصل فی الحداد)

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے بھائی کے انتقال کے تین دن بعد اسی طرح خوشبو لگا کر حدیث پر عمل فرمایا، شامی میں ہے۔ وقال الرحمتی الحدیث مطلق وقد حمله امهات المؤمنین علی الملاقه فدعت ام حبیبة بالطیب بعد موت ابیها بثلاث و کذلک زینب بعد موت اخیها وقالت کل منهما مالی بالطیب حاجة غیر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول لا یحل لامرأة الخ (شامی ج ۲ ص ۸۵۱ باب الحداد)

مذکورہ دونوں حدیثوں اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ اور ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہما کے عمل مبارک سے بہت واضح طور پر ثابت ہوا کہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں جب انتقال کو تین دن گذر چکے ہیں تو اب اس کے بعد سوگ منانا حدیث کے خلاف ہے، لہذا عید یا اور کوئی خوشی کا موقع آجائے تو اس موقعہ پر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں سوگ کی صورت ہو جائز نہیں ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ ویباح الحداد علی قرابة ثلاثة ایام فقط . وللزوج منعها لکان الزینة حقه فتح (درمختار مع رد المحتار ص ۸۵۱ فصل فی الحداد)

بہشتی زیور میں ہے:۔ (۱) مسئلہ: شوہر کے علاوہ کسی اور کے مرنے پر سوگ کرنا درست نہیں البتہ اگر شوہر منع نہ کرے تو اپنے عزیز پر اور رشتہ دار کے مرنے پر بھی تین دن تک بناؤ سنگھار چھوڑ دینا درست ہے، اس سے زیادہ بالکل حرام ہے اور اگر منع کرے تو تین دن بھی نہ چھوڑے (بہشتی زیور ص ۳۸ چوتھا حصہ سوگ کرنے کا بیان)

کسی کے انتقال پر اس کے گھر والوں کی تعزیت کرنا مسنون ہے مگر اس کی حد تین دن ہے تین دن کے بعد مکروہ ہے، ہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بعد میں بھی تعزیت کی گنجائش ہے، تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل

میت کو تسلی دی جائے، صبر کی تلقین کی جائے، صبر کا ثواب بتایا جائے، اجر عظیم کی توقع دلائی جائے، میت کے لئے دعا کی جائے مثلاً یہ کہا جائے اعظم اللہ اجرک واحسن جزاک وغفر لمیتک اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم اور جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کے مرحوم کی مغفرت فرمائے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بچہ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کی ان الفاظ میں تعزیت فرمائی تھی۔ للہ ما اخذوا لہ' ما اعطی وکل عندہ' باجل مسمیٰ فلتصبرو لتحتسب (بخاری شریف باب زیارۃ القبور مطلب فی الثواب علی المصیبۃ، ص ۱۷۱) جو لیا وہ اللہ کا تھا جو عطا فرمایا وہ بھی اللہ کا تھا، اللہ کے یہاں ہر ایک کی معیاد مقرر ہے، پس صبر کرو اور ثواب کی نیت رکھو (فتاویٰ رحیمیہ اردو)

درمختار میں ہے: وبتعزیۃ اھلہ وترغیبھم فی الصبر وباتخاذ طعام لھم ...... ثلاثۃ ایام واولھا افضلھا وتکرہ بعدھا الا لغائب وتکرہ التعزیۃ ثانیا وعند القبر وعند باب الدار ویقول اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک (درمختار مع رد المحتار مطلب فی الثواب علی المصیبۃ ص ۸۴۱ ج ۱ ص ۸۴۳ ج ۱)

اسی طرح قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اہل میت کے لئے اس دن کھانے کا انتظام کریں اور ضرورت ہو تو خود ساتھ بیٹھ کر اصرار کر کے ان کو کھلائیں، حدیثؐ میں اس کا ثبوت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۹۶ ج ۴) (شامی ص ۸۴۱ ج ۱)(۱) محققین علماء کے نزدیک اس کی معیاد ایک دن رات ہے، یہ عمل رضاء الٰہی کے لئے ہو محض رسماً اور دکھاوے کے طور پر نہ ہو۔

یہ چیزیں تو شریعت سے ثابت اور سنت ہیں، مگر بار بار تعزیت کرنا خصوصاً عید کے دن برائے تعزیت جانا اور اہل میت کے غم کو تازہ کرنا اور کھانا ساتھ لے جا کر ان کو کھلانا یہ سب رسومات ہیں اور قابل ترک ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جآء ما یشغلھم. مطلب فی کراھیۃ الضیافۃ من اھل المیت.)

زیارت قبور

قبرستان میں دعاء کس طرح کی جائے؟:

(سوال ۸۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا بدعت؟ دعاء کھڑے کھڑے کی جائے یا بیٹھ کر اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ حدیث سے کیا ثابت ہے؟

(الجواب) قبرستان میں بحالت قیام قبلہ رخ ہو کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا آداب میں سے ہے اور مسنون ہے بدعت نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی متعلق حدیث میں ہے۔ جاء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات (صحیح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱ کتاب الجنائز باب الذھاب الی زیارۃ القبور) فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین وفیہ ان دعاء القائم اعلیٰ من دعاء الجالس فی القبور (نووی شرح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱ ایضاً) واذا اراد الدعاء یقوم مستقبل القبلۃ کذا فی خزانۃ الفتاویٰ (عالمگیری ص ۳۵۰ ج ۵ کتاب الکراھیۃ الباب السادس عشر فی زیاۃ القبور و قرأۃ القرآن فی المقابر)

حافظ بدر الدین عینی بنایہ میں فرماتے ہیں۔ لا یقعد الزائر و عند الدعاء للمیت یستقبل القبلۃ یعنی زائر قبور کے لئے ادب یہ ہے کہ نہ بیٹھے اور میت کے لئے دعا کے وقت قبلہ رخ ہو جائے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ وفی حدیث ابن مسعودؓ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبداللہ بن ذی النجادین الحدیث وفیہ فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعاً یدیہ اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ (ص ۱۲۲ ج ۱۱ باب الدعآء مستقبل القبلۃ) دوسرے رخ پر اور بیٹھے ہوئے اور بلا ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی دعا جائز ہے۔ دعا کے وقت ایسی ہیئت اختیار نہ کی جائے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ اہل قبر سے حاجت طلب کر رہا ہے اس لئے جب ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو قبر کی طرف منہ نہ ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت مزار پر جائے تو نکاح رہے یا باطل ہو جائے؟:

(استفتاء ۸۲) عورت اور مرد کسی بزرگ کے مزار پر جائے تو عورت نکاح سے نکل جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کے لئے مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ "مالا بدمنہ" میں ہے۔ "زیارت قبور مرداں را جائز است نہ زناں را" یعنی زیارت قبور مردوں کے لئے جائز ہے۔ عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ (ص ۷۹) علماء بریلوی بھی ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا حکیم محمد حشمت علی بریلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "مگر اس زمانے میں مستورات کو زیارت قبور کے لئے جانا مکروہ بلکہ حرام ہے۔ (جمع المسائل ص ۱۱۰ ج ۱)

اور مولانا رضا خاں بریلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا اتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (جمل النور ص ۸۔۷)

لہذا جائے تو گنہگار ہے۔ لیکن نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ اگر وہاں مشرکانہ افعال کریں سجدہ اور طواف کریں۔ حاجت رواہ سمجھیں اور مرادیں مانگیں تو ان کا حکم نہایت ہی شدید ہے۔ فساد نکاح کا خطرہ ہے۔ ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔
''سجدہ کردن بسوء قبور انبیاءؑ واولیاءؒ وطواف گرد قبور کردن و دعاء از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا ازاں بہ کفری رسانند۔ پیغمبر بر آنہا لعنت گفتہ، وازاں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند۔'' یعنی: انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا، قبروں کا طواف کرنا، اور ان سے دعاء مانگنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے۔ بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ (ص ۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب مایتعلق بایصال الثواب

ایصال ثواب کا حکم:

(سوال ۸۳) میت کے لئے ایصال ثواب کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں لوگوں کے دو فرقے ہوگئے ہیں ایک فرقہ غیر مقلدین کی طرح میت کے لئے ایصال ثواب کا منکر ہو رہا ہے اور کتاب وسنت وصحیح روایتوں سے اس کا ثبوت مانگتا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ بتاؤ قرآن پاک میں کہاں ایصال ثواب کا حکم ہے؟ اور حضور پاک ﷺ نے ایصال ثواب کے لئے کہاں فرمایا ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو مفصل ومدلل تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔ (از بنارس)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: ۔ حنفیہ کا مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ اعمال خواہ بدنی ہوں یا مالی دونوں کا ثواب مردوں کو پہنچانا جائز ہے اور مردوں کو ان کا ثواب پہنچتا ہے اور یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، فقہ کی معتبر کتابوں مثلاً ہدایہ، عالمگیری، البحر الرائق، بدائع، شامی اور عینی وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ الا صل فی ھذا الباب ان الا نسان لہ' ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ او صوماً او صدقۃً او غیر ھا عند اھل السنۃ والجماعۃ لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ' ضحیٰ بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والأخر عن امتہ ممن اقر بوحدانیۃ اللہ وشھد لہ بالبلاغ یعنی اس باب میں قانون کلی یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال صالحہ کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا صدقہ وخیرات یا اس کے علاوہ کوئی اور عمل، اس حدیث کی بنا پر جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو چت کبرے مینڈھوں کی قربانی کی، ایک کی اپنی طرف سے اور دوسرے کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضور اکرم ﷺ کے لئے اس بات کی شہادت دی کہ آپ ﷺ نے امت کو اللہ کا دین پہنچا دیا (ہدایہ ص ۲۷۶ باب الحج عن الغیر)۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے الا صل فی ھذا الباب ان الا نسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃً کان او صوماً او صدقۃً او غیرھا کالحج وقراءۃ القران والا ذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام والشھداء والا ولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر کذا فی غایۃ السروجی شرح الھدایہ انتھی۔ یعنی اس باب میں قانون کلی یہ ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کے واسطے کر دینا روا (جائز) ہے، چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ جیسے حج اور تلاوت قرآن اور دیگر اذکار و وظائف اور انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت اور مردوں کو کفن دینا اور ہر قسم کے نیک اعمال (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۶ الباب الرابع فی الحج عن الغیر)

درمختار میں ہے: ۔ الا صل ان کل من اتی بعبادۃ ما لہ جعل ثوابھا لغیرہ (قولہ بعبادۃ ما) ای سواء کانت صلوۃ او صوماً او صدقۃً او قراءۃً او ذکراً او طوافاً او حجاً او عمرۃً او غیر ذلک من زیارۃ قبور الا نبیاء علیھم الصلوۃ والسلام والشھداء والا ولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع

انواع البر كما في الهندية وقد منا في الزكاة عن التار خانية عن المحيط الا فضل لمن تصدق نفلاً ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لا نها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئى اه (در مختار مع الشامي ج۲ ص ۲۲۳ باب الحج عن الغير)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے۔ترجمہ:۔اصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے نماز یا روزہ یا خیرات یا تلاوت قرآن یا ذکر یا حج یا عمرہ یا طواف یا اور کوئی نیکیاں تو اس کو جائز ہے کہ اس کا ثواب غیر شخص کے واسطے کردے اگرچہ عبادت کرنے کے وقت اپنی ذات کے واسطے نیت کی ہو۔یہ اصل ثابت ہے قرآن اور احادیث کی ظاہری دلالت سے بلا ارتکاب تاویل م قرآن مجید میں ولد کو ارشاد ہے کہ والدین کے واسطے یوں دعا کرے ۔ رب ارحمهما كما ربيانى صغيرا ۔ اے میرے رب میرے والدین پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے لڑکپن میں مجھے پالا۔ اگر انسان کا عمل دوسرے کو مفید نہ ہوتا تو ولد کی دعا والدین کے حق میں بے فائدہ ہوتی،حالانکہ یہ غلط ہے،اور حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنین کے واسطے دعاء مغفرت کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے اور احادیث تو نیابت اور ثواب رسانی میں بکثرت ہیں،از انجملہ بخاری و مسلم میں یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔الی قولہ۔اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ ان رجلاً سأل عليه الصلوٰة والسلام فقال كان لى ابوان ابراهما حال حيوتهما فكيف ابرهما بعد موتهما فقال صلى الله عليه وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلى لهما مع صلوٰتك وان تصوم لهما مع صومك. ایک مرد نے رسول خدا ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ تھے جن میں سے ان کی زندگی میں نیکی کرتا تھا سو میں اب کیونکہ ان کے ساتھ نیکی کروں؟ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کے بعد نیکی یہ ہے کہ نماز پڑھا کر ان کے واسطے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھا کر ان کے واسطے اپنے روزے کے ساتھ۔وروى (الدار قطنى ايضاً) عن على رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من مر على المقابر وقراء قل هو الله احد احدىٰ عشرة مرة ثم وهب اجر ها للاموات اعطى من الا جر بعد دالا موات حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو قبرستان پر گذرے اور گیارہ بار قل هو الله احد پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو ثواب دیا جائے گا بقدر اموات کے۔وعن انس رضى الله عنه قال یا رسول الله انا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم فهل يصل ذلك لهم قال نعم انه ليصل اليهم وانهم ليفر حون به كما يفرح احدكم بالطبق اذا اهدى اليهم. رواه ابو حفص الكبير ۔حضرت انسؓ نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہم خیرات کرتے ہیں اپنے مردوں کی طرف سے اور حج کرتے ہیں ان کی طرف سے اور دعا کرتے ہیں ان کے واسطے،کیا یہ ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں یہ ان کو پہنچتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اس سے جیسے کہ تم میں سے ایک خوش ہوتا ہے اس طبق سے جب کوئی اس کو تحفہ بھیجے۔ وعنه صلى الله عليه وسلم قال اقرؤوا على موتاكم يٰس. رواه ابو داؤد. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں پر یٰسین پڑھا کرو۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب غیر کو نافع ہوتا ہے (غاية الا وطار ترجمه درمختار ملخصاً ج۲ ص ۶۰۷،ص ۶۰۸)

مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے۔عن عبدالله بن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما الميت فى القبر الا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من اب اوام او اخ او صديق فاذا لحقته كان احب اليه من الدنيا وما فيها وان الله تعالىٰ ليد خل على اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال (من الرحمة والغفران) وان هدية الا حياء الى الاموات الا ستغفار لهم .رواه البيهقى فى شعب الا يمان .

یعنی مردہ قبر میں ڈوبنے والے مدد کے خواہش مند کی طرح دعا اور ثواب کا منتظر رہتا ہے۔جو اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچے (وہ ایصال ثواب کی شکل میں ہو یا تلاوت قرآن اور تسبیح یا درود پڑھ کر ثواب بخشنے کی شکل میں) جب دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر پہنچاتا ہے اور زندوں کے لئے ان کا دعائے مغفرت مانگنا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶ باب الا ستغفار والتوبہ)

ترمذی شریف میں ہے:۔ عن ابن عباس رضى الله عنه ان رجلا قال يا رسول الله ان امى توفيت افينفعها ان تصدقت عنها قال نعم قال فان لى مخرفاً فاشهدك انى قد تصدقت به عنها. حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع ہوگا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟) آپ نے فرمایا،ہاں پہنچے گا،انہوں نے عرض کیا میرا ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا وہ باغ اپنی والدہ کے لئے صدقہ کردیا۔(ترمذى شريف ج ا ص ۸۵ كتاب الزكوة باب ماجاء فى الصدقة عن الميت)

یہ حدیث ایصال ثواب کے ثبوت میں بالکل واضح ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں،مگر تین چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے۔(۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات الا نسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (رواه مسلم.)(مشكوة شريف ص ۳۲ كتاب العلم)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ستر ہزار مرتبہ لا الـه الا اللّٰہ کی تاثیر کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے،اس سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے:۔

قال الشيخ محى الدين بن العربى انه بلغنى عن النبى صلى الله عليه وسلم ان من قال لا اله الا الله سبعين الفاً غفرله ومن قيل له غفرله ايضاً فكنت ذكرت التهليلة بالعدد المروى من غيران انوى لا حد بالخصوص بل على الوجه الا جمالى فحضرت طعاماً مع بعض الا صحاب وفيهم شاب مشهور بالكشف فاذا هو فى اثناء الا كل أ ظهر البكاء فسألته عن السبب فقال ارى امى فى العذاب فو هبت فى باطنى ثواب التهليلة المذكورة لها فضحك وقال انى اراها الآن فى حسن المآب قال الشيخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه وصحة كشفه بصحة الحديث.

یعنی شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ کی یہ روایت پہنچی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے، میں اس کلمہ کو مخصوص کسی کے لئے نیت کئے بغیر مذکورہ عدد کے موافق پڑھا کرتا تھا، ایک مرتبہ میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں حاضر ہوا، دعوت میں ایک نوجوان تھا جو کشف میں مشہور تھا، دوران طعام اچانک وہ رونے لگا، میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا، اس نوجوان نے کہا میں اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی والدہ کو بخش دیا، وہ ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی والدہ کو بہت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اس واقعہ سے اس حدیث کی صحت کا اور اس حدیث کی صحت سے اس کے کشف کی صحت کا یقین کر لیا (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۳ ص ۹۸ ، ۹۹ باب ما علی الماموم من التابعة تحت حدیث معاذ اذا اتی احدکم الصلوۃ والامام علی حال الخ)

مذکورہ بالا حوالجات سے ثابت ہوا کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب جائز ہے اور ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

ایصال ثواب کا طریقہ:

(سوال ۸۴) قبرستان جا کر یا گھر میں میت کے ایصال ثواب کے لئے کیا چیزیں پڑھنی چاہئے۔ یعنی فاتحہ کا طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن مجید ختم کر کے یا سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ یٰس، سورۂ ملک سورۂ تکاثر، سورۂ ہود وغیرہ جو یاد ہوں اور جن میں سہولت ہو اور درود شریف ونوافل وغیرہ جو ہو سکیں اور اسی طرح مالی خیرات وصدقات، نماز، روزے کا فدیہ اپنی ہمت اور شوق وذوق کے مطابق کر کے ثواب بخشا جائے۔ شامی میں ہے۔ وفی شرح اللباب ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحة واول سورة البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی و آمن الرسول وسورة یٰس وتبارک الملک وسورة التکاثر والا خلاص اثنی عشر مرةً اواحدیٰ عشر او سبعاً او ثلثاً ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأ ناہ الی فلان او الیھم اہ. ترجمہ:۔ قرآن میں سے جو آسان معلوم ہو سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورۂ یٰس، سورۂ تبارک الملک سورۂ تکاثر اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ یا گیارہ مرتبہ یا سات مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھ کر بخشے (شامی ج ۱ ص ۸۴۴ مطلب فی القرأة للمیت واھدآء ثوابھالہ)

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:۔ قال النووی فی شرح المھذب یستحب لزائر القبور ان یقرء ما تیسر من القران ویدعولھم عقبھا. قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ قرآن میں سے جو سہل معلوم ہو پڑھے اور اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۴ ص ۸۲ باب زیارت القبور)

عالمگیری میں ہے۔ ثم یقرء سورة الفاتحة وآیة الکرسی ثم یقرء سورة اذا زلزلت والھکم التکاثر کذا فی الغرائب (قبرستان میں داخل ہو کر مسنون دعا پڑھنے کے بعد) پھر سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ اذا

زلزلت اور الھکم التکاثر پڑھے (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۹۴ باب الکراھیۃ)

اور مرقاۃ میں ہے:۔ واخرج ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائدہ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قراء فاتحة الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر . ثم قال انی جعلت ثواب ماقرأت من کلامک لاھل المقابر من المؤمنین والمومنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ. حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے پھر وہاں سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور الہاکم التکاثر پڑھ کر اس کا ثواب مؤمنین اور مومنات مردوں کو بخشے تو وہ اس کے لئے سفارش کرنے والے ہوں گے (دار قطنی باب زیارۃ القبور ج ۴ ص ۸۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو مردوں کی گنتی کے مطابق اس کو بھی اجر وثواب دیا جائے گا۔ وعن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرأ قل ھو اللہ احد احدیٰ عشرة مرة ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الا جر بعد دالا موات. رواہ الدارقطنی (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۴۲ فصل فی زیارة القبور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں

مزاروں پر حاضری کے وقت مندرجہ ذیل عمل کرتا ہوں:۔ السلام علیکم یا دار قوم مؤمنین انتم سلفنا ونحن بالا ثرو انا ان شاء اللہ بکم لا حقون یغفر اللہ لنا ولکم اجمعین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار. پھر تین بار درود شریف، سورۂ فاتحہ تین بار، سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ، پھر درود شریف تین بار پڑھ کر صاحب مزار کو بخش کر اس کے اور تمام گردو پیش کے مدفونین کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں (فرمودات حضرت مدنی ص ۲۴۰)

تدفین کے بعد مجتمعاً ایصال ثواب کا حکم:

(سوال ۸۵) میت کے تدفین کے بعد ایصال ثواب ثابت ہے یا نہیں؟ بعض مقامات میں تدفین کے بعد "فاتحہ" کے نام سے اعلان ہوتا ہے اور لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، اسی طرح میت کے گھر دوبارہ ایصال ثواب کے لئے فاتحہ کا اعلان ہوتا ہے اور لوگ اجتماعی دعا مانگتے ہیں کیا خیر القرون میں یہ چیزیں تھیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تدفین کے بعد عند القبر مجتمع ہو کر دعاء مغفرت کرنا اور تلاوت کر کے بخشنا بلا تامل جائز ہے، حدیث میں ہے عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفر والا خیکم واسا لو الہ التثبت فانہ الآن یسئل . ترجمہ:۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:۔ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات

احد کم فلا تحبسوه واسرعوا به الی قبره ولیقرأ عند راسه (ای بعد الدفن) فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة رواه البیهقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انه موقوف علیه حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کو گھر میں (بلاوجہ شرعی) روکے مت رکھو اور اس کی تدفین میں جلدی کرو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (مفلحون تک) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (آمن الرسول سے ختم تک) پڑھی جائیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حالت نزع میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو وصیت فرمائی اذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نارا واذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ما ذا اراجع به رسل ربی رواه مسلم ۔ جس وقت میرا انتقال ہوجائے تو میرے جنازے کے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں (فرشتوں) کو کیا جواب دیتا ہوں ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت ۔ الفصل الثالث)۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے (قوله ثم اقیموا حول قبری) لعله للدعاء بالتثبیت وغیره ۔ حدیث مبارک میں یہ جملہ ثم اقیموا حول قبری پھر تم میری قبر کے اردگرد کھڑے رہنا، یہ کھڑا ہونا شاید اس لئے ہو کہ مردے کے لئے ثابت قدمی وغیرہ کی دعا کی جائے (قوله حتی استانس لکم) ای بدعاء کم واذکارکم واستغفارکم ۔ یعنی تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں، یعنی تمہاری دعا تمہارے ذکر اور تمہاری تلاوت اور تمہارے استغفار سے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۸۱ ایضاً) مرقاۃ میں ایک اور حدیث ہے: ۔وقد ورد فی الخبر لابی داؤد انه علیه الصلوٰة والسلام کان اذا فرغ من دفن الرجل یقف علیه ویقول استغفروا الله لاخیکم واسئلوا له التثبیت وفی روایة التثبت فانه الآن یسئل ۔ یعنی حضور اقدس ﷺ جب کسی شخص کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا (مرقاۃ ج ۴ ص ۸۱ باب دفن المیت)

کفایت المفتی میں ہے ۔

(سوال) فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا الله له التثبیت الخ مرقومہ بالا حدیث سے دعائے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادیٰ فرادیٰ؟

(الجواب) ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے تھے کیونکہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر و توقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت و مغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کا حکم دیتے تھے کیونکہ فانه الآن یسئل اس کا قرینہ ہے پس تھوڑی دیر سب کا توقف کرنا اور حاضرین کو اسی وقت دعا

استغفار کا حکم فرمانا اور سب کا موجود ہونا اور اس وقت کا وقت قرب سوال نکیرین ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب حاضرین کی دعا ایک وقت میں اجتماعاً ہوتی تھی اور یہی معمول و متوارث ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اجتماع جو اس حدیث سے ثابت ہے اجتماع قصد اللہ عا بھی نہیں ہے بلکہ اجتماع قصدی دفن کے لئے ہے اگرچہ بسبب امور متذکرہ بالا اس وقت دعا بھی اجتماعی طور پر ہوگی ۔ واللہ اعلم (کفایت المفتی ج ۴ ص ۵۹ ۔ ۶۰)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:۔ وفی السراج ویستحب ان یقراء علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها فصل فی زیارة القبور ص ۳۴۱ مستحب یہ ہے کہ قبر کے پاس دفن کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور آخری آیتیں پڑھی جائیں ۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد ایصال ثواب کے لئے کچھ پڑھنا اور اجتماعی دعا مانگنا ثابت ہے ۔ (۱) ہاں تدفین کے بعد پھر میت کے گھر پر جمع ہونا اور ایصال ثواب کے لئے دوبارہ فاتحہ پڑھنا یہ بدعت ہے بلکہ تدفین سے فراغت کے بعد ہر ایک اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوجائیں ۔ مراقی الفلاح میں ہے (تتمہ) قال کثیر من متاخری ائمتنا رحمهم الله یکره الاجتماع عند صاحب المیت حتی یأتی الیه من یعزی بل اذا رجع من الدفن فلیتفرقوا ویشتغلوا بامورهم واصحاب المیت بامره ۔ یعنی بقصد تعزیت میت کے گھر جمع ہونا مکروہ ہے بلکہ تدفین سے فراغت کے بعد جب لوگ لوٹیں تو متفرق اور منتشر ہوجائیں اور میت کے ورثہ بھی اپنے ضروری کام میں لگ جائیں (مراقی الفلاح ص ۱۲۰ فصل فی حملها ودفنها) (شامی ج ۱ ص ۸۴۳) فقط واللہ اعلم۔

کسی دوسرے ملک سے موت کی خبر آنے پر ایصال ثواب وغیرہ:

(سوال ۸۶) بیرون ملک سے خبر موت پہنچنے پر فاتحہ خوانی کے لئے اعلان کروا کر لوگوں کو جمع کر کے امام یا مؤذن صاحب فاتحہ پڑھتے ہیں، جوں جوں لوگ آتے جاتے ہیں ویسے ویسے الفاتحہ پکار کر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ۔ اس کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بیرون ملک سے خبر موت پہنچنے پر فاتحہ خوانی و تعزیت کے لئے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنے کی رسم خلاف سنت اور مکروہ ہے ۔ ہاں اہل میت اپنے خاص عزیز و اقرباء کو خبر دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کریں ۔ اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر خیر، خیرات کر کے ثواب پہنچائیں اور دعائے مغفرت کریں ۔ اور دعوت و دیگر رسومات کی قید کے بغیر فرداً فرداً اہل میت کے پاس آکر تعزیت کریں یعنی تسلی دیں ۔ اور ان کے لئے اور میت کے لئے دعا کے الفاظ کہیں ۔ مثلاً یہ کہیں اعظم الله اجرک واحسن عزائک وغفر لمیتک (خدائے پاک تم کو اجر عظیم عنایت فرمائے اور تمہیں صبر جمیل کی توفیق بخشے اور تمہارے میت کی مغفرت کرے) یہ صورت جائز ہے ۔ صحابہ کرام وغیرہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا ۔ اگر خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعہ خط بھی تعزیت ہو سکتی ہے ۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے بیٹے کی وفات کے وقت خط سے تعزیت فرمائی تھی ۔ کتب النبی صلی الله علیه

(۱) بشرطیکہ اس کا التزام نہ ہو اور اس کو ضروری نہ سمجھا جائے ۱۲ سعید احمد۔

وسلم الی معاذ یعزیه فی ابن له (حصن حصین ص ۱۸۰)

فاتحہ خوانی وتعزیت کے لئے اعلان کرواکرلوگوں کو جمع کرنے کا انتظام کرنا، یہ خلاف سنت ہونے کے سبب مکروہ ہے۔ میت کے لئے علاوہ صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی بھی موقع پر اعلان کرواکراور دعوت دے کرلوگوں کو جمع کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔ وعادت نبود کہ برائے میت درغیر وقت نماز (جنازہ) جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند گورنہ وغیرآن، واین مجموع بدعت ست ومکروہ (آنحضرت ﷺ وصحابہ کرام وغیرہ سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے علاوہ صلوٰۃ جنازہ کے جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر، نہ دیگر کسی مقام پر اور یہ تمام رواج بدعت ومکروہ ہے۔ (شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳ مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۴۲۱)

نوافل کے ذریعہ ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے؟:

(سوال ۸۷) بزرگان دین سے عقیدتمندی ہو جیسے مولانا حسین احمد مدنیؒ تو ایصال ثواب کی نیت سے ان کے لئے نوافل پڑھ سکتے ہیں؟ اس طرح روزانہ پڑھے جائیں تو کوئی حرج ہے؟ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، اپنے مرحوم اعزاء واقارب کے ایصال ثواب کی نیت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں؟ رمضان میں روزانہ اس طرح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں! بغیر کسی حرج کے پڑھ سکتے ہیں۔ ممنوع نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

ایصال ثواب کرنے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۸۸) ایک شخص روزانہ قرآن مجید پارہ دو پارے پڑھتا ہے اس کا نصف ثواب اپنے مرحوم والدین کو بخشتا ہے اور نصف ثواب تمام مؤمن ومسلمان مردوں کی ارواح کو بخشتا ہے تو اس طرح پڑھنے کا سارا ثواب بخش دینے کی وجہ سے پڑھنے والے کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس لئے کہ پورا ثواب مردوں کو بانٹ دیا ہے تو پڑھنے والے کو کیا ملے گا۔؟

(الجواب) قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے والے کو بھی پڑھنے کا اور ایصال ثواب کرنے کا ثواب ملتا ہے، پڑھ کر یا صدقہ وخیرات کر کے بخشنے والا ثواب سے محروم نہیں رہتا، چنانچہ علماء دین تحریر فرماتے ہیں کہ الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئی (یعنی) نفل عبادت کرنے والے کو چاہئے کہ تمام مسلمان مردوں عورت کو بھی اپنے ثواب میں شامل کرلے، ان کو بھی ثواب ملے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم بھی نہیں ہوگا۔ (شامی ج ۱ ص ۸۴۴ ایضاً)

اتنا ہی نہیں بلکہ کبھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من مر علی مقابر وقرأ "قل هو الله احد" احدی عشرة مرة ثم وهب للاموات اعطی من الاجر بعدد الأموات (ترجمہ) جو شخص قبرستان سے گذرا اور اس نے گیارہ مرتبہ سورہ قل ھو اللہ پڑھی اور مردوں کی روحوں کو بخش دی تو اس کو مردوں کی تعداد جتنا ثواب دیا جائے گا۔" سورۂ یسین پڑھ کر بخشنے کا بھی یہی اجر آیا ہے (دار قطنی،

---

(۱) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة او غیرها کذا فی الهدایة. شامی باب صلوة الجنائز مطلب فی القرأة للمیت واهداء ثوابها له ج ۱ ص ۸۴۴.

طبرانی در مختار، شامی وغیرہ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی القرآن للمیت واھداء ثوابھا لہ ص ۸۴۴ ج ۱۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا تو اس نے ان کی طرف سے حج ادا کیا اور خود اس کو دس حج کا ثواب دیا جائے گا (دار قطنی)[1]

یہ محض فضل خداوندی ہے، اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اس لئے بعض جلیل القدر بزرگان دین کا عقیدہ ہے کہ نیکی کا ثواب جو مردوں کو بخشا جاتا ہے، وہ تقسیم ہو کر نہیں دیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب خدا پاک عنایت فرماتے ہیں۔

"شامی" میں ہے کہ حضرت ابن حجر مکی سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھ کر مردوں کو بخشے تو وہ بخشا ہوا ثواب تقسیم ہوتا ہے یا ہر ایک کو پوری سورہ فاتحہ کا ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک کو پورا ثواب ملنے کا ایک جماعت نے فتویٰ دیا ہے اور یہی قول خدا تعالیٰ کے عام فضل کے شایان شان ہے (شامی ج ۱ ص ۸۴۵ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی القرأة للمیت الخ) اور یہی توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پورا پورا ثواب دے گا۔ قال الله تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی. میرا بندہ جیسا مجھ سے اعتقاد رکھتا ہے اس کے حق میں ایسا ہی ہوتا ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایصال ثواب کے لئے اکٹھے ہو کر ختم قرآن کرنا:

(سوال ۸۹) میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے یعنی پانچ پچیس آدمی جمع ہو کر ایک ایک پارہ لے کر پورا قرآن ختم کر کے اس کا ثواب میت کو بخشتے ہیں، ایسی بہت سی محفلوں میں سو دو سو آدمی بھی حاضر ہوتے ہیں اور وہ تمام الگ الگ پاروں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح کئی قرآن کا دو چار پانچ مرتبہ دور ہوا، جوں جوں آدمی زیادہ اکٹھے ہوں اور زیادہ قرآن کا دور ہو وہ بہتر سمجھا جاتا ہے، ایسی قرآنی خوانی کی محفل میں ایک ماہ میں تین چار بار تو جانا ضروری ہوتا ہے، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک رواجی قرآنی دور کے سلسلے کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ محفل میں خدا، پاک کا کلام پڑھنے میں جن آداب کا خیال رکھنا چاہئے وہ ملحوظ نہیں ہوتے، تمام ایک ساتھ پڑھتے ہیں، کون صحیح پڑھتا ہے اور کون غلط پڑھتا ہے وہ بھی معلوم نہیں ہوتا، جن جن آیات پر سجود تلاوت واجب ہیں ان کی بھی ادائیگی بالکل نہیں ہوتی، تو جس قرآن خوانی میں فرض واجب سجود کی ادائیگی نہ ہوتی ہو ایسی قرآن خوانی کا ثواب کامل طور پر ملتا ہے یا ناقص؟ اور جو لوگ اس کا ارتکاب کرتے ہیں وہ گنہگار شمار ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) رسم ورواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کئے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام بغیر میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز واقرباء ایصال ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں ہے (عینی شرح ہدایہ جلد اول ج ۳ ص ۳۰۲ قبیل باب الشہید)۔ البتہ جمع ہو کر زور سے پڑھنے کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے، بعض منع کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ اکٹھے ہو کر آواز سے پڑھنے میں دوسرے کا سنتے نہیں ہیں، حالانکہ سننا ضروری ہے، قرآن شریف میں ہے واذا قرئ القران فاستمعوا

---

(۱) واخرج ایضاً من جابر أنه علیه الصلاة والسلام قال من حج عن ابیه وامه فقد قضیٰ عنه، حجته وکان له فضل عشر حج شامی باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۶۰۹)

له' وانصتوا لعلکم ترحمون (ترجمہ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو، شاید کہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف)

اور ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ "نصاب الاحتساب" میں ہے کہ ومن قال من المشائخ ان ختم القران جهراً بالجماعة یسمی بالفارسیة "سپارہ خواندن آشکارا مکروہ یتمسک بماروی انه علیه السلام کان یکره رفع الصوت عند قرأة القران (ترجمہ) جن مشائخ نے مجمع میں با آواز بلند قرآن شریف پڑھنے کو جس کو سپارہ خوانی کہا جاتا ہے، مکروہ کہا ہے وہ دلیل پکڑتے ہیں اس روایت سے کہ آنحضرت ﷺ قرآن شریف زور سے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے (نصاب الاحتساب قلمی باب ۱۶ ص ۳۷)

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے تو صریح الفاظ میں مجمع میں آواز سے قرآن خوانی کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "قرآن شریف میں منازعت کے ساتھ سب اپنی اپنی آواز میں پڑھیں اور ایک دوسرے کی نہ سنیں ناجائز و حرام ہے۔" (فتاویٰ افریقیہ ص ۲۹۔ مصنف مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

تو بعض علمائے محققین چند شرائط کے ساتھ جائز مانتے ہیں، یہی قول زیادہ راجح اور صحیح ہے اس میں دونوں فریق کے دلائل و روایات کی تطبیق ہو جاتی ہے، اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الاان یشوش جهرهم بالذکر علی نائم او مصلی او قاری (ترجمہ) علمائے متقدمین اور علمائے متاخرین نے مسجدوں وغیرہ میں جمع ہو کر ذکر اللہ (تلاوت قرآن وغیرہ) مستحب ہونے پر بلا اعتراض کے اجماع کیا ہے، اس شرط سے کہ کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو زور سے پڑھنے کی وجہ سے تشویش نہ ہو (شرح حموی للأشباه والنظائر ص ۵۶۰) (شامی ج ۱ ص ۶۱۸ مطلب فی رفع الصوت بالذکر)

قرآن پڑھا جائے اس وقت خاموش ہو کر سننے کا وجوبی حکم نماز میں پڑھا جائے اس وقت ہے اور بیرون نماز جب کہ تبلیغ کی غرض سے پڑھا جائے اس وقت یہ حکم ہے، مگر یہاں تو ایصال ثواب کے لئے پڑھا جاتا ہے اور دوسرے بھی اس مقصد میں مشترک ہیں لہذا اس کے لئے خاموش رہ کر سننا ضروری نہیں ہے۔

حدیث میں زور سے پڑھنے کی ممانعت کے وجوہ دوسری ہیں، ریاء، ایذاء، حد سے زیادہ زور سے پڑھنا، وغیرہ معمولی طور پر زور سے پڑھنے میں حرج نہیں ہے، جبکہ کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو تشویش اور ایذا نہ ہو، یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم و رواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلہ عذاب کا سبب بن سکتی ہے، جب لوجہ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی مستحق ثواب نہیں بنتا تو میت کو کیا بخش دے گا؟ مجالس الابرار میں ہے کہ "دنیا داروں کی اتباع یا مطلب پورا کرنے لعن طعن کے ڈر سے یا رسم و رواج کی پابندی کی خاطر کوئی کام کیا جائے تو ریاء ہے اور عبادت میں ریا حرام ہے۔" (م ۱۹ ص ۱۴۱ عربی)

شامی میں رواجی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق "معراج الدرایہ" کے مصنف فقیہ علامہ قیام

الدین" (المتوفی ۷۴۹ھ) کا قول نقل کیا گیا ہے هذه الا فعال کلها للسمعة والریا فیحترز عنها لانهم لا یریدون بها وجه الله تعالیٰ (یعنی) یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام و نمود کے لئے ہوتے ہیں، لہذا ان سے بچنا چاہئے، کیونکہ ایسی رواجی کاموں میں للّٰہیت نہیں ہوتی (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ مطلب فی کراهیة الضیافة من اهل المیت)

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ...... قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے۔ اخلاص سے بھرا ہوا۔ شک وشبہ سے محفوظ۔ فرماتے ہیں:۔

"جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں۔ باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں چاہے تین بار قل ھو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا۔ یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا، خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا، تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ جاتا۔ یہ فرق خلوص اور عدم خلوص ہی کا تو ہے کیونکہ جو خلوص ایک صحابی کا ہو گا وہ غیر صحابی کا نہیں ہو سکتا۔ (انفاس عیسیٰ ج ا ص ۲۱۵)

باقی رہا سوال سجدۂ تلاوت کا تو اکیلا پڑھے یا کل گروہ تو کرنا لازمی ہے، اسی وقت ممکن نہ ہو تو یاد رکھ کر جلد از جلد ادا کرلے، لاپرواہی برتے گا تو گنہگار ہو گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا ایصال ثواب کا یہ طریقہ ٹھیک ہے فتاویٰ اوز جندی کے نام سے غلط پروپیگنڈہ اور اس کا جواب:

(سوال ۹۰) آب حیات (ماہنامہ گجراتی) احمد آباد شمارہ نمبر ۲۴ ص ۱۹ پر "زیارت" کے عنوان سے لکھا ہے کہ "ملا علی قاری" نے "فتاویٰ اوز جندی" میں روایت پیش کی ہے کہ حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات کے تیسرے روز ایک بدوی چند کھجوریں، جو کی روٹی اور اونٹنی کا دودھ لے کر حاضر خدمت ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے ادب سے اس نے وہ چیزیں رکھ دیں۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کی پہلی پانچ آیتیں (الم سے المفلحون تک) اور تین بار سورۂ اخلاص اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور فاتحہ نیز کھانے کا ثواب اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی روح کو بخش دیا اور پھر حضرت ابو ذر غفاریؓ سے فرمایا کہ یہ چیزیں تمام کو بانٹ دو اور انہوں نے وہ چیزیں بانٹ دیں (ملا علی قاریؒ) کیا مذکورہ روایت صحیح ہے؟؟؟

(الجواب) "فتاویٰ اوز جندی" نامی کوئی تصنیف یا تالیف حضرت ملا علی قاریؒ کی نہیں ہے۔ نیز مذکورہ کتاب کے حوالے سے جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ بے اصل، من گھڑت، موضوع اور بناوٹی ہے، افسوس! اہل بدعت سنت اور سنت رسول ﷺ واسوۂ صحابہؓ کے مخالفین دوسرے گمراہ فرقوں کے مانند اپنی پوزیشن مضبوط بنانے، اہل حق کو فتنہ میں ڈالنے اور عوام ناواقفین کے دل ودماغ میں منگھڑت اور رواجی فاتحہ کی اہمیت ٹھسا کر شکم پری کے لئے صادق ومصدوق ﷺ

کی ذات مقدس کی طرف غلط چیزوں کی نسبت کرنے اور غلط احادیث گھڑنے اور اس کا سہارا لینے جیسی ناپاک حرکات سے بھی شرماتے نہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً (بہت بھاری ہے وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ لوگ بالکل جھوٹ ہی بولتے ہیں) (کہف) وتحسبونہ ھیناً وھو عنداللہ عظیم (ترجمہ) تم اسے ہلکی اور معمولی بات سمجھ رہے ہو، حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بہت بھاری ہے (سورہ نور)

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ باب من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (ترجمہ) جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بات کی میری طرف نسبت کی (یعنی جھوٹی حدیث گھڑ کر کہا کہ یہ حدیث آپ ﷺ کی ہے) تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

آنحضرت ﷺ نے) پیشین گوئی فرمائی ہے یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباء کم ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونک (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰ باب النھی عن الروایۃ عن الضعفآء ولا حتیاط فی تحملھا) (ترجمہ) اخیر زمانے میں بے حد دھوکہ باز اور دروغ گو لوگ پیدا ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث (موضوع) لائیں گے، جو نہ تو تم نے اور نہ تمہارے آباواجداد نے سنی ہوں گی، ایسے لوگوں سے بہت بچ کر رہنا اور ان کو اپنے سے دور رکھنا، ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔

جو عبارت اس سوال میں حدیث کے نام سے لکھی گئی ہے اس کی عمر صرف سو سال ہے، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد گھڑی گئی ہے (جسے لوگ بغیر تحقیق کے شائع کرتے اور عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں یہ ان کی بڑی غلطی ہے) اس زمانہ میں دہلی کے مفتی اعظم علامہ صدرالدین خاں صاحبؒ وغیرہ علمائے محققین نے روایت مذکورہ کے موضوع ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ملا علی قاریؒ کی "فتاویٰ اوزجندی" نامی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ۱۳۳۸ھ میں کتاب مذکور اور روایت مذکورہ کا معاملہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً) کے علمائے کرام کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت عبداللہ مفتی حنفیؒ اور شیخ محمد عمر مفتی شوافع اور علامہ محمد ابراہیم مفتی مدینہ منورہ اور علامہ نور محمدؒ مفتی طائف وغیرہم نے متفقہ فتویٰ دیا کہ مذکورہ عبارت کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا سخت گناہ اور آپ پر بہتان عظیم ہے اور "اوزجندی" نامی کوئی کتاب حضرت ملا علی قاری کی نہیں ہے۔ خاتم المحققین علامہ عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلیؒ سے اس روایت اور کتاب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ کا جواب درج ذیل ہے۔

"نہ کتاب اوزجندی از تصانیف ملا علی قاری است نہ روایت مذکور صحیح ومعتبر است بلکہ موضوع است وباطل، براں اعتماد نہ شاید، در کتب حدیث نشانے از ہمچو روایت یافتہ نمی شود۔" (ترجمہ) نہ تو کتاب اوزجندی ملا علی قاریؒ کی تصانیف میں سے ہے نہ یہ روایت صحیح ومعتبر ہے بلکہ موضوع اور باطل ہے اس پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، کتب حدیث میں ایسی روایت کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ (مجموعہ فتاویٰ (قدیم) ج ۲ ص ۱۷۵۔۱۷۴) اخیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

(سوال) پختن طعام در ایام ربیع الاول برائے خدا ورسانیدن ثواب آں بروح پر فتوح حضرت سرور کائنات ﷺ و یا حضرت امام حسین علیہ السلام در ایام محرم ودیگر آل اطہار سید مختار صحیح است یانہ؟

(الجواب) انسان درکار خود مختار است می رسد کہ ثواب عمل خود برائے بزرگان با ایمان گذرانند۔ لیکن برائے ایں کار وقت وروز تعیین نمودن وماہے مقرر کردن بدعت است، آرے اگر وقتے بہ عمل آرند کہ دراں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندۂ مومن دراں ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دارد مضائقہ نیست زیرا کہ پیغمبر خدا ﷺ بر آں ترغیب فرمودہ اند بقول حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ ہر چیز کہ بر آں ترغیب صاحب شرع وتعیین وقت نہ باشد آں فعل عبث است و مخالف سنت سید الانام ﷺ ومخالفت سنت حرام است پس ہرگز روا نباشد واگر دلش خواہد مخفی خیرات کند در ہر روز یکہ باشد تا نمود نشود" (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۹۔۹۸)

(ترجمہ۔سوال) ربیع الاول کے ایام میں کھانا پکانا اور اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کی روح پر نور کو پہنچانا یا ایام محرم میں حضرت امام حسینؓ اور آپ ﷺ کی دوسری آل اطہار کو ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) انسان اپنے عمل میں مختار ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو اپنے عمل کا ثواب صاحب ایمان بزرگوں کی ارواح مبارک کو پہنچائے، مگر اس کا (ایصال ثواب) کے لئے کوئی وقت اور دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے۔ البتہ اگر کسی ایسے وقت میں انجام دے کہ جس میں عمل کا ثواب زیادہ ملے مثلاً رمضان کا مبارک مہینہ کہ اس میں بندۂ مومن کے ایک عمل کا ثواب ستر درجہ زیادہ ملتا ہے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق ترغیب فرمائی ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے اور ہر چیز کہ جس پر صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب یا وقت مقرر نہ ہو، بیکار فعل ہے اور مخالف سنت ہے اور سنت کی مخالفت کرنا حرام ہے اس لئے ہرگز جائز نہ ہوگا اور اگر اس کا دل چاہے تو انفرادی طور پر پوشیدہ خیر خیرات کرے جس دن بھی ہو تا کہ ریا نہ ہونے پائے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۹۔۹۸)

الغرض تیسرا، دسواں، بارھواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی یہ اسلامی تقریبات نہیں ہیں غیر اقوام کی ہمسائیگی اور تقلید کا نتیجہ ہے۔ فقط اللہ اعلم بالصواب۔

دعا لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا:

(سوال ۹۱) احمد آباد سے ماہنامہ "آب حیات" (گجراتی) شائع ہوتا ہے اس کے موجودہ مہینے کے شمارہ میں ایصال ثواب کے متعلق ایک مضمون ادارے کی طرف سے لکھا گیا ہے اور اس میں میت کے لئے ایک خاص دعا کے متعلق حسب ذیل عبارت لکھی ہے:۔

"کبیری میں لکھا ہے کہ مرنے والے مرد یا عورت کو کفن پہنانے کے وقت ایک پرچہ پر ذیل کی دعا لکھ کر اس کے سینہ پر رکھ کر دفن کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی بے حساب رحم وکرم کی بارش کرتے ہیں۔ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شی قدیر، اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک واشھدان محمداً عبدہ ورسولہ، اقم الصلوۃ طرفی النھار وزلفا من

الليل ان الحسنات يذهبن السيئات ذلك ذكرى للذاكرين افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه فاصبران الله لا يضيع اجر المحسنين اقم الصلوة لدلوك الشمس الى غسق الليل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهوداً فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم.

اتنا لکھ کر اخیر میں مع بسم اللہ کے پوری سورۂ الم نشرح لکھ کر وہ پرچہ میت کے سینے پر رکھ دیا جائے۔ (کبیری شرح منیہ ص ۶۵۹) (مفتاح الجنان باب ۲۰ فصل ۶)

میت کے لئے یہ طریقہ انجام دینا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیں؟ جواب پیغام میں شائع کریں۔

(الجواب) کبیری شرح منیہ میں نہ یہ آیتیں اور دعائیں ہیں نہ اس کی تشریح ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر رکھی جائیں صرف یہ ہے کہ "اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو اس کی مغفرت کی امید ہے اس کے ثبوت کے لئے کوئی حدیث پیش نہیں کی بلکہ کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ "میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا" مرنے کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا تو ان بزرگ نے فرمایا کہ "عذاب کے فرشتوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے مامون ہے" (کبیری شرح منیہ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر روشنائی کی یونہی انگلی کے اشارے سے کفن وغیرہ پر عہد نامہ وغیرہ دعائیں لکھی جائیں تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، "فتاویٰ شامی" میں ہے کہ بعض فقہاء نے ہدایت کی ہے کہ جب میت کو غسل دیا جا چکے تو کفن میں لپیٹنے سے پہلے روشنائی کے بغیر محض شہادت کی انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ اور سینہ پر کلمہ طیبہ لکھ دیا جائے ان مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحيم وعلى الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلك بعد الغسل قبل التكفين (شامی ج ۱ ص ۸۴۸ مطلب فيما يكتب على كفن الميت)

اور "درھم الکیس" میں ہے کہ "بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد بانگشت" (میت کی پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگلی سے لکھ دیں)

اور اگر کبیری کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے کہ روشنائی وغیرہ سے لکھا جائے تو یہ قول معتبر اور صحیح نہیں ہے، علامہ شامی وغیرہ محققین فقہاء اس کے سخت مخالف ہیں۔

شامی میں ہے وقد افتى ابن الصلاح بانه لا يجوز ان يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت ...... وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح انه تكره كتابة القران واسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذاك الا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه اهانة فالمنع هنا بالأولىٰ مالم يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت (ج ۱ ص ۸۴۷ مطلب فيما يكتب على كفن الميت)

(ترجمہ) امام ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ سورۂ یٰس اور سورۂ کہف وغیرہ متبرک کلمات کفن پر لکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جان بوجھ کر واجب الاحترام کلمات کفن پر لکھنا مردہ کے خون وغیرہ میں آلودہ کرنا ہے...... اور پہلے ہم فتح القدیر کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی دراہم، محراب، دیواروں اور فرش وغیرہ پر لکھنا ممنوع ہے اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کلمات وآیات کا احترام ضروری ہے اور یہاں بے ادبی کا خطرہ ہے جو حرام ہے۔ جب دیوار اور محراب پر لکھنا بھی ممنوع ہے تو (کفن یا جسم میت پر لکھنا) تو ضرور ممنوع ہوگا یہاں خطرہ اور زیادہ ہے اور جب تک کسی مجتہد کا فتویٰ نہ ہو یا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اس کو ممنوع کہا جائے گا۔ (شامی ج ۱ ص ۸۴۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قبر میں شجرہ رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند، ایں طریق را فقہا منع می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند وموجب سوء ادب باسمائے بزرگان می شود" (ترجمہ) قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کا معمول ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے۔ اس طریقہ سے فقہاء نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کے ناموں کی بے حرمتی ہوگی (فیض عام)

اور "فوائد الفوائد" میں ہے "قرآن ودعا بر تربتہا نمی باید نوشت وبر جامہ کفن نیز"

(ترجمہ) قرآن اور دعا قبروں پر نہ لکھنی چاہئے اور کفن پر بھی۔

اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ "فرقۂ رضاخانی" کی مشہور معروف کتاب "بہار شریعت" میں مذکور بیان کے اخیر میں فیصلہ کے طور پر ممانعت کے حکم کی تائید کی ہے کہ "مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے کلمہ کی انگلی سے لکھے۔ روشنائی سے نہ لکھے۔" بہار شریعت ج ۴ ص ۱۶۴)

الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعا، میت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا، تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے، ہاں! حصول برکت کے لئے عہد نامہ وغیرہ کوئی دعا، کفن، بسم اللہ پیشانی پر اور کلمۂ طیبہ سینہ پر بغیر روشنائی کے محض کلمہ کی انگلی کے اشارے سے اس طرح لکھے کہ حروف کے نشان نہ پڑیں تو جائز ہے، ممنوع نہیں ہے، مگر اس کو ضروری اور مسنون نہ سمجھ لیا جائے نیز یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس سے یقینی مغفرت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مغفرت کے طریقے سماعی ہیں قیاسی نہیں۔ لہٰذا احادیث صحیح وغیرہ مضبوط دلیل کے بغیر محض قیاس وخواب کے اعتماد پر عقیدہ یا شرعی حکم نہیں بن سکتا، ہاں! نزول رحمت اور حصول مغفرت کی امید رکھنا اچھا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حجاج کے مسافر خانہ میں ایصال ثواب کے لئے چندہ دینا:

(سوال ۹۲) بیت الحجاج (یعنی حجاج کرام کا مسافر خانہ) جو بمبئی میں تعمیر ہونے والا ہے اس میں مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے چندہ دیں تو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیت الحجاج کا تعاون کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، کسی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے بھی اس میں رقم

دے سکتے ہیں، مرحوم کو ثواب پہنچے گا، لیکن زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینا درست نہیں، البتہ صدقات نافلہ دے سکتے ہیں، لا یصرف الی بناء نحو مسجد (قوله نحو مسجد) کبناء القناطیر و السقایات و اصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد و کل مالا تملیک فیه .زیلعی (شامی ج ۲ ص ۸۵ کتاب الزکوۃ باب المصرف)فقط واللہ اعلم بالصواب.

سوگ کی مدت، ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی:

(سوال ۹۳) ورثائے میت کے لئے رنج وغم کی کتنی مدت ہے؟ اس عرصہ میں کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی کا معمول (کسی بھی قسم کی رسم سے بچتے ہوئے اور ضروری یا مسنون سمجھے بغیر) کرنے میں کوئی قباحت یا بدعت کا لزوم تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ورثائے میت کی تین روز تک تعزیت جائز ہے اور عورت اپنے کسی عزیز وقریب کی موت پر سوگ کرسکتی ہے یعنی زینت وغیرہ ترک کردے اور شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس روز تک سوگ کرسکتی ہے، شامی میں ہے کہ:

کسی رشتہ دار کی موت پر تین روز تک سوگ منانا مباح ہے اس کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے، رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کی وفات پر چار ماہ دس روز تک سوگ منائے۔

ویباح الحداد علی قرابة ثلاثة ایام فقط قال الشامی ای للحدیث الصحیح لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تحد فوق ثلاث الا علی زوجها فانها تحد اربعة اشهر وعشرا (شامی ج ۲ ص ۸۵۱ فصل فی الحداد)

عالمگیری میں ہے، مصیبت کے وقت تین روز تک گھر میں بیٹھے رہنا جائز ہے اور اسے ترک کرنا احسن ہے لیکن نوحہ کرنا ناجائز ہے۔

وفی خزانة الفتاوی والجلوس للمصیبة ثلاثة ایام رخصة وترکه احسن کذافی معراج الدرایة واما النوح العالی فلایجوز (ج ۱ ص ۱۶۷ جنائز ومما یتصل بذلک مسائل التعزیة)

اہل خانہ اور احباب و متعلقین اعزہ واقارب وغیرہ جمع ہوکر مسنون سمجھے بغیر اور بلا پابندی رسوم کلمہ طیبہ کا ختم اور قرآن خوانی بغرض ایصال ثواب کریں تو اس کی گنجائش ہے مگر قبرستان وغیرہ میں اس اجتماع کے لئے اعلان قابل ترک ہے، اور اگر رسوم کی پابندی مقصود ہے بایں طور کہ دعوت دے کر لوگوں کو بلایا جاوے اور ایسا نہ کرنے والے پر زبان درازی کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جاوے تو یہ جائز نہیں ہے۔

شامی اور فتاوی بزازیہ میں ہے کہ میت کے لئے پہلے روز یا تیسرے روز یا ہفتہ کے بعد کھانا پکانا مکروہ ہے اور موسم (غمی کے مخصوص ایام) میں کھانا اٹھا کر قبروں پر لے جانا بھی مکروہ ہے اور برائے ایصال ثواب قرآن خوانی یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کے لئے صالحین اور قراء کا اجتماع بھی مکروہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن خوانی کرنا اور اس وقت کھانے کا اہتمام مکروہ ہے اور اسی فتاوی بزازیہ کی کتاب

الاستحسان میں ہے کہ صرف غرباء اور فقراء کے لئے کھانا پکانا بہتر ہے، ''معراج الدرایہ'' میں اس پر تفصیلی بحث ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ سب امور شہرت و ناموری اور ریاکاری کے لئے ہیں پس ان سے اجتناب ہی چاہئے کیوں کہ خداتعالیٰ کی رضامندی مقصود نہیں ہوتی۔

وفی البزازیه ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام اوالاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکره وفیها من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسناً اه واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لا یرون بها وجه اللہ اه (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت)(فتاوی بزازیه علی هامش الهندیة ۸۱/۴)(طحطاوی ص ۳۳۹)(بریقة محمودیة، ۳۲۲/۴)(مائة مسائل ص ۳۵ وص ۳۶)(الجنة لاهل السنة ص ۱۷۳)

مجموعہ فتاوی میں مولانا عبدالحی لکھنوی قدس سرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں۔

(سوال) روز سوم یا پنجم مردم بطلب یا بلاطلب جمع می شوند و چند ختم کلام مجید می خوانند بعضی آہستہ بعضی بآواز بلند و در پیالہ خوشبو گل می اندازند و دیگر خصوصیات و رسوم بعمل می آرند چہ حکم دارد؟

(الجواب) مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ﷺ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب آنرا مکروہ نوشتہ رسم وراہ تخصیص بگذارند و ہر روز یکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند۔

یعنی تیسرے روز یا دیگر ایام کی تخصیص و تعیین اور اسے ضروری اور لابدی سمجھنے کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے، صاحب نصاب الاحتساب نے اسے مکروہ کہا ہے، رسم کے طور پر مخصوص ایام کی تعیین کو ترک کردے اور دوسرے کسی دن میں ایصال ثواب کرے (مجموعۂ فتاوی ۶۸/۳)

خلاصہ یہ ہے کہ رسوم کی پابندی جیسے ناموری و ریاکاری، برادری کا دباؤ مخصوص تاریخ یا دن کی تعیین اور لوگوں کو دعوت دے کر اجتماع کا اہتمام والتزام نہ ہو تو میت کے اعزہ واقارب اور احباب و متعلقین بغرض ایصال ثواب قرآن خوانی کریں تو گنجائش ہے منع نہیں (عینی شرح ہدایہ ۳۰۶/۳) قبیل باب الشہید) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رشتہ دار کے انتقال پر قرآن خوانی اور کاروبار بند رکھنا:

(سوال ۹۴) ہمارے یہاں قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ کسی کے انتقال پر اس کے قریبی اعزہ تین روز تک کاروبار بند رکھتے ہیں اور اس عرصہ میں برائے ایصال ثواب کلمہ طیبہ کا ختم اور قرآن خوانی کرتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) دنوں اور تاریخ کی تعیین اور رسوم کی پابندی کے بغیر قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کرے تو گنجائش ہے، کسی کے انتقال پر اس کے قریبی اعزہ کا تین دن تک کاروبار بند رکھنا تو جائز ہے لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور بند

نہ رکھنے والے پر طعن وتشنیع نہ کی جاوے۔ حوالہ بالا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تدفین سے قبل قرآن وغیرہ پڑھ کر مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۹۵) ایک شخص کے انتقال کی خبر آئی ان کے اعزہ وغیرہ مرحوم کے عزیز کے یہاں تعزیت کے لئے حاضر ہوئے اس موقعہ پر حاضرین باتوں میں مشغول تھے، ایک شخص نے کہا بہتر یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھ کر مرحوم کو ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کریں، چنانچہ اسی طرح کیا گیا ایک مولوی صاحب تشریف لائے انہوں نے کہا کہ تدفین سے قبل قرآن پڑھ کر ایصال ثواب نہیں کیا جاسکتا، تدفین کے بعد قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ تدفین سے قبل پڑھ کر مرحوم کے لئے ایصال ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کو غسل دینے سے قبل اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ اور منع ہے البتہ تسبیح پڑھی جاسکتی ہے، نور الایضاح میں ہے ویکرہ قراء ۃ القرآن عندہ حتی یغسل ۔یعنی جب تک غسل نہ دیا جائے اس کے پاس تلاوت کلام پاک مکروہ ہے۔ (نور الایضاح ص ۱۳۳ باب احکام الجنائز) (درمختار مع شامی ص ۸۰۰ ج ۱ مطلب الحاصل فی القراءۃ عند المیت)

کیونکہ میت ضروری حاجت مثلاً پیشاب پاخانہ کی ناپاکی سے شاید ہی بچ سکتا ہے اس لئے غسل سے قبل اس کے پاس قرآن کریم نہ پڑھے۔ دوسرے کمرہ میں اور دور بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے، شامی میں ہے۔ وذکر ان محل الکراھۃ اذا کان قریباً منہ اما اذا بعد عنہ بالقراء ۃ فلا کراھۃ اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۰ باب احکام الجنائز (فتاوی رحیمیہ ص ۹۱، ص ۹۲ ج ۷، جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۶۳ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ مرحوم کے اعزاء وغیرہ دوسرے مقام پر تدفین سے قبل مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں اور یہ اجتماع تعزیت کی نیت سے اتفاقی ہوگیا ہے تداعی کے ساتھ قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو جمع نہیں کیا گیا ہے تو بلاتکلف قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں، مولوی صاحب کو غالباً اشتباہ ہوگیا ہے، انہوں نے جو بات کہی ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ میت موجود ہو اور اسے غسل نہ دیا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر جہراً قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اس سے دور ہو کر یا دوسرے کمرہ میں تلاوت کو مکروہ نہیں فرمایا، لہٰذا جب غسل اور تدفین سے پہلے دوسرے کمرہ میں تلاوت کر سکتے ہیں تو دوسرے مقام پر کیوں نہیں کر سکتے ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب متفرقات جنائز

میت سے سوال کس زبان میں ہوگا

(سوال ۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبر میں میت سے سوال کس زبان میں ہوتا ہے؟ عربی میں یا میت کی اپنی زبان میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعون اللہ! بعض کا قول ہے کہ سریانی زبان میں سوال ہوتا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ سوال عربی میں ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر ایک سے اس کی زبان میں خطاب ہو! چنانچہ کتاب "شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور " میں ہے۔وقع فی فتاوی شیخنا شیخ الا سلام علم الدین البلقینی ان المیت یجیب السوال فی القبر بالسریانیة ولم اقف لذلک علی مستند وسئل الحافظ ابن حجر عن ذلک فقال ظاهر الحدیث انه با لعربی قال یحتمل مع ذلک ان یکون خطاب کل احد بلسانه (ص ۵۷)فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے

(سوال ۹۷) بعض جگہوں پر نماز جنازہ کے بعد متصلاً سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دعا مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے بعض علماء مذکورہ طریقہ سے دعا مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے؟

(الجواب) جنازہ کی نماز میت کے لئے دعاء ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لئے سلامتی ایمان کی دعاء ہوتی ہے اس کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ باقی یہ صورت یعنی نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کے دعا مانگنے کا التزام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیه امر نا فهو رد (یعنی) جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (ہمارا دستور نہ ہو) تو وہ مردود ہے" (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷ باب نقض احکام الباطلة ورد محدثات الامور) اور حضرت حذیفہ کا فرمان ہے کہ کل عبادۃ لم یعبدها اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلا تعبدوها (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) (یعنی) ہر ایسی عبادت جس کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ "جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی (زیادتی کی) اور اس کو اچھا سمجھا تو اس نے محمد ﷺ کو خدائی احکام کی تبلیغ میں خیانت اور کمی کرنے والا ٹھیرایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو جو کام حضور اکرم ﷺ کے مبارک

زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف ناواقفیت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہاء کرام نماز جنازہ کے بعد کی دعاء کو خلاف سنت اور ممنوع و مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتوے دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامدؒ معاصر ابو حفص الکبیر التوفی ۲۶۴ھ (کذافی فوائد البہیہ ص ۵۲) فرماتے ہیں ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (برجندی ج ۱ ص ۱۸۰) یعنی بے شک نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) اور پانچویں صدی ہجری کے فقیہ شمس الائمہ حلوائیؒ التوفی ۴۵۴ھ اور۔

(۳) بخاری کے مفتی، قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدیؒ التوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ (قنیۃ ج ۱ ص ۵۶) یعنی نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعاء کے لئے نہ کھڑا ہو، یعنی دعاء کے لئے نہ ٹھہرے۔

(۴) اور چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسیؒ التوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدعاء فی قرأۃ القران لأجل المیت بعد صلوۃ الجنازہ وقبلھا. (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعاء کے لئے نہ کھڑا رہے۔

(۵) اور مذکورہ صدی کے دوسرے فقیہ علامہ سراج الدین اوشیؒ (صاحب فتاویٰ سراجیہ سال تصنیف ۵۶۹ھ) فرماتے ہیں:۔ اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم داعیاً لہ (فتاویٰ سراجیہ مع قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۱) (ترجمہ) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعاء کرتے ہوئے کھڑا نہ رہے۔

(۶) اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی التوفی ۶۵۸ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ قنیہ ص ۵۶)

(۷) اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاجؒ التوفی ۷۳۷ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابل ترک ہے (کتاب المدخل ج ۳ ص ۲۲)

(۸) نویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کردریؒ التوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازہ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاء (فتاویٰ بزازیہ مع ھندیہ ج ۱ ص ۸۰ ۔جنائز نوع آخر ذھب الی المصلی قبل الجنازۃ وینتظر ھا) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصہ دعا ہی ہے۔

(۹) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ علی برجندیؒ (صاحب برجندی سال تصنیف ۹۳۲ھ) بھی منوع ہونے کے قائل ہیں (فتاویٰ برجندی ج ۱ ص ۱۸۰)

(۱۰) نیز دسویں صدی کے دوسرے فقیہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانیؒ التوفی ۹۶۲ھ فرماتے ہیں کہ ولا

یقوم داعیاً لہ (فتاویٰ جامع الرموز ج ۱ ص ۱۷۴) (دعا کرنے کے لئے نہ ٹھہرے)

(۱۱) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ التوفی ۹۶۹ھ فرماتے ہیں۔ لا یدعو بعد التسلیم (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز تحت قولہ وھی اربع تکبیرات) یعنی سلام کے بعد دعا نہ کرے۔

(۱۲) دسویں صدی کے چوتھی فقیہ مفتی نصیر الدینؒ (صاحب فتاویٰ برہنہ سال تصنیف ۹۹۷) فرماتے ہیں "وبعدہ ایستادہ نماند برائے دعا" (فتاویٰ برھنہ ص ۳۶)

(۱۳) اور گیارھویں صدی ہجری کے مجدد علامہ علی قاریؒ التوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لا نہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۱۹ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیھا) ترجمہ:۔ نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ ہوتا ہے۔

(۱۴) اور مجموعہ خانی میں ہے "دعا نخواند وفتویٰ بریں قول است" (قلمی ص ۳۴۹) یعنی بعد نماز جنازہ دعا نہ کرے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(۱۵) اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہؒ التوفی ۱۲۹۴ھ فرماتے ہیں "خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع می کنند" (فتاویٰ سعدیہ ص ۱۳۰) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر فقہاء امر مسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۶) اور فقیہ مولانا قطب الدین (صاحب مظاہر حق سال تصنیف ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں۔ اور دعا نہ کرے میت کے لئے بعد نماز جنازے کے اس لئے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ج ۲ ص ۵۷ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیھا)

(۱۷) اور فقیہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ التوفی ۱۳۰۴ھ بھی مکروہ ہونے کے قائل ہیں دیکھئے (نفع المفتی ص ۱۴۳ سال تصنیف ۱۲۸۷ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مذکورہ رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتمد طریقہ سے ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے اتنی دیر تک قبر کے پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں یہ مستحب ہے اس سے میت کو انس اور فائدہ ہوتا ہے، اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دعائے مغفرت کا قیمتی وقت دنیاوی باتوں میں صرف کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دعا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں یا خلاف سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، حق تعالیٰ تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین فقط. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

جنازہ اٹھانے سے پہلے فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۹۸) ہمارے یہاں ایسا دستور ہے کہ میت کے گھر پر لوگ جمع ہوتے ہیں، جنازہ اٹھانے سے پہلے امام صاحب کھڑے ہوکر "الفاتحہ" کہہ کر جمع شدہ لوگوں سے فاتحہ پڑھواتے ہیں اور پھر با آواز بلند دعا مانگتے ہیں۔ کیا یہ دستور مطابق سنت ہے۔

(الجواب) ہر ایک کو ذاتی طور پر دعا کرنے کی اجازت ہے، سب کے جمع ہو کر دعا مانگنے کا دستور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے۔ لہذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ ویدعو للمیت ویرفع صوته (ج۵ ص ۳۱۹ کتاب الکراهیة الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح وقراءۃ القران والدعاء الخ) (ترجمہ) نماز جنازہ کے لئے لوگ جمع ہوں اس وقت ایک آدمی (فاتحہ خواں) کھڑا ہو کر میت کے لئے با آواز بلند دعا کرے یہ مکروہ ہے" فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو منتقل کرنا اور اس کے مصارف:

(سوال ۹۹) ایک شخص کا باہر انتقال ہو گیا اپنے پیچھے اہلیہ ایک بالغ لڑکا لڑکی اور دوسرے نابالغ لڑکے لڑکی چھوڑے ہیں۔ مرحوم کی تکفین وتدفین باہر ہی سہولت سے ہوسکتی ہے مگر دوسرے اعزہ اور ورثاء کی خواہش یہ رہی کہ مرحوم کو یہاں دفن کیا جائے اس لئے میت کے بھائی مرحوم کو بذریعہ بس یہاں لائے۔ کرایہ کے ڈیڑھ سو روپے ادا کئے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کو اخراجات تکفین وتدفین میں شمار کر کے نابالغ کے مال میں سے لیا جاسکتا ہے۔ یا پھر لانے والے بھائیوں کو ادا کرنا چاہئے۔

(الجواب) میت کو دو میل سے زیادہ بلا ضرورت منتقل کرنے کو فقہاء کرام نے ممنوع اور مکروہ لکھا ہے۔ نور الایضاح وغیرہ میں ہے۔ فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین لا باس به وکره نقله لا کثر منه (ص ۱۴۱ فصل فی حملها ودفنها) لہذا دور دراز سے میت لانے کے مصارف دفن کے اخراجات میں سے محسوب نہ ہوں گے اور ترکہ سے نہیں لئے جائیں گے اگر ورثاء بالغین کی رضامندی سے کام ہوا ہو یا اب راضی ہوں تو ان کے حصہ سے اخراجات ادا کئے جائیں۔ چھوٹے ورثاء کے حصہ سے نہیں لئے جاسکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر اذان پڑھنا:

(سوال ۱۰۰) تدفین کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟ بدعتی علماء کے فتویٰ سے ہمارے ہاں کے بدعتی حضرات نے یہ نیا رواج جاری کیا ہے امید ہے کہ آپ بتفصیل جواب دیں گے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اذان سے میت شیطانی شرارت سے محفوظ رہتی ہے۔

(الجواب) حضور اقدس ﷺ نے میت کی مغفرت اور عذاب قبر اور شیطانی شرارت سے حفاظت کے لئے نماز جنازہ اور میت کو قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ پڑھنے کی اور مٹی ڈالتے وقت تین مٹھی مٹی ڈالنے کی اور

8

پہلی بار منها خلقنكم دوسری بار وفيها نعيدكم تیسری بار ومنها نخرجكم تارة اخرى پڑھنے کی ہمیں ہدایت فرمائی ہے اور دفنانے کے بعد سرہانے پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھ کر دیر تک قرآن شریف وغیرہ پڑھنے اور بارگاہ خداوندی میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ میت کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے (مشکوٰۃ ص ۱۴۹ باب الدفن) کتاب الاذکار امام نووی ص ۱۱۱) اگر اس وقت اذان کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت ﷺ ضرور حکم فرماتے اور جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور عمل پیرا ہوتے۔ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان ذی النورینؓ علی مرتضیٰؓ (رضی اللہ عنہم) کے نورانی دور میں ہزار ہا صحابہ وتابعین وفات پاگئے مگر کسی کی قبر پر اذان نہیں دی گئی، صحابہ کرامؓ کے بعد بزرگان تابعین وتبع تابعین ائمہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے بعد بزرگان امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ وغیرہ کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا مسنون طریقہ یہ عمل کرنے میں ہماری نجات ہے اور اس کی خلاف ورزی گمراہی کا باعث ہے۔ آنحضرت ﷺ نے امت کے تہتر فرقے بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا "من هي يا رسول الله" آپ نے ارشاد فرمایا ما انا عليه واصحابي. جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب عمل پیرا ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة) دیکھئے آپ ﷺ نے اصلاح امت اور اس کی ہدایت کے لئے راہ عمل متعین فرمادی کہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے پر نجات موقوف ہے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نہایت عجیب وغریب اور بہت ہی موثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے جن سے حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل لرز اٹھے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ارشادات تو ایسے ہیں جیسے رخصت کرتے وقت کوئی ضروری نصیحتیں کیا کرتا ہے، ہمیں کچھ اور نصیحتیں بھی فرمادیجئے۔ آپ نے کچھ اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں ان میں اہم ترین نصیحت یہ تھیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو ایسی حالت میں تم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو جو میرا اور میرے بعد ان خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم) اس طریقہ کو مضبوطی سے سنبھال لو اور دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑ لو، اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں ان سے پوری طرح پرہیز کرو کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" (مشکوٰۃ شریف) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے اتبعوا اثرنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم. ترجمہ:۔ ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع کافی ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۱۹۱) (کنز العمال ج ۱ ص ۵۶) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ كل عبادة لم يتعبد ها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها. ترجمہ:۔ ہر ایسی عبادت جس کو صحابۂ کرامؓ نے نہ کیا ہو تم بھی نہ کرو (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) حدیث میں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد اکٹھے بیٹھتے ہیں ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو حاضرین اسی طرح پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کا یہ طریقہ دیکھا کھڑے ہو کر کہنے لگے قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک تم سخت تاریک بدعت

میں مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تمہارا علم صحابہ کرام کے علم سے بڑھا ہوا ہے (کہ تم وہ کررہے ہو جس کی صحابہء کرام کو خبر بھی نہیں تھی) پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو کار خیر سمجھا تو اس نے آنحضرت ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں خائن اور کمی کرنے والا ٹھہرایا چونکہ ارشاد خداوندی ہے الیوم اکملت لکم دینکم "آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا" لہذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہوسکتا (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸) اسی لئے نماز عید اور خطبہ کے وقت اذان اور جماعت کے وقت اقامت نہیں پڑھی جاتی کہ آپ کے مبارک دور میں دین میں نہیں تھی اسی طرح قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعاً بدعت ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۲ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶) (۱)

علامہ شامی نے اذان علی القبر کو خلاف سنت اور بدعت فرمایا ہے لا یسن الاذان عند ادخال المیت اور تحریر فرماتے ہیں کہ قد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ. ترجمہ۔ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے (شامی ج ۱ ص ۸۴۷ مطلب فی دفن المیت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال ۲۹۳) بعض جگہوں پر میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے اور اسے سنت اور کار خیر سمجھا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) میت کی تدفین کے بعد دعائے مغفرت کرنا اور قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر بخشنا حدیث سے ثابت ہے مگر قبر پر اذان دینا ثابت نہیں ہے۔

اذان جہاں ثابت ہو وہیں دی جاسکتی ہے۔ دیکھئے نماز جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہے، خطبہ کے وقت اذان دی جاتی ہے، جماعت کے وقت اقامت ہوتی ہے مگر نماز عید اور اس کے خطبہ کے لئے نہ تو اذان دی جاتی ہے اور نہ اقامت کہی جاتی ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اسی طرح قبر پر بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔ حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے کہ ہر وہ عبادت جس کو حضور ﷺ کے صحابہ نے نہ کیا ہو تم بھی مت کرنا (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اہل خانہ سے تدفین کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۱) میت کی تدفین کے بعد مرحوم کے اقارب کو سب لوگ قطار میں کھڑے ہو کر مصافحہ کرکے وداع کرتے ہیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) مرحوم کے اہل خانہ کی تعزیت زبانی اور تحریری مسنون ہے۔ دفن سے پہلے اور دفن کے بعد بھی۔ (شامی ج ۱ ص ۸۴۳ قبیل مطلب فی زیارۃ القبور) جب موقع ہو تعزیت کی جاسکتی ہے۔ مگر اس کی حد تین دن ہے تین دن کے بعد مکروہ ہے۔ ہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بعد میں بھی تعزیت کی گنجائش ہے۔ تعزیت کا

(۱) ویکرہ النوم عند القبر وقضاء الحاجۃ بل اولیٰ وکل مالم یعهد من السنۃ باب الجنائز تتمہ)

مطلب یہ ہے کہ اہل میت کو تسلی دے دی جائے۔ صبر کی تلقین کی جائے صبر کا ثواب بتایا جائے اجر عظیم کی توقع دلائی جائے میت کے لئے دعا کی جائے مثلاً یہ کہا جائے اعظم اللہ اجرک واحسن جزائک وغفر لمیتک. اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم اور جزائے خیر عنایت فرمائے اور آپ کے میت کی مغفرت فرمائے۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بچہ کا انتقال ہوا تو آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ میں تعزیت فرمائی تھی (للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب. بخاری شریف ص ۱۷۱ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ الخ) جو لے لیا وہ اللہ کا تھا جو عطا فرمایا تھا وہ بھی اللہ کا تھا اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر ایک کی میعاد مقرر ہے پس صبر کرو اور ثواب کی نیت رکھو۔

اہل میت کے مکان پر تعزیت کے لئے جمع ہونا اور رخصت کے وقت مصافحہ کو ضروری قرار دینا سنت کے مطابق نہیں۔ مراقی الفلاح وغیرہ فقہ کی معتبر کتابوں میں ہے ویکرہ الاجتماع عند صاحب المیت حتی یاتی الیہ من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغلوا بامورهم وصاحب المیت بامرہ. ترجمہ! اہل میت کے پاس سب جمع ہوتے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے سب ان کی تعزیت کرتے ہیں یہ رسم مکروہ ہے بلکہ جب دفن کرکے واپس ہوں تو منتشر ہوجائیں اور اپنے کام میں مشغول ہوجائیں۔ صاحب میت بھی اپنے کام میں لگ جائے (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ حوالہ بالا مراقی الفلاح ص ۱۲۰ فصل فی حملها ودفنها تتمہ)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دفنانے کے بعد میت کے یہاں جمع ہو کر فاتحہ خوانی مکروہ اور بے اصل ہے۔ تعزیت اور مصافحہ لازم اور ملزوم نہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو سلام کرے اور کچھ دنوں کے بعد ملاقات ہو تو مصافحہ کرے اس قاعدہ کے مطابق اہل میت سے مصافحہ کرسکتے ہیں مگر اس مصافحہ کو تعزیتی مصافحہ نہ سمجھا جائے۔ "حصن حصین" میں ہے۔ فاذا عزی احداً یسلم ویقول ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب (ص ۱۰۸) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعزیت کے وقت مصافحہ ضروری نہیں ملاقات کے وقت صرف سلام کرے یا مصافحہ بھی کرے اور اگر مدت دراز کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو معانقہ بھی کرلے اس میں حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسافر کے کفن دفن کے لئے چندہ کیا گیا اس کی بقیہ رقم کا کیا کیا جائے:

(سوال ۱۰۲) گاؤں میں کوئی مسافر آکر وفات پا گیا اس کی تجہیز و تکفین کے لئے چندہ کیا گیا، اس میں سے کچھ رقم بچ رہی تو اس کا استعمال کیسے کیا جائے؟

(الجواب) اگر یہ معلوم ہو کہ بقیہ رقم فلاں شخص نے دی ہے تو وہ رقم اسے سپرد کردی جائے اور اگر معلوم نہیں ہے کہ یہ بقیہ رقم کس نے دی ہے تو کسی دوسرے غریب کی تجہیز و تکفین میں استعمال کی جائے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ رقم کسی محتاج غریب کو صدقہ میں دے دی جائے۔ رجل مات فی مسجد قوم فقام احدهم وجمع الدراهم ففضل من ذلک شئی ان عرف صاحب الفضل ردہ علیه وان لم یعرف کفن به محتاجا آخر وان لم یقدر علی صرفه الی الکفن یتصدق به علی الفقراء کذا فی فتاویٰ قاضی خان (عالمگیری ج ۱

ص ۱۶۱ الفصل الثالث فی التکفین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کسی کی وفات پر مجلس میں تین چار منٹ سکوت اختیار کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۳) مسلمانوں میں کسی لیڈر یا بڑے آدمی کی جب وفات پر انگریزوں کی طرح دو منٹ گردن جھکا کر ساکت کھڑے رہ کر سوگ (تعزیت) منانے کا طریقہ رواج پا رہا ہے، یہ جائز ہے؟

(الجواب) سوگ منانے کا مذکورہ طریقہ جائز نہیں ہے، اس میں نصاریٰ وغیرہم کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے لہٰذا اس رواج کو ترک کر دینا ضروری ہے عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یجلس حتی یوضع المیت فی اللحد فکان قائما مع اصحابہ علی رأس قبر فقال یہودی ھکذا نصنع بموتانا فجلس صلی اللہ علیہ وسلم وقال لا صحابہ خالفوھم (ترجمہ) حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ جب تک میت کو قبر میں اتار نہ دیا جاتا آنحضرت ﷺ قبر کے پاس کھڑے رہتے تھے بیٹھتے نہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے دیکھ کر کہا ہم بھی اپنے مردوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ خالفوھم (ان کی مخالفت کرو یعنی بیٹھ جاؤ، کھڑے رہنے میں ان سے مشابہت لازم آتی ہے (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۰۷) (شامی ج ۱ ص ۸۳۳ قبیل مطلب فی دفن المیت)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ہمارے طریقے کے علاوہ دوسروں کے طریقہ پر چلے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے (کنز العمال ج ۸ ص ۵۶)

نیز سید الانبیاء ﷺ کا فرمان ہے من تشبہ بقوم فھو منھم جو کوئی کسی اور قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے (وہ انہیں کا ہوگیا) سیدنا حضرت حسنؓ نے فرمایا ہے کہ ایسے بہت کم ہیں کہ جنہوں نے کسی قوم سے مشابہت کی اور ان سے نہ مل گئے ہوں، عبرت کے لئے ایک سچا واقعہ عرض ہے۔ تذکرۃ الرشید میں ہے کہ "کانپور میں کوئی نصرانی جو کسی اعلیٰ عہدہ پر تھا مسلمان ہوگیا تھا مگر مصلحۃً چھپائے ہوئے تھا، اتفاق سے اس کا تبادلہ کسی دوسری جگہ ہوگیا اس نے ان مولوی صاحب کو جن سے اسلام کی باتیں سیکھی تھیں، اپنے تبادلہ سے مطلع کیا اور فرمائش کی کہ کسی دیندار شخص کو مجھے دیں، جس سے علم دین حاصل کرتا رہوں، چنانچہ مولوی صاحب نے ایک قابل شاگرد کو اس کے ساتھ کر دیا کچھ عرصہ بعد جب یہ نصرانی بیمار ہوا تو اس نے مولوی صاحب کے شاگرد کو کچھ روپے دیئے اور کہا کہ جب میں مر جاؤں اور عیسائی مجھے اپنے قبرستان میں دفن کر آویں تو تم رات کو جا کر مجھے قبر سے نکالنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب مولوی صاحب کے شاگرد نے حسب وصیت رات کو ان کی قبر کھولی تو دیکھا کہ اس میں وہ نصرانی تو ہے نہیں، البتہ مولوی صاحب پڑے ہیں وہ سخت پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرہ ہے میرے استاد یہاں کیسے؟ آخر دریافت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نصرانیوں کے طور طریق کو پسند کرتے اور اچھا جانتے تھے (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۵۰) وہ نو مسلم نصرانی مولوی صاحب کی قبر میں منتقل ہوا ہوگا، ایسے واقعات ...... سینکڑوں کی تعداد میں کتابوں میں مل سکتے ہیں، خداء پاک ایسی حالت سے ہمیں بچائے فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ارواح میت آمد و رفت کرتی ہیں؟:

(سوال ۱۰۴) بہشتی زیور میں ج ۶ ص ۵۵ مرنے کے بعد کے رسوم کے بیان میں یہ عبارت مذکور ہے کہ "بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان تاریخوں میں اور جمعرات کے دن اور شب برات وغیرہ کے دنوں میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، اس بات کی بھی شرع میں کچھ اصل نہیں ان کو آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جو کچھ ثواب مردے کو پہنچایا جاتا ہے اس کو خود اس کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کو کیا ضرورت ہے کہ مارا مارا پھرے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر مردہ نیک اور بہشتی ہے تو ایسی بہار کی جگہ چھوڑ کر کیوں آنے لگا اور اگر بد اور دوزخی ہے تو اس کو فرشتے کیوں چھوڑ دیں گے۔ کہ عذاب سے چھوٹ کر سیر کرتا پھرے۔ غرض یہ بات بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا عقیدہ مت رکھنا۔ جس کتاب کو عالم سند نہیں رکھیں وہ بھروسے کی نہیں ہے۔

یہ تو بہشتی زیور کی بات ہوئی اب مولانا محمد عیسیٰ صاحب کی کتاب "نور الصدور فی شرح القبور" (گجراتی) ص ۲۰۶ پر اس طرح کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لئے تحفہ بھیجو۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا تحفہ بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ارواح مومنین شب جمعہ کو آسمان سے دنیا کی طرف آتی ہیں اور اپنے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر ایک غمزدہ آواز میں پکارتی ہیں...... آگے صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے کہ اس حدیث کو شیخ ابن الحسن نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ (حوالہ نہیں) تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہم مذکورہ قولین میں سے کس پر اعتقاد کریں اس کی وضاحت فرمائیں!

(الجواب) روح آسکتی ہے اور آتی ہے۔ واقعات و مشاہدات شاہد ہیں۔ واما قول من قال ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت فھذا مروی من سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ والبرزخ ھو الحاجز بین شیئین و کان سلمان ارادبھا فی ارض بین الدنیا والاخرة مرسلة ھناک تذھب حیث شاءت وھذا قول قوی الخ (کتاب الروح. ص ۱۷۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ اکبر آباد میں حضرت مرزا محمد زاہد ہروی رحمۃ اللہ کے درس سے واپس لوٹے تو راہ میں ایک لمبی گلی پیش آئی۔ اس وقت شاہ صاحب حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ابیات پڑھ رہے تھے کہ

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است

یعنی خدا کی یاد کے سوا جو کچھ تو کرے گا وہ زندگی برباد کرنا ہے اور عشق الٰہی کے اسرار کے سوا جو کچھ تو پڑھے گا وہ بیہودگی اور بیکاری ہے۔ اے سعدی تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک کردے اس لئے کہ جو علم خدا کی طرف راہ نہ دکھائے وہ علم جہالت ہے۔

آخری مصرعہ: علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است" آپ کو یاد نہیں آتا تھا اس وجہ سے اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی ابیات کو بار بار لوٹاتے لیکن جب اس مصرعہ پر پہنچتے تو اور دماغ پر زور ڈالتے کہ یاد آجائے مگر بار بار ناکام رہتے۔ ناگاہ ایک درویش فقیرانہ وضع میں آپ کی داہنی طرف سے نمودار ہوا اور کہا: علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است۔

یہ سنتے ہی آپ کا اضطراب سکون سے بدل گیا اور درویش سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ خدائے پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے میری پریشانی رفع فرمادی۔ پھر پان پیش کیا تو درویش نے تبسم فرمایا اور کہا کہ یاد دلانے کی اجرت پیش فرمارہے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا نہیں شکرانہ ہے کہا کہ میں کھاتا نہیں ہوں اس کے بعد درویش نے قدم اٹھایا اور آگے کوچہ پر رکھا تب شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ روح مجسم ہے۔ آواز دی کہ اے درویش آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ فرمایا: سعدی ہمیں فقراست (سعدی اسی فقیر کا نام ہے) اس واقعہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ روح آسکتی۔ (والعلم الصحیح عند الله) لیکن ارواح کا آنا ان کے اختیار میں نہیں، حکم خداوندی پر موقوف ہے۔ یہ اعتقاد صحیح نہیں۔ کہ تمام ارواح شب جمعہ یا جمعرات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں اور خیرات کی درخواست کرتی ہیں اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک گھر کا گشت کرتی ہیں (جیسا کہ وقائع الاخیار ص ۱۸ پر روایت ہے۔) کیونکہ مذکورہ باتیں حدیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں اور نور الصدور میں جو روایت لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ضعیف ہے، ضعیف روایات فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے لئے قابل عمل شمار کی جاتی ہیں۔ عقیدہ کے لئے ضعیف حدیث معتبر نہیں ہوسکتی۔ بہشتی زیور میں زیادہ تر مذکورہ عقیدہ کا انکار ہے۔ خدائے پاک جس روح کو جب چاہے جہاں چاہے اور جہاں کی اجازت دے تب وہ اس جگہ جاسکتی ہے اس کا انکار نہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے متعلق ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے اس کو بغور پڑھو۔

(استفتاء) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نور الصدور ص ۱۲۸ پر روایت ابوہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی روحیں اپنے اپنے مکانوں کے مقابل کھڑی ہوکر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دو اور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں۔ اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے۔

(الجواب) اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے، دوسرے برتقدیر ثبوت مفید ہے اذن کے ساتھ، اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے۔ پس دونوں میں تعارض نہیں! (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۵۱۴)

بہشتی زیور میں جس بات کا خلاف کیا گیا ہے وہ عقیدہ کی درستگی کے لئے ہے۔ عقیدہ کی درستگی مقدم اور ضروری ہے۔ عقیدہ اعمال کی بنیاد ہے اور جس طرح اپنے دین وعقائد کی حفاظت ضروری ہے۔ ایسے ہی دوسرے مسلمان برادروں کے عقیدے اور دین کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں: نماز وتر نیز یوم جمعہ کو فجر کی نماز اور صلوٰۃ جمعہ میں جن سورتوں کو آنحضرت ﷺ زیادہ تر تلاوت فرماتے تھے اس کو ہمیشہ کے لئے ضروری ٹھہرا لینا اور اسی کو پڑھتے رہنا مکروہ ہے اور وہ دو طریقوں سے مکروہ ہے۔ وجه الکراهة فی المداومة وهو انه ان رأی ذلک حتما یکره من حیث تغییر المشروع والا یکره من حیث ایهام الجاهل .(شامی ج ا ص

۵۰۸ فصل فی القراۃ)

(۱) ابدال شریعت (۲) ایہام جاہل! یعنی قاری اس کو ضروری سمجھتا ہو تو حکم شرعی کے ابدال کی وجہ سے مکروہ ہے کہ شریعت نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اس نے خود ضروری ٹھہرا کر شرع میں ایک قسم کی دخل اندازی کی اور یہ بنظر شریعت بڑا گناہ ہے! اگر قاری ضروری نہ سمجھے بلکہ مستحب سمجھے پھر بھی ہمیشہ پڑھنے کی اجازت نہیں مکروہ ہے کیونکہ دائماً پڑھتے دیکھ کر عوام سنت مقصودہ یا واجب مان لیں گے! یہی معاملہ سجدہ شکر کا ہے۔ درمختار میں ہے۔

وسجدة (۱) الشکر مستحبة به یفتی لکنها تکره بعد الصلوة لا ن الجهلة یعتقدونها سنة اوواجبة وکل مباح یؤ دی الیه فمکروه (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۳۱ مطلب فی سجدة الشکر وشرح سفر السعادة ص ۱۵۹) کوئی جدید نعمت کی خبر سن کر سجدہ شکر حدیث سے ثابت ہے مگر عوام اس کو سنت مقصودہ سمجھ لیں گے اس ڈر سے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے۔

اسی طرح مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان دو دو رکعت پڑھنے کے متعلق بخاری شریف میں ہے:۔

قال (۲) صلوا قبل صلوة المغرب قال فی الثالثة لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة (بخاری شریف پ ۳۰ ج ۲ ص ۱۰۹۵ . باب نهی النبی صلی الله علیه وسلم من التحریم الا ما یعرف اباحة) مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھنا حدیث سے ثابت ہے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مکروہ فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھ لیں گے حدیث میں بھی مکروہ ہونے کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے۔

عوام اور خصوصاً عورتوں کا ماننا ہے کہ ارواح ان ایام میں جمعہ، جمعرات، شب برات شب معراج شب قدر اور عید وغیرہ میں آتی ہیں۔ لہٰذا ایصال ثواب کے لئے ان ایام کی منتظر رہتی ہیں۔ مگر حقیقت میں مردہ ایک غریق کی طرح امداد کا محتاج ہوتا ہے۔ ہوسکے تو اپنی حیثیت کے مطابق بطریقہ سنت ایصال ثواب کرکے تکلیف سے نجات دلانی چاہئے مردوں کی ارواح آکر عاجزی کرے، روئے اور خیرات کا سوال کرے تب ایک آنے کی کھجور لڑکوں کو بانٹیں۔ اس سے بھاری بے وقوفی دوسری کیا ہوگی؟ پس اعتقادی اور عملی درستی کی خاطر بہشتی زیور میں یہ لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں بیل وغیرہ چرانا:

(سوال ۱۰۵) قبرستان میں گائے بیل وغیرہ چرنے کو چھوڑتے ہیں جس بنا پر گوبر، پیشاب کرتے ہیں تو شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) قبرستان میں مویشی کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑنا منع ہے کہ قبریں روندی جائیں گی اور گوبر وغیرہ نجس چیزیں قبروں پر گریں گی جس سے میت کی بے حرمتی ہوگی فلو کان فیها حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیها الخ (بحرالرائق ج ۵ ص ۲۵۴ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن بنی سقایة . الخ)

(۱) (ترجمہ) سجدہ شکر مستحب ہے اسی کا فتویٰ دیا جاتا ہے لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے کیونکہ ناواقف عوام کا یہ عقیدہ ہوجائے گا یہ سنت یا واجب ہے اور ہر ایسا مباح (جائز فعل) جو خرابی اعتقاد کا سبب بنے مکروہ ہے۔

(۲) (ترجمہ) ارشاد ہوا نماز مغرب سے پہلے پڑھ لو۔ دو دفعہ یہ فرمایا۔ تیسری مرتبہ یہ بھی فرمایا لمن شاء۔ یعنی یہ مرضی پر موقوف ہے۔ یعنی ان کے معاملہ کو ہلکا کردیا کیونکہ یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ اس کو سنت سمجھ لیں۔ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم۔

والدین ناراض ہوکر وفات پاگئے ہیں تو کیا کیا جائے؟:

(سوال ۱۰۶) جس کے والدین ناراض ہوکر وفات پاگئے ہوں تو اس کی تلافی کی کیا شکل ہے؟

(الجواب) تلاوت قرآن اور صدقہ وخیرات سے ان کی ارواح کو ثواب بخشے، ان کے لئے استغفار کرتا رہے، ان کا قرض ہو تو وہ ادا کرے، استطاعت ہو تو ان کی طرف سے حج کرے یا کرائے تو انشاء اللہ وہ راضی ہوجائیں گے اور اولاد مطیع سمجھی جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ کی طرف سے حج ادا کرے گا تو وہ ان کی طرف سے ادا ہوجائے گا اور ان کی ارواح کو بشارت دی جائے گی اور عند اللہ اولاد مطیع وفرمانبردار سمجھی جائے گی۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبروں پر چھت بنانا:

(سوال ۱۰۷) ایک خاندان کا ایک قبرستان ہے۔ جس پر چھت بنا رہے ہیں۔ تو قبرستان میں عمارت بنانا کیسا ہے؟

(الجواب) قبروں پر عمارت بنانا۔ چھت بنانا خیمہ وغیرہ لگانا ازروئے حدیث منع اور مکروہ ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیه و ان یبنیٰ علیه. ترجمہ: حضرت رسول اللہ (ﷺ) نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (ص ۳۱۲ ج ۱ کتاب الجنائز ترمذی شریف ص ۱۲۵ ج ۱) (ابوداؤد ص ۱۰۴ ج ۲) (مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

اس لئے تیرہ سو سال سے بزرگان دین، علمائے کرام اور فقہاء ومحدثین عظام قبروں پر عمارت وغیرہ بنانے سے منع کرتے رہے ہیں۔ اور اس کو سخت مکروہ بتاتے رہے ہیں۔ کبیری میں ہے۔ عن ابی حنیفة رضی الله عنه انه یکره ان یبنی علیه بناء من بیت او قبة او نحو ذالک لما مر من الحدیث آنفاً یعنی حضرت ابوحنیفہؒ کا قول اور آپ کا مسلک (فتویٰ) ہے کہ قبر پر کوئی بھی تعمیر کی جائے مکروہ ہے وہ کمرہ ہو۔ (بغیر گنبد کا) یا گنبد ہو یا اس جیسی کوئی اور عمارت ہو (ص ۵۵۵ فصل فی الجنائز) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و یکره ان یبنیٰ علی القبور. یعنی قبروں پر عمارت بنانا مکروہ ہے۔ (ص ۱۶۶ ج ۱ فی القبر والدفن الخ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وفات ہوئی تو کچھ عزیزوں نے ان کی قبر پر خیمہ لگادیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خیمہ دیکھا تو فرمایا۔ انزعه یا غلام فانما یظله عمله. (اے صاحبزادے اس کو ہٹادو، ان پر ان کا عمل ہی سایہ کرسکتا ہے۔) (بخاری شریف ص ۱۸۱ باب الجرید علی القبر الخ)

---

(۱) لما أخرج الدار قطنی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عنه صلی الله علیه و سلم . لمن حج عن ابو یه أوقضی عنهما مغرما بعث یوم القیامة مع الا برار وأخرج ایضاً عن جابر أنه علیه الصلاة والسلام قال من حج عن ابیه وامه فقد قضیٰ عنه حجته وأخرج ایضاً عن زید بن ارقم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا حج الرجل عن والدیه تقبل منه ومنها وابشرت ارواحهما وکتب عند الله برا، شامی باب الحج عن الغیر

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ رأیت الائمه بمکة یأمرون بهدم یبني. یعنی میں نے مکہ معظمہ کے حکام کو دیکھا کہ وہ ان عمارتوں کے توڑ دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جو قبروں پر بنائی جاتی تھیں۔ (کتاب الام للشافعی بحواله نووی شرح مسلم ص ۳۱۲ فصل فی النهی عن تجصیص القبور الخ کتاب الجنائز)۔

محدث علامہ علی قاری حنفی مکی فرماتے ہیں۔ وهی ما انکره ائمة المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصها . ترجمہ: اور (گمراہ کن بدعت سے ایسی بدعت مراد ہے) جس پر ائمہ مسلمین نے اعتراض کیا ہے اور اس کی مخالفت کی ہے۔ جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور قبروں کو پختہ بنانا۔ (مرقاۃ ص ۲۴۶ ج ایضاً)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قبروں پر عمارت بنانے میں نہ دینی نفع ہے نہ دنیوی۔ لہٰذا اسراف کا گناہ بھی ہوگا۔ جس کو قرآن کریم میں واضح الفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔ اگر اس کا رواج ہوجائے گا۔ تو جس طرح عمارت بنانے والا گنہگار ہوا کرے گا اسی طرح اس گناہ کا وبال اس پر بھی پڑتا رہے گا جس نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ بنانے والے پر بنانے کا گناہ۔ سلسلہ شروع کرنے والے پر سلسلہ شروع کرنے کا گناہ۔ کسی کے گناہ میں کمی نہیں ہوگی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ من سن فی الا سلام سنة سنیة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اوزارهم شیٔ. (مشکوة ص ۳۳ کتاب العلم) (والله اعلم بالصواب)

میت کو دیکھنا محرم یا غیر محرم کے لئے شرعاً کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۸) میت کو اکثر جگہ رواج ہے کہ عورت کو جنازہ میں رکھنے سے پہلے اس کے رشتہ دار منہ دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ دوسرے بھی دیکھتے ہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ شوہر بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور قبر میں اتر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت چھپانے کی چیز ہے نہ کہ دکھانے کی چیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "المرأة عورة" یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے (مشکوٰۃ ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبة) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ لعن الله الناظر والمنظور الیه . یعنی خدا کی لعنت ہے اس پر جو نامحرم عورت کو دیکھے اور اس بے پردہ عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) (کتاب النکاح) ان احادیث میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا جس کو بحالت حیات دیکھنا منع ہے۔ مرنے کے بعد بھی اس کو دیکھنا منع ہے۔ حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ عورت میں سب سے اچھی اور خوبی کی بات کیا ہے؟ جواب میں فرمایا نہ وہ خود نامحرم مرد کو دیکھے اور نہ اس کو نامحرم مرد دیکھ سکے (مسند بزاز وغیرہ) حضرت فاطمہؓ کو نامحرم سے پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی۔ کہ میرے جنازہ پر اور کپڑا ڈال دیا جائے۔ تاکہ نامحرم مردوں کو میرے جسم اور قد وقامت کا اندازہ بھی نہ ہوسکے۔ اس لئے عورت کی میت کو دفنانے کے وقت قبر پر پردہ کیا جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی حیاء وشرم کی حالت یہ تھی مگر اس کے برخلاف آج کل کے ان کے نام لیوا گھر میں گھس کر نامحرم عورت کا منہ دیکھتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ رشتہ دار جو محرم بھی ہیں۔ جیسے باپ، بیٹا، دادا، نانا

چچا، ماموں، بھائی، بھتیجا، پوتہ، نواسہ، بھانجا وغیرہ جن کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے وہ چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت نامحرم عورتیں وہاں سے ہٹ جائیں۔ نامحرم جیسا کہ خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، پھوپی زاد بھائی، بہنوئی وغیرہ جن کے ساتھ شریعت نے نکاح حرام قرار نہیں دیا ہے۔ ان سے پردہ کرنے کا حکم ہے ان کو منہ دیکھنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا دستور ناجائز اور موجب گناہ ہے۔

اگر کوئی محرم نہ ہو، یا ضرورت کی مطابق نہ ہو اور عورت کا جنازہ اٹھانے اور قبر میں اتارنے کے لئے نامحرم کی ضرورت ہو تو دیندار متقی نامحرم کی مدد لے سکتے ہیں۔ اسی طرح شوہر عورت کا منہ دیکھ سکتا ہے اور جنازہ میں رکھنے اور قبر میں اتارنے کے وقت محرم کی مدد کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ شوہر کے لئے بیوی کو غسل دینا اور مس کرنا منع ہے۔ منہ دیکھنے کی ممانعت نہیں ہے (ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الاصح (رد المحتار ص ۸۰۳ ج ۱ مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع الا سببی ونسبی) اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے (ويدخل الزوج فى القبر مع محرمها استحساناً وهو الصحيح وعليه الفتوى) (ص ۲۲۵ ج ۱) یعنی شوہر قبر میں بیوی کے محرم (باپ۔ بھائی۔ بیٹا وغیرہ) کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے۔ (اتر سکتا ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خواب میں عورت بچہ پیدا ہونے کی خبر دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۹) ہمارے گاؤں میں ایک حاملہ عورت کا انتقال ہو گیا اس کو دفن کر دیا گیا رات کو ایک دیندار شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ عورت اس سے کہہ رہی ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوا ہے، اس بنا پر اس کے گھر والے پریشان ہیں، کیا قبر کھول کر دیکھا جائے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں قبر کھولنے کی اجازت نہیں ہے، قاضی خاں میں ہے حامل ماتت وقد اتى على حملها تسعة اشهر وكان الولد يتحرك فى بطنها فدفن ولم يشق بطنها ثم رأيت فى المنام انها تقول ولدت لا ينبش القبر لان الظاهر انها لو ولدت كان الولد ميتاً (فتاوىٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۳ باب فى غسل الميت وما يتعلق به الخ) یعنی ایک حاملہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے حمل کے نو ماہ پورے ہو چکے ہیں اور بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرتا تھا اسی حالت میں اس کو دفن کر دیا گیا اور پیٹ چیر کر (بچہ نہیں نکالا گیا) پھر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے میرا بچہ پیدا ہوا ہے تو قبر نہیں کھولی جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ اگر بچہ جنا بھی ہو تو وہ مردہ ہوگا (قاضی خاں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رشتہ داروں کی قبروں کا یک جا ہونا:

(سوال ۱۱۰) رشتہ داروں کی قبریں یک جا ہوں تاکہ پہچانی جائیں اور قبر پر فاتحہ پڑھنے میں سہولت رہے تو اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنے گھر اور قریبی رشتہ داروں کی قبریں قریب قریب ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے، متفرق ہونے میں پہچان مشکل ہے اس لئے ایک جگہ ہونا بہتر ہے، حدیث میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعونؓ

کو رسول اللہ ﷺ نے دفن کیا تو ایک پتھر ان کی قبر پر نشانی کے لئے رکھ دیا اور فرمایا اس لئے ہے تاکہ قبر کی پہچان رہے اور میں اپنے اعزہ کو ان کے قریب دفن کروں اور پھر آپ نے اپنے فرزند حضرت ابراہیمؓ کو اسی جگہ دفن فرمایا مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن المطلب بن ابى وداعة قال لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته فدفن فامر النبى صلى الله عليه وسلم رجلا ان ياتيه بحجر فلم يستطع حملها فقام اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وحسر عن ذراعيه قال المطلب قال الذى يخبرنى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كأنى انظر الى بياض ذراعى رسول الله صلى الله عليه وسلم حين حسر عنهما ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها قبر اخى وادفن اليه من مات من اهلى رواه ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت) مرقاۃ میں ہے ويستحب ان يجمع الا قارب فى موضع لقوله عليه الصلوة والسلام وادفن اليه من مات من اهلى وكان عثمان اخاه من الرضاعة واول من دفن اليه ابراهيم ابنه (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۷۸ مطبوعہ ملتان) فقط والله اعلم بالصواب .

انتقال کے دو روز بعد دفن کیا جائے تو سوال وجواب کب ہوگا؟:

(سوال ۱۱۱) صدر جمہوریہ جناب سید فخر الدین علی احمد صاحب کا جمعہ کے روز انتقال ہوا اور اتوار کے روز دفن کئے گئے تو ان سے سوال وجواب کا معاملہ دفن سے پہلے ہوا ہوگا یا دفن کے بعد؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) والسوال فى القبر بان مات ولم يدفن ايا ماً بان جعل فى التابوت ليحمل من مصر الى مصر اخر ما لم يدفن لا يسئل (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۲۲۶ الفصل الخامس والعشرون فى الجنازة) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد سوال ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یوم جمعہ اور شب جمعہ میں مرنے والے سے سوال نہیں ہوتا، لہٰذا ہمارے صدر جمہوریہ بھی اس بشارت کے مستحق ہوں گے ان شاء اللہ۔ ثم ذكر ان من لا يسئل ثمانية . الى قوله . و الميت يوم الجمعة وليلتها (مطلب ثمانية لا يسئلون فى قبورهم . شامی ص ۷۹۷ صل ۷۹۸ جلد اول) فقط والله اعلم بالصواب .

جنازہ پر پھول وغیرہ ڈالنا:

(سوال ۱۱۲) میت کے جنازے پر پھول کی چادر ثواب کا کام اور تخفیف عذاب کا سبب سمجھ کر ڈالتے ہیں اور اس کی تیاری پہلے سے کرتے ہیں تاخیر ہو جائے تو انتظار کیا جاتا ہے اور جنازہ اٹھانے میں تاخیر کی جاتی ہے تو کیا اس کی کوئی اصلیت ہے؟ اور یہ شرعاً ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی کوئی اصل نہیں ہے، آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول وعمل سے ثابت نہیں ہے، اگر یہ چیز میت کے لئے مفید ہوتی تو یہ حضرات اس سے دریغ نہ کرتے، لہٰذا جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں۔ "وچادر گل بر جنازہ انداختن بدعت است ومکروہ تحریمی۔ یعنی اور پھول کی چادر جنازے پر ڈالنا بدعت

اور مکروہ تحریمی ہے (مسائل اربعین ص ۴۵) اس میں اضاعت مال اور تشبہ بالہنود بھی ہے، ومسلم راہ تشبہ بالکفار والفساق حرام است (ما لا بد منه ص ۱۳۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے دن انتقال ہونے کی فضیلت:

(سوال ۱۱۳) جمعہ کے دن موت کی فضیلت وارد ہوئی ہے، یہ فضیلت کب سے ہے اور کہاں تک ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو وفات پانے والا مسلمان منکر ونکیر کے سوال وجواب سے محفوظ رہتا ہے۔ثم ذکر ان من لا یسئل ثمانیة . الی قوله . والمیت یوم الجمعة اولیلتها (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۸ مطلب ثمانیة لا یسئلون فی قبورهم .فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں سوکھی گھاس جلانا:

(سوال ۱۱۴) قبرستان کی صفائی کے لئے آگ لگا کر سوکھی گھاس وغیرہ جلانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قبرستان میں آگ لے کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے، صفائی کے لئے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

غسل، دفن اور نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت:

(سوال ۱۱۵) کسی نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ مجھے فلاں شخص نہلائے اور فلاں نماز جنازہ پڑھائے اور فلاں جگہ دفن کیا جائے، تو کیا اس وصیت پر ورثاء کو عمل کرنا ضروری ہے؟ اگر عمل نہ کریں تو گنہگار ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس قسم کی وصیت کہ فلاں شخص غسل دے، فلاں دفن کرے فلاں نماز پڑھائے اور فلاں جگہ دفنایا جائے، شرعاً معتبر نہیں ہے، یہ امور میت کے اختیار میں نہیں ہیں، ورثاء کا حق ہے، ورثاء جو بہتر ہو اس پر عمل کریں۔ والفتوىٰ علی بطلان الوصیة بغسله وصلاته (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۲۴ مطلب فی صلاة الجنازة) واللہ اعلم بالصواب.

جنازے کے ساتھ کس طرح چلنا چاہئے؟:

(سوال ۱۱۶) میت کے جنازے کے آگے چلیں یا پیچھے؟ ہمارے یہاں رواج ہو گیا ہے کہ لوگ جنازے کے آگے لمبی قطار باندھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ اور قبرستان میں جوتے پہن کر قبروں پر چلے یا کھلے پاؤں، شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے: امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم باتباع الجنازة . الخ. ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جنازے کی اتباع (یعنی پیچھے چلنا) کا حکم دیا (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶۶ باب الامر باتباع الجنائز)

[1] ولا یتبع بنار فی مجمر ولا شمع کذا فی البحر الرائق. فتاویٰ عالمگیری الفصل الرابع فی حمل الجنازة ج ص ۱۶۲

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ متبوع ہے اور لوگ "تابع" ہیں اور متبوع تابع کے آگے ہوتا ہے، لہذا جنازہ کو آگے رکھنا اور جنازہ کے پیچھے چلنا افضل اور مستحب ہے جنازہ سامنے اور آگے رہنے میں عبرت اور نصیحت بھی ہے اور میت کی تعظیم بھی ہے۔

جنازے کے آگے پیچھے رہنا بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں ہے، جنازہ کو کندھا دینے کے لئے کچھ لوگوں کا جنازہ کے آگے رہنا بھی جائز ہے مگر جنازے سے دور نہ رہیں اور سب کا آگے چلنا اور جنازے کو پیچھے چھوڑ دینا مکروہ ہے، لوگ جنازے کے آگے لمبی قطار باندھتے ہیں اور جنازے کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے، جنازہ کو کندھا دینے کے لئے کچھ لوگ جنازے کے آگے قریب میں ہوں اور اکثر لوگ پیچھے ہوں آگے والے کندھا دے کر پیچھے ہٹ جائیں جس سے پیچھے والوں کو کندھا دینے کا موقع بآسانی میسر ہو جائے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے۔درمختار میں ہے (وندب المشی خلفها لانها متبوعه . الی قوله . ولو مشی امامها جاز و فیه فضیلة ایضا ولکن ان تباعد عنها او تقدم الکل او رکب امامها کره (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۳۴ قبیل مطلب فی دفن المیت)(فتاویٰ عالمگیری. ج ۱. ص ۱۰۴) (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲) قبرستان میں قبروں پر جوتوں سمیت یا بغیر جوتوں کے چلنا سخت مکروہ ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر کے آس پاس کی سبز گھاس کاٹنا:

(سوال ۱۱۷) قبرستان میں قبروں پر سبز گھاس اور درخت ہوتے ہیں ان کو کاٹ دیا جائے تاکہ لوگوں کو آمد ورفت میں تکلیف نہ ہو تو کوئی مضائقہ تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب یہ ہے کہ قبر کے اوپر کی تر گھاس وغیرہ نہ کاٹی جائے اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور فائدہ پہنچتا ہے، ہاں خشک ہونے کے بعد کاٹنے میں مضائقہ نہیں، البتہ اگر قبر کے آس پاس گھاس وغیرہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اسے کاٹ کر راستہ صاف کیا جا سکتا ہے۔شوک او حشیش نبت علی القبور ان کان رطبا یکره قلعه وان کان یابسا لا یکره لانه ما دام رطباً یسبح ویحصل للمیت بتسبیحه انس (نصاب الاحتساب قلمی ص ۸۶ باب ۴۲) وکره قلع الحشیش والشجرة من المقبرة ولا بأس بقلع الیابس منهما (نور الایضاح فصل فی زیارة القبور) (وکره قلع الحشیش) الرطب وکذا (الشجرة من المقبرة) لانه مادام رطباً یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمة (ولا باس بقلع الیابس منهما) ای الحشیش والشجر لزوال المقصود (مراقی الفلاح ص ۱۲۱ ایضاً) وقطع النبات الرطبة من اعلاه دون الیابس (کبیری ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز) یکره قلع ما نبت علی القبور ما دام رطباً لانه یسبح ما دام رطباً وان یبس لا بأس به (فتاویٰ سراجیه ص۲۶ فصل فی الجنائز فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز جنازہ کے بعد منہ دکھانے کی رسم:

(سوال ۱۱۸) ہمارے یہاں نماز جنازہ کے بعد حاضرین کو میت کا منہ دکھلایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے کہ موجب تاخیر ہے حالانکہ تعجیل مامور بہ ہے، اسی لئے جنازہ لے جانے وقت تیز چلنے کا حکم حدیث میں ہے۔ اسرعوا بالجنازة شامی میں ہے (قوله یسرع بها بلا خبب) بمعجمة مفتوحة وموحدتين وحد التعجيل المسنون ان يسرع به بحيث لا يضرب الميت على الجنازة للحديث اسرعوا بالجنازة الخ (شامی ج ۱ ص ۸۳۳ مطلب فی حمل المیت) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۵۲) جب تاخیر کی وجہ سے میت کے لئے بعد نماز جنازہ اجتماعی دعا ممنوع ہے تو منہ دکھلانے کے لئے اجتماع کیسے درست ہے؟

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اذا فرغ من الصلوة لا يقوم بالدعاء (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳ جنائز) (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مرنے کے بعد جلادینے کی وصیت:

(سوال ۱۱۹) ابھی قریب میں ایک نام نہاد مسلمان کا انتقال ہوا ہے وہ صحیح العقیدہ نہ تھا اور آئے دن اسلامی قوانین کے خلاف کچھ نہ کچھ بکواس کیا کرتا تھا اور اس بات کو مسلمان جانتے ہیں، اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ مجھے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلایا جائے، مردے کو جلانا کفار کے شعائر میں سے ہے ایک شخص ایسے امر کو پسند کرے جو شعار کفر میں سے ہو، کیا اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمان میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر اجماع ہے، اور مسلمانوں کا شعار ہے، اس لئے جب کہ اس شخص نے وصیت کی تھی کہ مجھے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلایا جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں طریقہ اسلام سے نفرت اور طریقہ ہنود کی عظمت تھی، نیز اس میں شعار اسلام کا استخفاف بھی ہے۔ والا ستهزاء على الشريعة كفر لان ذلك من امارات التكذيب (شرح عقائد ص ۱۲۰) لہذا اس کو مسلمان تسلیم کر کے اور بطریق سنت غسل دینا اور کفنانا اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، جس کے دل میں اسلام کی عظمت ہو اور جو رسول مقبول ﷺ کو سچا نبی سمجھتا ہو، وہ اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتا تفسیر بیضاوی میں ہے وانما عد منه (ای من الكفر) ولبس الغيار وشد الزنار ونحو هما كفراً لا نها تدل على التكذيب فان من صدق رسول الله صلى الله عله وسلم لا يجترئ عليها ظاهراً لا لا نها كفر فى انفسها (تفسير بيضاوى ص ۲۳ سوره بقره ركوع ۱) یعنی غیار (کافروں کا ایک خاص لباس ہے) پہننا، زنار (جنوئی) باندھنا اور ان کے مانند چیزوں کو کفریہ افعال میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ چیزیں تکذیب (شریعت کو جھوٹا سمجھنے) پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سچا نبی جانے گا وہ اس قسم کے کاموں پر ظاہراً جرأت نہیں کر سکتا ورنہ یہ چیزیں اپنی ذات

کے اعتبار سے کفر نہیں ہیں (بیضاوی)

اور مرقاة المفاتیح میں ہے۔ (عیداً) كالنيروز للمجوس وغيرهم وجعل علماء نا التشبه بهم كلبس ثياب الزينة ولعب البيض وصبغ الحناء واللهو والغناء على وجه التعظيم لليوم كفراً یعنی ہمارے علماء نے کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کو جیسے کفار کے تہوار کے دنوں کی عظمت کرتے ہوئے اچھے کپڑے پہننے، مہندی لگانے اور کھیل کود، گانے بجانے کو کفر قرار دیا ہے (مرقاة ج ۱ ص ۲۸۹ باب صلوٰة العیدین طبع ملتان)

اور مالابد منہ میں ہے۔

مسئلہ:

اگر کسے زنار بست قاضی ابوحفصؒ گفتہ کہ اگر برائے خلاصی از دست کفار کردہ باشد کافر نہ شود و اگر برائے فائدہ در تجارت کردہ باشد کافر شود۔ یعنی اگر کسی شخص نے زنار باندھی، قاضی ابوحفصؒ فرماتے ہیں، اگر کافروں کے ہاتھ سے خلاصی کے لئے (مجبوراً) باندھی تو کافر نہ ہوگا اور اگر تجارت میں فائدہ کے لئے باندھی تو کافر ہوجاتا ہے۔ (مالابد منہ ص ۱۴۵، ص ۱۴۶)۔ نیز فرماتے ہیں:

مسئلہ:

مجوس در نوروز جمع شوند یا ہنود روز ہولی یا دیوالی شادی نمایند و مسلمانے گوید چہ خوب سیرت نہادہ اند، کافر شود۔ یعنی مجوسی نوروز کے دن جمع ہوتے ہیں یا ہنود ہولی یا دیوالی کے دن خوشی مناتے ہیں اور کوئی مسلمان کہے کیا عمدہ طریقہ ہے تو کافر ہوجاتا ہے۔ (مالابد منہ ص ۱۴۶) نیز فرماتے ہیں:

مسئلہ:

در دستور القضاة از امام زاہدؒ ابوبکر نقل کردہ کہ ہر کہ در روز عید کافراں چنانچہ نوروز مجوس و ہمچنیں در دوالی و دسہرہ کفار ہند برآید و با کافراں موافقت کند در بازی کافر شود۔ یعنی دستور القضاة میں امام زاہد ابوبکر کا قول نقل کیا ہے کہ کافروں کے دیوالی اور دسہرہ کے دن کوئی مسلمان کافروں کے ہمراہ نکلے اور کافروں کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو تو کافر ہوجاتا ہے۔ (مالابد منہ ص ۱۴۸، ص ۱۴۹ باب کلمات الکفر)

تجنیس میں ہے کہ ہمارے مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جس نے اعتقاد کیا امر کفار کو اچھا پس وہ کافر ہے۔ انتہی (مظاہر حق ج ۱ ص ۱۷۱ باب صلوٰة العید) اور نوادر الفتاویٰ میں ہے کہ جو کوئی رسوم ہندوؤں کو اچھا جانے کافر ہوجاتا ہے (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵) اور عمدة الاسلام میں ہے کہ جو کوئی رسمیں کافروں کی کرے جیسے کہ نئے گھر میں بیل اور گھوڑے سرخ و زرد رنگے یا بندھن باندھے یا گرہ سبز باندھے کافر ہوجاتا ہے (مظاہر حق ج ۱ ص ۱۷۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ۔

پختہ قبروں کی اینٹوں اور پتھروں سے قبرستان کا احاطہ کرنا:

(سوال ۱۲۰) بعد سلام مسنون حسب ذیل مسئلہ میں علماء کرام ومفتیان عظام از روئے شریعت مطہرہ کیا فرماتے ہیں، ہمارے یہاں ایک قبرستان تقریباً چالیس سال پہلے کا ہے، پہلے ہمارے یہاں قبریں باقاعدہ دیوار چن کر بنائی جاتی تھیں، اب الحمد للہ یہ باتیں ختم ہو چکی ہیں ۴۰ سال پہلے سے جو قبریں پکی ہیں ان قبروں میں سے اینٹیں اور پتھر وغیرہ نکال کر ایک جگہ جمع کیا جارہا ہے اور ان اینٹوں سے ہمارے یہاں کے نوجوان قبرستان کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں، تو اس طرح اینٹیں اور پتھر نکال کر قبرستان کا احاطہ کرنا کیسا ہے؟ قبروں کا نشان رہے گا صرف جو دیواریں اینٹوں اور پتھروں سے بنائی گئی ہیں اس کو نکالنا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ اس میں قبروں اور مردوں کی توہین ہے یا نہیں؟ ان قبروں میں کچھ نئی قبریں بھی ہیں جن کو سال دو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ جواب سے نوازیں۔

(الجواب) بے شک بلاضرورت شرعیہ قبر کے اندر پکی اینٹیں اور پتھر لگانا درست نہیں ہے، اوپر کے حصے میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے، لیکن اینٹیں اور پتھر نکالنے کے لئے قبر کھولنا درست نہیں، مسئلہ ہے کہ میت کو بلا غسل دفنا دینے کے بعد محقق ہوا کہ میت کو غسل نہیں دیا گیا تھا تو مٹی ڈال چکنے کے بعد میت کو غسل دینے کے لئے قبر کھولنا درست نہیں ہے، اسی حالت میں قبر پر نماز پڑھ لی جائے اگر چہ پہلے پڑھ چکے ہوں البتہ قبر کے اوپر کے حصے میں پتھر اور اینٹیں لگی ہوں تو انہیں ہٹایا جاسکتا ہے بشرطیکہ ورثاء راضی ہوں اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لوگوں کو سمجھایا جائے کہ پکی قبر بنوانا درست نہیں لہذا اوپر کے حصہ میں جو پتھر اور اینٹیں لگی ہیں انہیں ہٹا کر قبر مٹی سے ٹھیک کر دی جائے، اگر ورثاء رضامند ہوں تو ایسا کیا جاسکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

نماز جنازہ کے وضوء سے اور نماز:

(سوال ۱۲۱) نماز جنازہ کے لئے وضو کیا ہے اسی سے فجر کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) نماز جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہے اس سے فجر وغیرہ پڑھنا صحیح ہے کوئی حرج نہیں۔ کل وضوء تصح به الصلوة لان الصلوة تصح عندنا بالوضوء ولو لم يكن منويا (شامی کتاب الطهارة) والله تعالیٰ اعلم.

قبرستان میں بل ڈوزر چلانا:

(سوال ۱۲۲) یہاں ایک قبرستان ہے اس کے درمیان ایک بلند ٹیلہ ہے اور اس ٹیلہ پر بھی قبریں ہیں، بلڈوزر چلا کر اس ٹیلہ کو زمین کے برابر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان میں ایسا کام کرنا جس سے مردوں کو ایذا پہنچے جائز نہیں، خواہ ان کی تدفین کو تھوڑا عرصہ ہوا ہو یا زیادہ عرصہ گذرا ہو، جب قبر پر چلنے اور بیٹھنے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے تو بل ڈوزر چلا کر مردوں کو ایذاء پہنچانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ لہذا اس سے احتراز کیا جائے۔(۱) فقط والله اعلم بالصواب.

(۱) ویکره ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیه او یوطأ علیه او یقضیٰ حاجة الانسان. الخ. فتاویٰ عالمگیری الفصل السادس فی القبر والدفن. الخ.

9

قبر پر کتبہ لگانا بہتر ہے یا کار خیر میں خرچ کرنا؟

(سوال ۱۲۳) میں اپنے مرحوم خاوند کے ایصال ثواب کے لئے ان کی قبر پر پتھر (کتبہ) لگانا چاہتی ہوں تو اس میں مرحوم کو زیادہ ثواب ملے گا یا اس پتھر کی قیمت کسی صدقہ جاری کے مصرف میں دے دوں اس میں زیادہ ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبر پر مرحوم خاوند کے نام کا پتھر لگانے سے مرحوم کو کچھ اجر نہیں ملے گا اجر اس میں ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق غرباء و مساکین کی امداد کی جائے یا کسی صدقۂ جاریہ کے کام میں خرچ کی جائے، یہ مرحوم کے حق میں بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آتش فشاں کے قریب کے جلے ہوئے پتھروں سے قبرستان کا راستہ بنانا، اور گھروں میں ان پتھروں سے آتش فشان کا مثل بنانا:

(سوال ۱۲۴) ریونین ایک پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں ایک آتش فشاں ہے جو بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اس کے قریب بہت سے جلے پتھر پڑے ہیں جو وزن میں ہلکے ہوتے ہیں اور ان کا استعمال بہت سی جگہوں میں ہوتا ہے، سینٹ لوئیس کے قبرستان کے اندر جو آمد و رفت کا راستہ ہے وہاں کیچڑ نہ ہو اس لئے یہ پتھر وہاں ڈالتے ہیں، بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ پتھر دوزخ کے پتھروں کی مثال ہے۔ اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) اوپر کے سوال میں درج پتھروں کا استعمال یہاں کے بہت سے مسلمان اپنے مکانوں میں فیشن سمجھتے ہوئے ایک چھوٹا سا آتش فشان بنواتے ہیں اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) قبرستان کے اندر لوگوں کے چلنے کا جو راستہ ہے اس کو پختہ کرنے کے لئے یہ پتھر لگائے جاسکتے ہیں، قبر کے اندر اور قبر کے اوپر لگانا منع ہے۔(۱)

(۲) مباح ہے۔ بنا سکتے ہیں لیکن فضولیات سے بچنا بہتر ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر میں مومن کامل کا جواب:

(سوال ۱۲۵) قبر میں مؤمن کامل منکر نکیر کو جو جواب دیتا ہے وہ کیا ہے؟ امید ہے کہ آپ بحوالۂ کتب تحریر فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے مجموعۂ کمالات عزیزی میں سوال و جواب منقول ہے ملاحظہ ہو۔

(سوال) قبر میں جو سوال و جواب ہوتا ہے وہ بدستخط مزین بمہر عنایت ہو۔

(الجواب) قبر میں مومن کامل جو جواب دیتا ہے وہ موافق احادیث کے لکھا جاتا ہے، مہر کی ضرورت نہیں اور یہ جواب ورد زبان کرنا چاہئے اور وہ نئے کپڑے پر خوشبو سے لکھوا کر اپنے پاس رکھنا چاہئے۔ وہ جواب یہ ہے۔ اشهد ان لا اله

(۱) ویسوی اللبن علیه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لوحوله اما فوقه فلا یکره، ابن ملک درمختار مع الشامی مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص۸۳۸.

الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ' ورسولہ' رضیت باللہ ربا وبالا سلام دینا وبحمد نبیاً ورسولاً وبالقرآن اما ما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخواناً وبا لصدیق وبالفاروق وبذی النورین وبا لمرتضیٰ ائمۃ رضوان اللہ علیھم مرحباً بالملکین الشاھدین الحاضرین واشھدابانا نشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ علی ھذہ الشھادۃ نحیی وعلیھا نموت وعلیھا نبعث ان شاء اللہ تعالیٰ.

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے قابل نہیں اور گواہی دیتا ہوں یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، راضی ہوا میں اللہ سے ازروئے رب ہونے کے اور اسلام سے ازروئے دین ہونے کے اور راضی ہوا میں محمد ﷺ سے ازروئے نبی ہونے کے اور رسول ہونے کے، اور راضی ہوا میں قرآن سے ازروئے مقتدا ہونے کے اور کعبہ سے ازروئے قبلہ ہونے کے اور راضی ہوا میں مسلمانوں سے ازروئے بھائی ہونے کے اور راضی ہوا میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے ازروئے امام ہونے کے، ان حضرات کی شان میں اللہ کی رضامندی رہے، اور خوشی ہے دو فرشتوں کو آنے سے کہ گواہ اور موجود ہیں اور اے تم دونوں فرشتے

گواہ رہو اس پر کہ ہم گواہی دیتے ہیں یہ کہ نہیں کوئی معبود پرستش کے قابل سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اسی شہادت پر ہم زندہ ہیں اور اسی پر ہم مریں گے اور اسی پر قیامت میں اٹھائے جاویں گے اگر اللہ نے چاہا۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص ۲۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:

(سوال ۱۲۶) ہمارے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو میت کے رشتہ داروں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کو اس کے وطن میں دفن کیا جائے، بعض اوقات تو ایک ملک سے دوسرے ملک بھی منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، شرعاً یہ صورت کیسی ہے؟ اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض بزرگوں کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لا کر دفن کیا گیا، اس کی گنجائش ہوگی تب ہی تو یہ صورت اختیار کی گئی، تو کیا ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح ہے؟ نیز اس میں عوام وخاص سب کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب اور افضل طریقہ یہی ہے کہ انسان کا جہاں انتقال ہوا وہیں اس کو دفن کیا جائے چاہے اس کا انتقال وطن میں ہوا ہو یا وطن سے باہر کسی اور جگہ، دفن کرنے سے قبل منتقل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے میل دو میل منتقل کرنا تو بالاتفاق جائز ہے، دو میل سے زیادہ منتقل کرنے کو اکثر فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور صاحب نہر نے اسے بحوالہ عقد الفرائد الظاہر (ظاہری روایت) کہا ہے (شامی نے اسے نقل کیا ہے ج ۱ ص ۸۴۰) بعض فقہاء مادون السفر اور بعض مطلقاً جواز کے قائل ہیں مگر افضل منتقل نہ کرنا ہے بچند وجوہ۔

(۱) منتقل کرنے سے تجہیز وتکفین میں تاخیر ہوتی ہے، حالانکہ تجہیز وتکفین میں عجلت مطلوب ہے۔

(۲) گاہے میت کے بدن میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، کبھی تو لاش پھول پھوٹ جاتی ہے، بدبو پیدا ہو جاتی ہے

جس کی وجہ سے لوگ بھی دور دور رہتے ہیں اور میت کا جو احترام ہونا چاہئے وہ فوت ہو جاتا ہے، اور اگر غسل دیئے بغیر منتقل کیا ہو تو پہنچنے تک کبھی میت نہ غسل کے قابل رہتی ہے نہ نماز جنازہ کے قابل، منتقل کرنا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، قانونی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں اور تاخیر ہو جاتی ہے۔

(۳) منتقل کرنے میں میت کی بے حرمتی کا بھی زیادہ امکان ہے، ضرورت سے زیادہ میت کو حرکت ہوتی ہے اور بسا اوقات لاش کو برف پر رکھا جاتا ہے جو بجائے خود میت کے لئے تکلیف کا سبب ہے اور میت کو تکلیف پہنچانا ممنوع ہے اسی بنا پر حکم ہے کہ میت کو غسل دینے کے لئے پانی اتنا گرم کیا جائے جتنا کہ وہ اپنی زندگی میں استعمال کرتا تھا بہت تیز گرم نہ ہو، بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: اگر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نہ ہو تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے اسی سے اسی طرح تین دفعہ نہلا دیوے، اور بہت تیز گرم پانی سے مردے کو نہ نہلاؤ، حاشیہ میں ہے ویغلی الماء بالسدر او الحرض فان لم یکن فالماء القراح ۱۲ ھدایہ ج ۱ ص ۱۶۰ (بہشتی زیور ص ۶۳ دوسرا حصہ نہلانے کا بیان) حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظیم المیت ککسرہ حیاً، رواہ مالک وابو دائود ابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹، حاشیہ میں ہے قولہ ککسرہ حیاً یعنی فی الا ثم کما فی الروایۃ قال الطیبی اشارۃ الی انہ لا یھان المیت کما لا یھان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتا لم قال ابن حجر ومن لا زمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتھیٰ وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موتہ کا ذاہ فی حیوتہ ذکرہ فی المرقاۃ ۱۲ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

(۴) چونکہ بلا ضرورت شرعی منتقل کرنا غیر ضروری بلکہ مکروہ ہے اس لئے منتقل کرنے کے اخراجات اور مصارف تجہیز وتکفین میں محسوب نہ ہوں گے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۱۲) مگر بعض اوقات یہ اخراجات میت کے ترکہ میں سے کئے جاتے ہیں اور گاہے ورثہ میں نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں ان کی حق تلفی ہوتی ہے یہ ایک خود گناہ کا کام ہے لہذا منتقل کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے جہاں انتقال ہوا ہے وہیں دفن کر دینا چاہئے اور اب تو میت دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج ہے، اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے سنت طریقہ کے مطابق دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا جتنا زیادہ اہتمام ہو سکے کرنا چاہئے اسی میں میت کا مفاد ہے منتقل کرنے میں میت کا کچھ مفاد نہیں۔

درمختار میں ہے یندب دفنہ فی جھۃ موتہ وتعجیلہ ولا بأس بنقلہ قبل دفنہ (درمختار) شامی میں ہے (قولہ یندب دفنہ فی جھۃ موتہ) ای فی مقابر اھل المکان الذی مات فیہ او قتل وان نقل قدر میل او میلین فلا بأ س شرح المنیۃ . قلت ولذا صح امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بد فن قتلی احد فی مضاجعھم مع ان مقبرۃ المدینۃ قریبۃ ولذا دفنت الصحابۃ الذین فتحوا دمشق عند ابوابھا ولم یدفنوا کلھم فی محل واحد (قولہ لا بأس بنقلہ قبل دفنہ) قیل مطلقاً وقیل الیٰ مادون السفر وقیدہ محمد بقدر میل او میلین لان مقابر البلد ربما بلغت ھذہ المسافۃ فیکرہ فیما زاد، قال فی النھر عن عقد الفرائد وھو الظاھر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۸۴۰ قبیل مطلب فی الثواب علی المصیبۃ.) مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں انسان کا انتقال ہوا ہو یا شہید ہوا ہو اسی بستی کے قبرستان میں دفن

کرنا مستحب ہے حضور اقدس ﷺ نے شہدائے احد کو جہاں وہ شہید ہوئے تھے وہیں دفن کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ مدینہ منورہ کا قبرستان (جنت البقیع) وہاں سے قریب تھا اور جو صحابہ دمشق کی فتح کے وقت شہید ہوئے ان کو دمشق کی شہر پناہ کے دروازے کے قریب دفن کیا، تمام شہداء کو ایک جگہ جمع کر کے دفن کرنے کا اہتمام نہیں کیا، تدفین سے قبل ایک یا دو میل منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ مطلقاً حرج نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر شرعی سے کم مسافت ہو تو منتقل کرنے میں حرج نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل کے فاصلے کی قید لگائی ہے اس لئے کہ شہروں کے قبرستان بسا اوقات اتنی مسافت پر ہوتے ہیں، اس سے زیادہ مسافت ہو تو مکروہ ہے، صاحب نہر نے عقد الفرائد سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر ہے (درمختار و شامی ج ا ص ۸۴۰)

کبیری میں ہے ویستحب فی القتیل والمیت دفنه فی المکان الذی مات فیه فی مقابر اولئک القوم وان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین فلا بأس به قیل هذا التقدیر من محمد یدل علی ان نقله من بلد الیٰ بلد لا یجوز او مکروه ولان مقابر بعض البلدان ربما بلغت هذه المسافة ففیه ضرورة ولا ضرورة فی النقل الی بلد آخر و قیل یجوز ذلک مادون السفر لماروی ان سعد بن ابی وقاص مات فی قریة علی اربعة فراسخ من المدینة فحمل علی اعناق الرجال الیها وقیل لا یکون فی مدة السفر. ایضاً.

یعنی: اور مقتول (شہید) اور میت کو اسی بستی کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہو، اور اگر دفن سے پہلے ایک دو میل منتقل کیا جائے تو اس میں حرج نہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ امام محمدؒ سے ایک دو میل منتقل کرنے کا اندازہ جو منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا یا تو جائز نہیں ہے یا مکروہ ہے، اس لئے کہ بعض شہروں کے قبرستان ایک دو میل کی مسافت پر ہوتے ہیں تو اس میں ضرورت متحقق ہے اور اس سے زیادہ میں ضرورت نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر شرعی سے کم مسافت ہو تو منتقل کرنے کی گنجائش ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قریہ (بستی) میں جو مدینہ منورہ سے چار فرسخ (تقریباً ۱۲ میل) پر تھا وہاں آپ کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کندھا بہ کندھا آپ کو مدینہ منورہ منتقل کیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مطلقاً گنجائش ہے (کبیری شرح منیۃ ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز الثامن فی مسائل متفرقۃ من الجنائز)

رسائل الارکان میں ہے ولا ینقل المیت من بلدمات فیه الیٰ بلد اخری لما روی عن جابر رضی الله عنه قال لما کان یوم احد جاء ت عمتی بابی لتد فنه فی مقابر نا فنا دی منادی رسول الله صلی الله علیه وسلم ردوا لقتلی الی مضاجعهم رواه الترمذی وابوداؤد. الیٰ قوله واما قبل النبش فمکروه والا فضل ان لا ینقل ...... فعلم منه ان النقل مکروه والا فضل عدم النقل وایضاً فی النقل تاخیر الدفن وفی النقل ایضاً احتمال التفسخ والنتن المنفر للناس فیجد عنه الناس فیخوف تکریم المیت وهذا بخلاف نقل یوسف یعقوب علیه السلام لان اجساد الا نبیاء لا تنفسخ وهم طیون حیاً و میتاً فلا خلل فی نقلهم فیجوز. وبالجملة ان عدم کراهة نقل اجساد الانبیاء لعله من خصائصهم لهذه العلة والله اعلم.

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جائے، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد کو (یعنی اپنے بھائی کو) اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہتی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کی شہادت کی جگہ دفن کرو۔ الی قولہ۔ نیز منتقل کرنے میں دفن میں تاخیر ہوتی ہے، نیز منتقل کرنے میں لاش کے پھٹ جانے اور بدبو پیدا ہونے کا احتمال ہے جس سے لوگوں میں نفرت پیدا ہو سکتی ہے پس لوگ میت سے دور رہیں گے اور میت کا احترام فوت ہو جائے گا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منتقل فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدن میں تغیر نہیں ہوتا، وہ اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی طیب ہوتے ہیں لہٰذا ان کو منتقل کرنے میں حرج نہیں ہے، ان کو منتقل کرنا جائز ہے یہ ان کی خصوصیت ہو سکتی ہے (رسائل الارکان ص ۱۵۹ ص ۱۶۰ کتاب الجنائز قبیل سجود التلاوۃ)

مراقی الفلاح میں ہے (ویستحب الدفن فی) مقبرة (محل مات به اوقتل) لماروی عن عائشة رضی الله عنها انها قالت حین زارت قبر اخیها عبدالرحمن و کان مات بالشام وحمل منها لو کان الا مر فیک ما نقلتک ولدفنتک حیث مت (فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین) ونحو ذلک (لا بأس به) لان المسافة الی المقابر قد تبلغ هذا المقدار (و کره نقله لا کثر منه) ای اکثر من المیلین کذا فی الظهیریة وقال شمس الا ئمة السر خسی وقول محمد فی الکتاب لا بأ س ان ینقل المیت قدر میل او میلین بیان ان النقل من البلد الی بلد مکروه قاله قاضی خان وقد قال قبله لو مات فی غیر بلده یستحب تر که فان نقل الی مصر آخر لا بأس به لماروی ان یعقوب صلوات الله مات بمصر و نقل الی الشام وسعد بن ابی وقاص مات فی ضیعة علی اربعة فراسخ من المدینة ونقل علی اعناق الرجال الی المدینة قلت یمکن بان الزیادة مکروهة فی تغیر الرائحة او خشیتها وتنتفی بانتفا ئها لمن هو مثل یعقوب علیه السلام او سعد رضی الله عنه لا نهما من احیاء الدارین .

مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے: جس جگہ انتقال ہوا ہو یا شہید ہوا ہو اسی جگہ کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے اس وجہ سے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (جب ایک سفر میں) آپ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قبر کی زیارت کی، ان کا انتقال شام میں ہوا تھا اور وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا تھا، اگر تمہارا معاملہ میرے قبضے میں ہوتا تو میں تمہیں منتقل نہ کرتی اور جہاں تمہارا انتقال ہوا وہیں دفن کرتی۔ اگر دفن کرنے سے قبل ایک یا دو میل منتقل کیا جائے تو اس میں حرج نہیں اس لئے کہ کبھی شہر کے قبرستان اتنے فاصلہ پر ہوتے ہیں، دو میل سے زیادہ منتقل کرنا مکروہ ہے، کذا فی الظہیریۃ، شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے میل دو میل منتقل کرنے کو لا بأس بہ فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے، قاضی خاں۔ اور اس سے قبل قاضی خاں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا اس کے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ انتقال ہو گیا تو وہیں دفن کرنا مستحب ہے اور اگر دوسرے شہر منتقل کیا تو حرج نہیں اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مصر میں انتقال ہوا اور آپ کو ملک شام لے جایا گیا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے چار فرسخ (تقریباً بارہ میل) دور ایک جگہ

انتقال ہوگیا اور لوگوں کے کندھوں پر ان کو مدینہ منورہ منقل کیا گیا، قلت: (صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں) یہ بات ممکن ہے کہ دو میل سے زیادہ منقل کرنا اس صورت میں مکروہ ہو کہ میت کے بدن میں تغیر اور بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور جہاں یہ اندیشہ نہ ہو تو کراہت منتفی ہو جائے گی، لہٰذا جو شخص حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مثل ہو اس کے حق میں یہ کراہیت باقی نہیں رہے گی حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے زندہ ہیں۔ (مراقی الفلاح ۔ص ۳۳۷ کتاب الجنائز فصل فی حملہا و دفنہا)

صاحب مراقی الفلاح نے فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال میں جو تطبیق دی ہے اس کے پیش نظر عوام و خواص کے حکم میں فرق کیا جاسکتا ہے لہٰذا اگر بعض بزرگوں کو منقل کیا گیا ہو تو ان پر قیاس نہ کیا جائے اور اس سے استدلال نہ کیا جائے ہم تو بحر عصیان میں غرق اور مقربان الٰہی عشق الٰہی میں فنا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کسی نے خوب کہا ہے

شہیدان محبت کو کبھی مرتے نہیں دیکھا

حیات جاودانی ملتی ہے تو فنا ہو کر

بزرگوں کے جسم میں جلدی تغیر نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات تدفین کے بعد بھی ان کے جسم تغیر و تبدل سے محفوظ رہتے ہیں واقعات شاہد ہیں کہ برسہا برس کے بعد اتفاقاً کسی وجہ سے قبر کھل گئی تو بدن بالکل محفوظ پایا گیا بلکہ کفن بھی اسی حالت میں دیکھا گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تازہ تازہ دفن کیا ہو، سبحان اللہ۔

موت التقی حیاة لا نفاد لها

قدمات قوم وهم فی الناس احیاء

فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان میں بینچ (کرسی) رکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۷) ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ قبرستان میں بینچ (بڑی کرسی) رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بوڑھے لوگ قبرستان کی زیارت کے وقت بیٹھ کر کچھ پڑھ سکیں کھڑے رہنے میں ان لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو قبرستان میں بینچ رکھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بوڑھوں کو تکلیف نہ ہو یہ مقصد ظاہر کیا جاتا ہے مگر بتدریج اس سے غلط نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے، غافل قسم کے لوگ قبرستان کو ایک تفریح گاہ بنالیں گے اور وہاں بیٹھ کر بیکار قسم کی گپ شپ میں مشغول رہیں گے اور قبروں کی زیارت کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا، لہٰذا قبرستان کو پرانے اور سادا طریقہ ہی پر رکھا جائے اور بینچ وغیرہ نہ رکھا جائے، بوڑھے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ زمین پر بیٹھ سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کے مفاد میں قبرستان کی زمین میں دوکانیں بنانا:

(سوال ۱۲۸) ہمارے یہاں ایک قبرستان بہت پرانا ہے اور اس کا رقبہ بہت زیادہ ہے اس کے ایک جانب عام

شاہراہ (سڑک) ہے اس جانب قبرستان کی دیوار ہے تین جانب دیواریں نہیں ہیں، جن کی تعمیر کثیر رقم سے ممکن ہے اتنی بڑی رقم جمع کرنا بہت مشکل ہے سڑک سے لگی ہوئی پٹی میں تقریباً چار میٹر کی چوڑائی میں کوئی قبر نہیں ہے، اس پٹی میں قبرستان کے نگراں دو کانیں بنوانا چاہتے ہیں، ان دوکانوں کے کرایہ سے دیواروں کا کام آسانی سے ہو سکے گا، کیا اس مقصد سے قبرستان کی زمین میں دوکانیں بنانا جائز ہے؟ اگر دیواریں نہ بنائی جائیں تو اندیشہ ہے کہ لوگ قبرستان کی زمین پر آہستہ آہستہ قبضہ کرلیں گے، کچھ لوگوں نے تو قبضہ بھی کیا تھا مگر بروقت قانونی چارہ جوئی کی وجہ سے وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے، امید ہے کہ آپ جواب عنایت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، قبرستان کے مفاد یعنی کمپاؤنڈ بنانے کے لئے بھی اس کے کسی حصہ میں دوکانیں بنانے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، اس کے لئے چندہ کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ ہو سکے تو دیگر مقامات سے چندہ کیا جائے کوشش شرط ہے، باوجود کوشش کے چندہ فراہم نہ ہو سکے تو قطعی مایوسی کی صورت میں اتنی مدت کے لئے دوکان بنادی جائیں کہ کمپاؤنڈ بن جائے اور قبریں بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں بعد میں دوکانیں توڑ کر جگہ خالی کر دی جائے کہ مردہ دفن کیا جاسکے قبرستان کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۹) ہمارے گاؤں میں ایک غیر مسلم کے لڑکے کا انتقال ہوگیا ایک مسلمان اس کے جنازہ میں شریک ہوا اور اس بچہ کی میت ہاتھ میں لے کر چلا تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ایمان و نکاح پر اثر پڑے گا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی مصلحت یا ضرورت، سے غیر مسلموں سے ملنا جلنا ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور انسانیت کے ناطے ان کا تعاون کرنا خاص کر جب کہ پڑوسی ہوں شرعاً جائز ہے، نیت اچھی اور اصلاح کی ہونی چاہئے، مداہنت کی صورت نہ ہو، البتہ ان کے مذہبی معاملات اور مذہبی رسومات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی کافر بیمار ہوگیا یا اس کے یہاں کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کی عیادت اور تعزیت کرنا تو جائز ہے، مگر میت اور جنازہ لے کر چلنا اور ان کے دیگر مذہبی رسومات کی ادائیگی میں شرکت کرنا جائز نہیں، صورت مسئولہ میں اس شخص نے مروت یا لحاظ میں شرکت کی ہوگی لہٰذا وہ شخص اپنے اس فعل پر صدق دل سے توبہ کرے اور لوگوں کے سامنے اپنی توبہ کا اظہار کرے اور آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، اس شخص کا ایمان اور نکاح باقی ہے اس میں شک و شبہ نہ کیا جائے۔

درمختار میں ہے: وجاز عيادة (الذمی) بالا جماع وفی عيادة المجوسی قولان. رد المحتار (شامی) میں ہے (قوله وفی عيادة المجوسی قولان) قال فی العناية فيه اختلاف المشايخ فمنهم من قال به لانهم من اهل الذمة. الیٰ قوله. قلت وظاهر المتن كا لملتقی وغيره اختيار الا ول ...... وفی النوادر جار يهودی او مجوسی مات ابن له او قريب ينبغی ان يعزيه ويقول اخلف الله عليک خيراً منه واصلحک وكان معناه اصلحک الله بالا سلام يعنی رزقک الا سلام ورزقک ولداً مسلماً كفاية (رد المحتار ج۵ ص ۳۴۱ كتاب الحظر والا باحة فصل فی البيع)

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال) کسی شیعہ مذہب والے کے جنازہ میں شریک ہونا خواہ کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) فی نفسہ منہی عنہ ہے لیکن اگر کوئی ضرورت ہو جائز ہے اور ضرورت کی حقیقت دفع مضرت ہے نہ کہ جلب منفعت (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۵۳۱ باب الجنائز مطبوعہ کراچی ج ا ص ۷۸۲، مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند)

نیز امداد الفتاویٰ میں ہے۔تعزیت کفار:

(سوال) چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلماناں را تعزیت اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصاً بنیت دوستی ایشاں وطمع دنیاوی در مال ایشاں، مفصل جواب درکار است؟

(الجواب) اگر حق شرکت بلد یا محلہ پنداشتہ کند جائز است فی الدر المختار وجاز عیادة (الذمی) بالاجماع ودوستی فی نفسہ مذموم است لہٰذا تخلیص عیادت ازاں ضروری است (امداد الفتاویٰ، ج ا ص ۵۰۰، باب الجنائز مطبوعہ پاکستان) فتاوی رحیمیہ ج ا ص ۳۸ بھی ملاحظہ کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بلڈوزر یا ٹریکٹر سے قدیم قبرستان کی صفائی کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۳۰) ہمارے یہاں ایک قدیم وقف قبرستان ہے اس میں چند سالوں سے تدفین نہیں ہوتی اس قبرستان میں جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیاں اور درخت ہیں اور جگہ جگہ کھڈے ہیں لہٰذا ہموار زمین نہیں ہے، گاؤں والے اس کی صفائی اور زمین ہموار کردینے کا ارادہ کررہے ہیں، اس مقصد کے پیش نظر قبرستان میں بلڈوزر کے ذریعہ خار دار جھاڑیوں وغیرہ کی صفائی اور تین ساڑھے تین فٹ زمین کھود کر زمین ہموار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر بلڈوزر سے یہ کام کرنا شرعاً جائز نہ ہو تو ٹریکٹر سے یہ کام کرنا جائز ہوگا؟ اگر یہ دونوں صورتیں جائز نہ ہوں تو کیا مزدوروں سے یہ کام کرایا جاسکتا ہے؟

(۲) قبرستان میں زائرین کی سہولت کے لئے پختہ راستے بنائے جائیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) اگر یہ تمام صورتیں ناجائز ہوں تو قبرستان کی صفائی کے لئے کون سی صورت اختیار کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۳،۲،۱) آپ کے یہاں کا وقف قبرستان بہت قدیم ہے آپ حضرات اس کی صفائی اور ہموار کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے مردوں اور قبروں کا احترام باقی رہے، قبروں کی بے حرمتی اور بے ادبی کرنا، قبروں کے اوپر چلنا، بیٹھنا، ٹیک لگانا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے۔

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبروان یبنی علیہ وان یقعد علیہ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے اور قبروں کے اوپر عمارت بنانے اور قبروں کے اوپر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یجلس احدکم علی جمرة فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آگ کے (انگارے) پر بیٹھے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ کا اثر اس کے جسم تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

غور کیجئے! قبر پر بیٹھنے پر کتنی سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

(۳) عن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۱۴۸)

ترجمہ: حضرت ابو مرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قبروں پر مت بیٹھو اور قبروں کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو، رواہ مسلم۔

(۴) عن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ قال رآنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ہذا القبر (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس صاحب قبر کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

(۵) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں کو بار بار پڑھئے اسلام میں مردہ اور قبروں کا کس قدر احترام ہے وہ ان حدیثوں سے سمجھا جاسکتا ہے، بلڈوزر یا ٹریکٹر سے صفائی کرنے میں قبروں کی بے حد توہین اور بے ادبی ہوگی، قبر پر چلنے اور ٹیک لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے تو بلڈوزر اور ٹریکٹر چلانے کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟ قبرستان بہت قدیم ہے، بہت سی قبروں کے نشان بھی نہ رہے ہوں گے، لہٰذا یہ خیال کر کے کہ یہاں قبریں نہ ہوں گی بلڈوزر یا ٹریکٹر سے صفائی کا ارادہ نہ کیا جائے وہاں بھی قبروں کے ہونے کا قوی امکان ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ چھوٹے بچوں کی قبر زیادہ گہری نہیں کھودی جاتی بلڈوزر چلانے میں پوری قبر کھل جانے کا امکان ہے لہٰذا یہ ارادہ بالکل ترک کردیا جائے۔

قبرستان عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے، تفریح گاہ یا باغ نہیں ہے کہ تکلفات کر کے پختہ راستہ بنانے کا اہتمام کیا جائے، قبرستان کی ہری گھاس اور درخت کی تسبیح سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے ہری گھاس اور درخت کاٹنا منع ہے، ہاں گھاس خشک ہوگئی ہو، درخت سوکھ گیا ہو تو ان کو کاٹنے کی ممانعت نہیں، نورالایضاح میں ہے وقلع الحشیش والشجر من المقبرۃ ولا بأس بقلع الیابس منہما. یعنی قبرستان کی سبز گھاس کو اکھیڑنا اور درخت

کو کاٹنا مکروہ ہے اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں (نورالایضاح ص ۱۴۲ فصل فی زیارۃ القبور)
کبیری میں ہے ویکرہ قطع النبات الراطبة من اعلاہ دون الیابس، یعنی قبر کے اوپر سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کاٹنا مکروہ نہیں (کبیری ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز)
البتہ لوگوں کو قبروں کی زیارت کے لئے آمد و رفت میں تکلیف ہوتی ہو تو قبروں کو چھوڑ کر آس پاس کی خالی جگہ سے گھاس وغیرہ کاٹنے کی گنجائش ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس کے گھر کسی کا انتقال ہو جائے اس دن اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کرنا:

(سوال ۱۳۱) ہمارے یہاں جب کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو قریبی رشتہ دار یا پڑوسی ان کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بدعت تو نہیں، اگر جائز ہو تو اس کی دلیل ضرور تحریر فرمادیں۔ نیز یہ بھی تحریر فرمادیں کہ اس کھانے میں سے کون کون لوگ کھا سکتے ہیں۔

(الجواب) کسی کے یہاں میت ہو جائے تو ان کے قریبی رشتے داروں اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اس دن ان کے لئے کھانے کا انتظام کریں، اور خود ساتھ بیٹھ کر اصرار کر کے ان کو کھلائیں، غم و حزن اور تجہیز و تکفین میں مشغولیت کی وجہ سے کھانا پکانے وغیرہ کا ان کو موقع نہیں ملتا، حضور اقدس ﷺ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے، حدیث میں ہے۔
عن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ قال لما جآء نعی جعفر (ای خبر شھادتہ) قال النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اصنعو الا ل جعفر طعاماً فقد اتا ھم ما یشغلھم رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجة (مشکوۃ شریف ص ۱۵۱، باب البکاء علی المیت)
ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا تم جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، ان کے پاس ایسی (غمناک) خبر آئی ہے جس نے ان کو مشغول کر رکھا ہے۔
مشکوۃ شریف کے حاشیہ میں بحوالہ لمعات نقل فرمایا ہے۔
قولہ (۴) اصنعو الا ل جعفر طعاماً فی الحدیث دلیل علیٰ انہ یستحب للجیران والا قارب تھیئنة الطعام لاھل المیت واختلفوا فی اکل غیر اھل المصیبة ذلک الطعام وقال ابو القاسم لا بأس لمن کان مشغولا بجھاز المیت کذافی وصایا جامع الفقہ ۱۲ (حاشیہ ۴ مشکوۃ شریف ص ۱۵۱)
ترجمہ: یعنی مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ پڑوسیوں اور رشتے داروں کے لئے مستحب ہے کہ وہ اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کریں، اہل میت کے علاوہ دوسرے لوگ یہ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے، علامہ ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں جو لوگ اہل میت کے تعاون اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوں ان کے لئے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔
قال الطیبیؒ دل علیٰ انہ یستحب للاقارب والجیران تھیئنة الطعام لا ھل المیت انتھی

والمراد طعام یشبعھم یومھم ولیلتھم فان الغالب ان الحزن الشاغل عن تناول الطعام لا یستمر اکثر من یوم . الیٰ قولہ . ثم اذا صنع لھم ما ذکر سن ان یلح علیھم فی الا کل لئلا یضعفوا بترکہ استحیائا او بفرط جزع الخ ...... (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۹۶ ج ۴ باب البکاء علی المیت)
ترجمہ: یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقرباء اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کریں اور یہ حدیث کی مراد ایک دن رات کھانے کا انتظام کرنا ہے اس لئے کہ عام طور پر غم و حزن کی وجہ سے ایک دن کھانے کے انتظام سے قاصر رہتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ پھر جس طرح کھانے کا انتظام کرنا مستحب ہے، یہ بھی سنت ہے کہ اصرار کر کے ان کو کھلائیں تا کہ غم و حزن یا حیا کی وجہ سے ترک طعام کی بناء پر کمزور نہ ہو جائیں۔
شامی میں ہے: قولہ وباتخاذ طعام لھم) قال فی الفتح ویستحب لجیران اھل المیت والا قرباء الا باعد تھیئة طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لال جعفر طعاماً فقد اتا ھم ما یشغلھم حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم ولا نہ بر معروف ویلح علیھم فی الاکل لان الحزن یمنعھم من ذلک فیضعفون اہ. (شامی ج ۱/ ۸۴۳ کراھة الضیافة من اھل المیت) (غایة الا وطار ج ۱/ ۴۲۲)
لہٰذا صورت مسئولہ میں حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے اہل میت کے رشتہ دار پڑوسی یا متعلقین ان کے لئے کھانے کا انتظام کریں تو یہ امر مستحب ہے اور قابل اجر و ثواب ہے اور اہل میت کے ساتھ اظہار ہمدردی اور غمخواری بھی ہے مگر یہ کام صرف رضاء الٰہی اور عمل بالحدیث کی نیت سے ہونا چاہئے، محض رسماً دکھاوے اور ناموری کی نیت سے نہ ہو اور محققین کے نزدیک اس کی میعاد ایک دن رات ہے۔
حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔
اکتیسواں مسئلہ ۳۱: دستور ہے مرنے کے بعد اہل قرابت میت کے اور ہمسایہ اس کے اس میت کے گھر کھانا بھیجتے ہیں سو کئی دن تک کھانا بھیجنا اہل مصیبت کو جائز ہے؟
(الجواب) مستحب ہے ایک دن رات تک پیٹ بھر کے کھانا بھیجنا میت کے گھر اقربا اور ہمسایہ کے لوگوں کو، چنانچہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے: ویستحب للجیران واھل البیت والاقرباء الاباعد تھیأ طعام لھم یشبعھم یومھم و لیلھم انتھیٰ وعن عبداللہ بن جعفر قال لما جاء نعی جعفر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لاھل جعفر طعاماً فانہ قد جاء ھم ما یشغلھم رواہ الترمذی وھکذا فی المشکوۃ مع فرق بعض الا لفاظ. جیسا کہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے اور مستحب ہے ہمسایہ کے لوگوں اور گھر والوں اور رشتہ داروں اور جو رشتہ نہیں رکھتے ان لوگوں کو میت کے لوگوں کے لئے کھانا بھیجنا اتنا کہ ایک رات دن پیٹ بھرنے کو کفایت کرے، اور عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب خبر پہنچی حضور ﷺ کو جعفر کے مرنے کی، فرمایا آپ نے کہ تیار کرو جعفر کے لوگوں کے لئے کھانا۔ پہنچی ان کے پاس وہ بات جس نے باز رکھا ان کو شغل سے یعنی گھر کے کاموں سے روایت کی اس کو ترمذی نے، اور جامع البرکات میں لکھا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ خویش و اقربا دوست ہمسایہ کو میت کے گھر کھانا بھیجنا مستحب ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصیبت والوں کو پہلے دن مصیبت کے کھانا مکروہ

نہیں ہے کیونکہ وہ تجہیز وتکفین کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور دوسرے روز بھیجنا مکروہ ہے اگر بین کرنے والی عورتیں جمع ہوں، کیونکہ اس سے مدد پہنچتی ہے گناہ پر اور اختلاف کیا ہے علماء نے کہ وہ کھانا مصیبت والوں کے سوائے اور لوگوں کو کھانا درست ہے یا نہیں، ابوالقاسم نے کہا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں کھانا اس کا جو میت کے کام میں مشغول ہے اور ایسا ہی لکھا ہے مطالب المؤمنین میں (مسائل اربعین فی سنة سید المرسلین ص ۴۸، ۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۳۲) قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟ جس میں مرحوم کا نام اور تاریخ وفات لکھی جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کوئی خاص ضرورت ہو مثلاً قبر کا نشان باقی رہے! قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اسے پامال نہ کریں، اس ضرورت کے پیش نظر خاص کر صلحاء کی قبر پر حسب ضرورت نام اور تاریخ وفات لکھنے کی گنجائش ہے، ضرورت سے زائد لکھنا جائز نہیں، اور قرآن پاک کی آیت یا کلمہ وغیرہ تو ہرگز نہ لکھا جائے، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ضرورت کی صورتوں کو اگرچہ مستثنیٰ کیا ہے تاہم بہتر صورت یہ ہے کہ قبر بالکل سادہ رکھی جائے، قبر پر کچھ نہ لکھا جائے، قبر کا نشان باقی رکھنے کی ضرورت ہو تو کوئی پتھر رکھ دیا جائے یا کوئی ایسا درخت لگا دیا جائے جسے جانور نہ چبا جائیں (جیسے مہندی کا درخت)

حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یکتب علیھا وان توطأ رواہ الترمذی. حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اور ان پر لکھا جائے اور ان کو پیروں سے روندا جائے، ترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر پر ایک بڑا پتھر رکھا، اس کے بعد ارشاد فرمایا اعلم بھا قبر اخی وأدفن الیہ من مات من اھلی رواہ ابو داؤد، اس سے میں اپنے بھائی (حضرت عثمان بن مظعون آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے) کی قبر پہچانوں گا، اور اس کے بعد میرے اقرباء میں سے جس کا انتقال ہوگا ان کے پاس دفن کروں گا، رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹، باب دفن المیت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے (وان یکتب علیھا) قال المظھر یکرہ کتابة اسم اللہ ورسولہ والقرآن علی القبر لئلا یھان بالجلوس علیہ ویداس بالانھدام وقال بعض علمائنا وکذا یکرہ کتابة اسم اللہ والقرآن علی جدار المساجد وغیرھا قال ابن حجر وأخذ أئمتنا انہ یکرہ الکتابة علی القبر سواء اسم صاحبہ وغیرہ فی لوح عند رأسہ او غیرہ قیل ویسن کتابة اسم المیت لا سیما الصالح لیعرف عند تقادم الزمان لان النھی عن الکتابة منسوخ کما قالہ الحاکم او محمول علی الزائد علی مایعرف بہ حال المیت اہ وفی قولہ یسن محل بحث والصحیح ان یقال انہ

یجوز (مرقاۃ ص ۷۶ ج ۴ باب دفن المیت مطبوعہ ملتان)

اشعۃ اللمعات میں ہے۔ وان یکتب علیھا ونہی کرد از آنکہ نوشتہ شود بر قبور یعنی نام خدائے تعالیٰ یا قرآن ونام رسول تا خوار و پامال نگردد و بول نکند بروئے حیوان ونیز گفتہ اند کہ مکروہ است برپا کردن الواح مکتوبہ کہ بے فائدہ است مگر آنکہ دراں غرض صحیح باشد (اشعۃ اللمعات ص ۶۹۵ ج ۱ باب دفن المیت)

مظاہر حق میں ہے: اور کہا وان یکتب علیھا اور مکروہ ہے لکھنا نام اللہ اور رسول اور قرآن کا قبر پر تا خوار اور پامال نہ ہوں اور پیشاب نہ کریں ان پر حیوان اور کہا ہے بعضے عالموں ہمارے نے کہ اسی طرح مکروہ ہے لکھنا نام اللہ کا اور قرآن کا دیوار مساجد وغیرہا پر اور اسی طرح مکروہ ہے پتھر وغیرہ پر نام وغیرہ میت کا لکھ کر کھڑا کرنا اور بعضوں نے کہا ہے کہ نام میت کا خصوصاً صالح کا لکھنا جائز ہے تاکہ پہچانا جاوے بعد گذرنے مدت کے (مظاہر حق ص ۶۲ ج ۲، باب دفن المیت)

دوسری حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاحب مرقاۃ نے تحریر فرمایا ہے فی الازھار یستحب ان یجعل علی القبر علامة یعرف بھا لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلم بھا قبر اخی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۷۸ ج ۴ باب دفن المیت مطبوعہ ملتان)

مظاہر حق میں ہے: اور لکھا ہے ازہار میں کہ معلوم ہوا اس سے کہ مستحب ہے یہ کہ رکھی جاوے قبر پر نشانی پہنچان کے لئے اور ایک جا گاڑے جاویں اقرباء (مظاہر حق ص ۶۳ ج ۲)

درمختار میں ہے ولا بأس بالکتابة ان احتیج الیھا حتی لا یذھب الاثر ولا یمتھن. (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۹)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے: (قولہ ولا بأس بالکتابة) ھذا التفصیل لصاحب المحیط فحمل النھی فی الحدیث علیٰ غیر حالة الاحتیاج (مطلب فی دفن المیت طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۱۰)

ردالمحتار (شامی میں ہے: (قولہ ولا بأس بالکتابة) لان النھی عنھا وان صح فقد وجد الاجماع العملی بھا فقد اخرج الحاکم النھی عنھا من طرق ثم قال ھٰذہ الاسانید صحیحة ولیس العمل علیھا فان ائمة المسلمین من المشرق الی المغرب مکتوب علی قبورھم وھو عمل اخذ بہ الخلف عن السلف اہ ویتقوی بما اخرجہ ابو داؤد باسناد جید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجراً فوضعہ عند رأس عثمان بن مظعون وقال اعلم بہ قبر اخی وادفن الیہ من مات من اھلی فان الکتابة طریق الیٰ تعرف القبر بھا نعم یظھر ان محل ھذا الاجماع العملی علی الرخصة فیھا ما اذا کانت الحاجة داعیة الیہ فی الجملة کما اشار الیہ فی المحیط بقولہ وان احتیج الی الکتابة حتی لا یذھب الاثر ولا یمتھن فلابأس بہ فاما الکتابة بغیر عذر فلا الخ. (مطلب فی دفن المیت شامی ص ۸۳۹ ج ۱)

غایۃ الاوطار میں ہے:۔ ولا بأس بالکتابة ان احتیج الیھا حتی لا یذھب الاثر ولا یمتھن. اور

سراجیہ کے باب الجنائز میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں لکھنے کا قبر پر اگر اس کی ضرورت ہو اس غرض سے کہ اس قبر کا نشان نہ جاتا رہے اور پامال نہ ہو مسلم نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا قبروں کے گچ کرنے اور ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ حاجت نہ ہو اور لاباُس کہنے سے اشارہ ہوا کہ باوجود حاجت کے نہ لکھنا بہتر ہے۔(غایۃ الاوطار ص ۴۲۱ ج ۱)

کچی، سادہ اور پائمال قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے۔ میت کے ساتھ محبت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی قبر پر کتبہ لگایا جائے اس کی قبر پختہ اور مزین بنائی جائے، البتہ سورت، بھروچ بلسار ضلع کے باشندے عموماً بیرون ملک افریقہ، برطانیہ وغیرہ میں مقیم ہیں اور گاہے گاہے وہ اپنے وطن آتے رہتے ہیں، ان کی غیوبت میں ان کے والدین، اعزہ اقرباء اور متعلقین کا انتقال ہو جاتا ہے، ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے والدین وغیرہ کی قبر کی زیارت کریں، اگر قبر پر کتبہ لگا ہوا ہو تو آسانی سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے اور قبر پر حاضر ہو کر ان کو یک گونہ تسلی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اگرچہ یہ بہت کم درجہ کی ضرورت ہے تاہم اس ضرورت کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، خاص کر جب کہ کوئی ایسا عالم اور صالح شخص ہو جو مرجع خلائق اور ہر دلعزیز ہو، لہذا اسے پیش نظر رکھتے ہوئے حسب ضرورت نام اور تاریخ وفات لکھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، قرآنی آیات، القاب، اشعار وغیرہ نہ لکھے جائیں مندرجہ بالا حوالہ جات سے اس کی گنجائش ثابت ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو بطور قرض دینا کیسا ہے؟

(استفتاء ۱۳۳) ہماری یہاں ایک سوسائٹی (خدائی خدمت گار) کے نام کی ہے۔ جس کے نام سے نوجوان طبقہ نے بستی سے چندہ کر کے کافی رقم جمع کی ہے۔ چندے کی کثیر رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اب اس سے غریب طبقہ کو بطور قرض دیتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اس سے تجارت کریں۔ منافع ہونے پر اصل رقم بلا سود کے واپس دے دیتے ہیں تو غریب کو یہ رقم دینا شرعاً کیسا ہے؟ اگر ان کے پاس سے واپس نہیں لے سکتے ہیں تو واپس وصولیابی کی کوئی جواز کی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کی جائے۔ کسی غریب کو قرض کے طور پر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر صاحب زکوٰۃ کی طرف سے اجازت ہو تو بھی جائز نہیں ہے۔ اور جب تک اس کے مصرف میں تملیکاً نہ دی جائے۔ یعنی جب تک اس ضرورت مند غریب کو جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی۔ اس رقم کا مالک نہ بنا دیا جائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا زکوٰۃ کے حق دار کو بطور قرض کے نہیں ویسے ہی دے دی جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقروض اگر قرض رقم کی زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی:

(سوال ۱۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا پھر باہمی رضامندی سے سال کے اختتام پر بکر نے اس رقم کی زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردی تو کیا زید کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟ یا زید کے ذمہ ادا کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسرا آدمی اجازت لے کر اپنی رقم سے صاحب مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے،(۲) مگر بکر نے زید سے روپیہ قرض لیا ہے اس وجہ سے اس کا ادا کرنا سود شمار ہوگا لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زید کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہے گی۔(۳) فقط واللہ اعلم۔

سونے کی زکوٰۃ موجودہ قیمت کے اعتبار سے دی جائے!:

(سوال ۱۳۵) میرے پاس چودہ تولہ سونا ہے اور وہ میں نے چھ سو روپیہ تولہ کے حساب سے خریدا تھا اب اس وقت اس کی قیمت ایک ہزار روپیہ تولہ ہے تو زکوٰۃ چھ سو روپیہ کے حساب سے نکالی جائے یا ایک ہزار کے حساب سے نکالی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وشرعاً تملیک جزء مال عینه الشاع من مسلم فقیر ولو معتوها غیر هاشمی ولا مولاہ مع قطع لمنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ، قوله الله تعالیٰ متعلق بتملیک ای لأجل امتثال امره تعالیٰ در مختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۲۵۸

(۲) رجل ادی زکاة غیره عن مال ذلک الغیر فاجازه المالک فان کان المال قائما فی ید الفقیر جاز والا لا کذا فی السراجیة، فتاویٰ عالمگیری کتاب الزکاة ج ۱ ص ۱۷۱

(۳) وفی الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو بالقرض علی ان یکتب به الی بلد کذا لیوفی دینه. درمختار مع الشامی. فصل فی القرض.

(الجواب) اس وقت کی موجودہ قیمت یعنی ایک ہزار روپے کے حساب سے زکوۃ دینا ضروری ہے، خریدنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے (وجاز دفع القیمة فی زکوة وعشر وخراج وصدقة فطر ونذر وکفارة غیر الاعتاق)وتعتبر القیمة یوم الوجوب ویقوم فی البلدالذی المال فیه الخ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۹ باب زکوة الغنم)فقط واللہ اعلم بالصواب .

حولان حول سے پہلے زکوۃ کی رقم دوسری جگہ بھیجنا:

(سوال ۱۳۶) زکوۃ کی رقم دوسری جگہ بلا وجہ شرعی بھیجنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی شخص زکوۃ کی ادائیگی واجب ہونے سے پہلے (یعنی سال گذرنے) سے پہلے) زکوۃ کے پیسے دوسری جگہ بھیجے تو کیا یہ بھی مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حولان حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا مکروہ نہیں۔ فتاوی خیریہ میں ہے۔ انما تکره نقلها اذا کان فی حینها بان اخرجها بعد الحول اما اذا کان الاخراج قبل حینها فلا بأس بالنقل کما فی الجوهرة (فتاوی خیریة ج ۱ ص ۱۶ کتاب الزکوة)فقط واللہ اعلم .

نابالغ پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۳۷) ایک کمسن بچی ہے، اس کی میراث کی رقم جمع ہے، اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نابالغ کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے (وشروط وجوبها) ای افتراضها (العقل والبلوغ و لاسلام والحریة الخ)(مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۹۱ کتاب الزکوة)فقط واللہ اعلم بالصواب

زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا:

(سوال ۱۳۸) زکوۃ کے پیسے دوسری جگہ بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب دوسری جگہ کے لوگ غریب محتاج ہوں یا اعزا، واقارب ہوں اور وہ ضرورتمند ہوں، یا اس جگہ لوگ دینی تعلیم میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کو زکوۃ کے پیسے بھیجنے میں مضائقہ نہیں بلکہ بعض مواقع میں زیادہ ثواب ملے گا جب کہ اخلاص نیت ہو۔ ہدایہ میں ہے:۔

ویکره نقل الزکوة من بلد الی بلد وانما تفرق صدقة کل فریق فیهم الا ان ینقلها الانسان الی قرابته اوالی قوم هم احوج من اهل بلده لما فیه من الصلة او زیادة دفع الحاجة (هدایه اولین ص ۱۸۸ باب من یجوز دفع الصدقات الیه وما لا یجوز)فقط واللہ اعلم.

پیشگی زکوۃ ادا کرنا:

(سوال ۱۳۹) حولان حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صاحب نصاب ہوجانے سے زکوۃ کا نفس وجوب آجاتا ہے اور حولان حول یعنی ایک سال پورا ہونے کے بعد وجوب ادا یعنی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اگر کوئی وجوب ادا سے پہلے زکوۃ ادا کرے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی بعد میں ادا کرنا ضروری نہیں (ولو عجل ذونصاب) زکاته (لسنین او لنصب صح) لوجود السبب (درمختار) (قوله لوجود السبب) ای سبب الوجوب وهوملک النصاب النامی فیجوز التعجیل

لسنة او اکثر الخ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۶ کتاب الزکوة بعد مطلب استحلال المعصية القطعية کفر)(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۱۵)فقط واللہ اعلم .

سفیر کا زکوۃ کی رقم تبدیل کرنا:

(سوال ۱۴۰) زید بمبئی میں ایک مدرسہ کا چندہ کرتا ہے اور چندہ میں زکوۃ، فطرہ کی رقومات بھی ملتی ہیں، چندہ کی مد میں زید کے پاس مثلاً پانچ ہزار روپے جمع ہوگئے اور اس نے اپنے گھر پر اپنے بھائی کو لکھدیا کہ مدرسہ میں میرا نام لے کر پانچ ہزار روپے جمع کرادینا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ مقصد سوال یہ ہے کہ چندہ میں جو رقم جمع ہوئی ہے اس کے بدلے دوسری اتنی ہی رقم مدرسہ میں جمع کرادی جائے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کے چندہ کی زکوۃ کی رقم مدرسہ میں بھیجنے کے بجائے اپنے بھائی کو یہ لکھدیا کہ پانچ ہزار روپے مدرسہ میں جمع کرادو یہ صورت جائز ہے،[1] ارباب مدرسہ جب زکوۃ کی رقم زکوۃ کے مصرف میں خرچ کریں گے اس وقت زکوۃ ادا ہوگی۔

نوٹ:

مدرسہ میں رقم جمع کرادینے کے بعد زید اگر مدرسہ کی رقم اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا چاہے تو استعمال کرسکتا ہے، مدرسہ میں رقم جمع کرانے سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے:

(سوال ۱۴۱) ہمارے ملک برما میں دینی تعلیم کے بہت سے ادارے ہیں، جہاں غریب بچوں کے لئے کھانے پینے، دارالاقامہ، دوا اور کتابوں کا انتظام کیا جاتا ہے، ارباب مدرسہ پورے ملک میں گھوم کر چندہ کرتے ہیں جس میں زکوۃ فطرہ کی رقم بھی ہوتی ہے اور یہ رقم خزانچی کے پاس جمع رہتی ہے، اسی کے پاس سے ارباب مدرسہ طلبہ پر خرچ کرتے ہیں، یہاں ایک عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ زکوۃ کی رقم میں جب تک تملیک نہ ہو تو زکوۃ ادا نہیں ہوتی، لہذا اگر بغیر تملیک کے بچوں پر خرچ کی جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوتی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عالم کا کہنا صحیح ہے، زکوۃ ادا ہونے کے لئے تملیک شرط ہے طلباء کو کھانا پکا کر کھلانے میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ درمختار میں ہے (هی تملیک) خرج الاباحة فلو اطعم یتیما ناویاً الزکاة لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کما لو کساه (درمختار ج ۳ ص ۳ کتاب الزکوة) لہذا مستحق طلباء کو زکوۃ کی رقم دے دی جائے اور ہدایت کی جائے کہ کھانے کی فیس ادا کردو پھر وہ رقم کھلانے میں خرچ کی جائے، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور طلباء کو کھانا بھی مل جائے گا یا کھانا مستحقین کو دے کر مالک بنادیا جائے جیسا کہ دیوبند، سہارنپور میں ہوتا ہے، ایک صورت یہ بھی ہے کہ جوتا، چھتری، کپڑا اور ضرورت کی چیزیں زکوۃ کی رقم سے خرید کر طلباء کو دے دی جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قلت ان الدراهم لا تتعین بالتعیین فهی وان کانت لاینتفع بها مع بقاء عینها لکن بدلها قائم مقامها لعدم تعینها کانها باقیة در مختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی وقف الدراهم والدنانیر

زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر، ڈرافٹ سے بھیجنا

(سوال ۱۴۲) چندہ میں زکوٰۃ کی رقم جمع ہوتی ہے ان رقوم کو لے کر سفر کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا اس لئے سفراء وہ رقم بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ مدرسہ کو روانہ کر دیتے ہیں ایسی صورت میں وہ نوٹ جو زکوٰۃ میں ملے ہیں تبدیل ہوجاتے ہیں، یہاں ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جو نوٹ زکوٰۃ میں آئے ہیں وہ تبدیل نہ ہونے چاہئیں، تو زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر یا ڈرافٹ سے روانہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر اور ڈرافٹ بھیجی جاسکتی ہے، کیونکہ مجبوری ہے، اس لئے اس طرح کی تبدیلی سے زکوٰۃ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑے گا، [1] منی آرڈر وغیرہ کی فیس میں زکوٰۃ، فطرہ کی رقم استعمال نہیں کی جاسکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی کچھ رقم تاخیر سے ادا کرنا:

(سوال ۱۴۳) ایک شخص زکوٰۃ کی رقم رمضان میں تقسیم کرتا ہے اور اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس اس نیت سے رکھتا ہے کہ آئندہ کوئی ضرورت مند آئے گا تو اس وقت یہ رقم کام آئے گی تو کیا یہ جائز ہے، جواب عطا فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مال نصاب پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوجاتی ہے اور مفتی بہ قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی علی الفور واجب ہے لہذا جبکہ مستحقین کی کمی نہیں ہے تو جتنا ہو سکے جلد ادا کر کے اس فریضہ سے سبکدوش ہوجانا چاہئے، جتنی تاخیر کی جائے گی فریضہ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی طحطاوی میں ہے وھی واجبة علی الفور وعلیه الفتویٰ فیأثم بتاخیرھا بلا عذر و ترد شھادته (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۸۸ کتاب الزکوٰۃ)

درمختار میں ہے (وافتراضها عمری) ای علی التراخی وصححه الباقانی وغیره (وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیه الفتویٰ) کما فی شرح الوھبانیة (فیأثم بتاخیرھا) بلا عذر (وترد شھادته) لان الامر بالصرف الی الفقیر معه قرینة الفور (درمختار) شامی میں ہے (قوله فیأثم بتاخیرھا) ظاھره الاثم بالتاخیر ولو قل کیوم او یومین لانھم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال ان لا یؤخر الی العام القابل لما وا فی البدائع عن المنتقیٰ اذا لم یؤد حتی مضی حولا فقد اساء واثم ا ه فتامل (درمختار و شامی ص ۱۷ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ) اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق معمولی تاخیر کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیجنے کے جواز پر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس وقت مصرف کے پاس پہنچ جاوے گا زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ مسائل متفرقہ متعلقہ زکوٰۃ عزیز الفتاویٰ ص ۳۶۸۔

وکیل زکوٰۃ کی رقم صرف کر ڈالے اور اپنی رقم سے زکوٰۃ ادا کرے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۱۴۴) ایک شخص نے اپنی زکوٰۃ کی رقم دوسرے شخص کو دی، اور مقصد یہ ہے کہ تم یہ رقم اپنے پاس رکھو جب کوئی شخص میرا رقعہ لے کر آئے یا تم کو کوئی مستحق ملے تو تم اس رقم میں سے دے دینا، وہ شخص زکوٰۃ کی رقم پہلے اپنے کام میں خرچ کر ڈالے اور بعد میں اپنی رقم دیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ طریقہ غلط ہے اس طرح کرنے سے اس شخص کی (یعنی مؤکل کی) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جس شخص کو زکوٰۃ کی رقم برائے تقسیم دی گئی ہے اسے چاہئے کہ وہی رقم محفوظ رکھے اور اسی رقم سے تقسیم کرتا رہے، البتہ کسی وقت کوئی مستحق مل جاوے اور زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس موجود نہ ہو اور وہ شخص اس نیت سے اپنی رقم دے دے کہ زکوٰۃ کی محفوظ رقم میں سے اتنی رقم وصول کر لوں گا تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر وصول کرنے کی نیت کے بغیر اپنی رقم دے دے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور وہ شخص متبرع کہلائے گا، اس کو اس کا ثواب ملے گا۔

درمختار میں ہے۔ ولو تصدق (الوکیل) بدراھم نفسه اجزأ ان کان علی نیة الرجوع وکانت دراھم المؤکل قائمة (درمختار) شامی میں ہے (قوله ولو تصدق الخ) ای الوکیل بدفع الزکاة اذا امسک دراھم المؤکل ودفع من ماله لیرجع ببدلھا فی دراھم المؤکل صح بخلاف ما اذا انفقھا اولاً علی نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فھو متبرع الخ (درمختار و شامی ص ۱۵ ج ۲، کتاب الزکوٰۃ)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ:۔ کسی غریب کو دینے کے لئے تم نے دو روپے کسی کو دیئے لیکن اس نے بعینہ وہ روپے فقیر کو نہیں دیئے جو تم نے دیئے تھے بلکہ اپنے پاس سے دو روپیہ تمہاری طرف سے دے دیئے اور یہ خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی بشرطیکہ تمہارے روپے اس کے پاس موجود ہوں اور اب وہ شخص اپنے دو روپے کے بدلہ میں تمہارے وہ دونوں روپے لے لیوے، البتہ اگر تمہارے دیئے ہوئے دو روپے اس نے پہلے خرچ کر ڈالے اس کے بعد اپنے روپے غریب کو دیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی یا تمہارے روپے اس کے پاس رکھے تو ہیں لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیت نہیں تھی کہ میں وہ روپے لے لوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اب وہ دونوں روپے پھر زکوٰۃ میں دے دے (بہشتی زیور ص ۳۳ تیسرا حصہ، زکوٰۃ ادا کرنے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سونے کی چند سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا باقی ہے تو کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟:

(سوال ۱۴۵) ایک شخص کے پاس تمیں تولہ سونا ہے، سات سال سے اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اب وہ شخص گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شخص مذکور پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے ہر سال کے سونے کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے اول سال تو پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے اس کے بعد قدر واجب وضع کرنے کے بعد ادا کرے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے وقت ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ جو واجب ہے ادا کی جاوے گی یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی۔

(الجواب) اول پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے سال اس قدر واجب کے منہا کرنے کے بعد بقیہ کی واجب ہے وعلیٰ ہذا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۳۶ ج ۲، مطبوعہ دیوبند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرض کی معافی سے زکوٰۃ کی ادائیگی:

(سوال ۱۴۶) ایک مسلمان شخص ہمارے یہاں ملازم ہے جس پر ہمارے تقریباً سات ہزار روپے قرض ہیں، اور وہ دوسروں کا بھی مقروض ہے، وہ قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے ہمارا خیال ہے کہ قرض کی رقم زکوٰۃ میں شمار کرکے اسے قرض سے سبکدوش کردیا جائے، کیا اس طرح کرنے سے قرض کے بقدر زکوٰۃ ادا ہوگی؟

(الجواب) قرض کی معافی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو (بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہو اور زکوٰۃ کا مستحق ہو تو) زکوٰۃ کی رقم بطور تملیک دے دے، پھر اس رقم سے قرض وصول کرلیا جائے، اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور وہ قرض سے بری بھی ہوجائے گا۔

واعلم ان اداء الدین عن المال الذی عندہ لا یصح والحیلة ان یعطی المدیون زکاته ثم یاخذها عن دینه (طحطاوی ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کرسکنے سے کیا زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی؟:

(سوال ۱۴۷) ایک شخص ناواقفیت یا مجبوری کی وجہ سے رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کرسکا تو کیا بعد رمضان زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کرسکا تو معاف یا ساقط نہ ہوگی بلکہ رمضان کے بعد ادائیگی ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوا۔[1]

خالہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا حیلہ:

(سوال ۱۴۸) میری خالہ (جو سیدہ نہیں) غریب اور ضعیف ہیں، آنکھوں میں موتیا ہے، نیز وہ صاحب نصاب بھی نہیں ہیں ان کو زکوٰۃ کی رقم دے کر یہ کہو کہ اس میں سے اتنی رقم آپ رکھ لیں اور اتنی میری ہمشیرہ کو دے دیں، تو کیا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خالہ صاحب نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، مگر زکوٰۃ کی رقوم یہ کہہ کر دینا کہ اتنی رقم آپ رکھ لیں اور اتنی میری ہمشیرہ کو دے دیں، یہ صورت شرعی حیلہ کی نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مستحق زکوٰۃ کو مکمل طور پر مالک ومختار

(۱) لانه، اذا انفق المستاجر لدار الوقف علی عمارتها الضروریة بامر القاضی للضرورة الداعیة الیه لیکون بمنزلة استقراض المتولی من المستاجر فاذا قبض کله اواربعین درهما منه ولو بانقطاع ذلک من اجرة الدار تجب زکاته لما مضی من السنین شامی مطلب فی وجوب الزکاة فی دین المرصد. فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

بنائے بغیر حیلہ صحیح نہیں ہوتا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ میں حیلہ کرکے اس سے افطاری:

(سوال ۱۴۹) ایک شخص نے بمد زکوٰۃ پانچ سو روپے ماہ مبارک میں حلیم بنانے کی غرض سے مسجد کے خادم کو دیئے تا کہ وہ آٹھ روز بعد حیلہ کرکے مسجد میں دے دے، آیا اس رقم سے حلیم بنانا درست ہے؟ علاوہ ازیں اہل محلہ سے چندہ لے کر مذکورہ رقم میں اضافہ کرکے حلیم بنانا کیسا ہے؟ یہ طریقہ مدت سے جاری ہے۔

(الجواب) رقم زکوٰۃ سے علیحدہ حلیم بنوا کر مستحقین زکوٰۃ کو تملیکاً دیدیا جاوے تو جائز ہے۔ مالدار شخص کو دینا جائز نہیں، رقم زکوٰۃ پورے طور پر مستحق کی ملک میں دینے کے بعد وہ اپنی دلی رضامندی سے یا کسی کی ترغیب سے بغرض ثواب دے تو جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی خادم کو بطور امانت یا وکالت دینے سے حیلہ صحیح نہ ہوگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی نظیرہ وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما (طحطاوی ص ۳۹۳ .شامی کتاب الزکوٰۃ ۲/۸۶) فقط.

مال تجارت میں زکوٰۃ میں مال ہی دینا یا اس کی قیمت ادا کرنا دونوں درست ہے:

(سوال ۱۵۰) مال تجارت پر زکاۃ کا حساب کرتے وقت قیمت خرید پر نفع کا اضافہ کیا جائے اور پھر زکوٰۃ نکالی جائے؟ گویا ایک لاکھ کا مال ہو اس پر پچاس فی صد کا اضافہ کیا جائے ایسے تاجر کی طرف سے جس کی حد منافع پچاس فیصد ہو تو گویا ایک لاکھ کے مال پر ڈیڑھ لاکھ کی زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، اگرچہ آج وہ مال ایک لاکھ میں مل سکتا ہے، تو اس صورت میں تاجر کو نفع اسی میں ہے کہ نقد کے بجائے وہ مال زکوٰۃ میں دیدے، لیکن اس صورت میں مدارس اسلامیہ کو نقصان ہے کیونکہ جو مال ہمارے یہاں دوکانوں میں ہوتا ہے وہ مدارس اسلامیہ کے طلبا نہیں پہنتے (مثلاً سوٹ، پتلون، قمیص وغیرہ) اور زکوٰۃ کی علیحدہ کردہ رقم کے علاوہ اپنی طرف سے اتنی رقم کا کوئی سامان خرید لے پھر وہ رقم جو علیحدہ کی تھی اپنے پاس رکھ لے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! سال پورا ہونے پر جس قدر مال تجارت ہو اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے، مال تجارت کی زکوٰۃ مال تجارت سے ادا کرنا بھی جائز ہے اور اس کی قیمت (نقد رقم) دینا بھی جائز ہے، غریبوں کے لئے جو نفع صورت ہو اور جس میں غریب کی حاجت بطریقۂ اتم پوری ہو اسے اختیار کیا جائے صرف اپنا مفاد پیش نظر نہ رکھا جائے، ہدایہ میں ہے ویجوز دفع القیمة فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر ...... الخ (هدایه اولین ص ۱۷۵ فصل فی الغنم) لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ کپڑے (سوٹ پتلون) طلباء کے کام کے نہیں تو زکوٰۃ میں کپڑے دینے سے کیا فائدہ؟ بلکہ ایسے کپڑے دے کر ان کی عادت بگاڑنا ہے، لہٰذا ایسے کپڑے دینے کے بجائے یا تو نقد رقم دی جائے یا ایسی چیز دی جائے جو طلبہ کے کام کی ہو۔

(۱) وقدمنا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یا مره بفعل هذه الاشیاء. قال فی الشامیة تحت قوله ثم یا مره الخ ...... وفی التعبیر بثم اشارة الی انه لو امره اولا لا یجزی. در مختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۵. البتہ بھن کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

جس شخص پر زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے اس نے زکوٰۃ کی نیت سے رقم علیحدہ کر کے رکھی ہو تو وہی رقم ادا کرنی ضروری نہیں ہے، اگر کسی موقعہ پر اپنے پاس سے زکوٰۃ کی نیت سے رقم دے یا اپنی رقم سے کوئی چیز خرید کر زکوٰۃ کی نیت سے مستحق زکوٰۃ کو وہ چیز دے دے تو یہ بھی جائز ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور بعد میں اتنی رقم زکوٰۃ کے لئے علیحدہ کی گئی رقم میں سے نکال لی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

(سوال ۱۵۱) فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت نفع کو بھی شامل کیا جائے مثلاً سو روپے کا مال اور پچاس روپے منافع شامل کر کے ڈیڑھ سو پر زکوٰۃ دی جائے نفع کبھی یکساں نہیں ہوتا، اور وہ ہی مال جس پر ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جاتی ہے ہم سو میں خرید سکتے ہیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت وہ مال جتنی رقم میں فروخت ہو سکتا ہو اس رقم کا اعتبار کیا جائے، (۱) منافع کم وبیش ہونے کا امکان ہو، مثلاً شرح کمیشن یکساں نہ ہو، کم زیادہ ہوتا رہتا ہو تو اندازہ سے درمیانی نفع (جس پر شرح صدر ہو اور دل اسے قبول کر لیتا ہو) کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کریں، کچھ زیادہ ادا ہو جائے اسی میں احتیاط ہے، کم ادا نہ ہو اس کا پورا خیال رکھا جائے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے۔ الجواب، مکان تجارت کی نیت سے بنایا جارہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا مکان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۳۷۰) (۲)

مال تجارت کی زکوٰۃ میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

(سوال الف/۱۵۱) فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ مال تجارت کی زکوٰۃ نکالتے وقت نفع کو بھی شامل کیا جائے، مثلاً سو روپے کا مال ہے اور پچاس روپے منافع ہیں تو پچاس روپے شامل کر کے ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جائے، نفع کبھی یکساں نہیں ہوتا، وہی مال جس پر ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جاتی ہے ہم سو روپے میں بھی خرید سکتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت وہ مال جتنی رقم میں فروخت ہو سکتا ہو اس رقم کا اعتبار کیا جائے، منافع کم وبیش ہونے کا امکان ہو مثلاً شرح کمیشن یکساں نہ ہو کم زیادہ ہوتا رہتا ہو تو اندازہ سے درمیانی نفع (جس پر شرح صدر ہو اور دل اسے قبول کر لیتا ہو) کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کر دیں، کچھ زیادہ ادا ہو جائے اسی میں احتیاط ہے کم ادا نہ ہو اس کا پورا خیال رکھا جائی فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے، الجواب: مکان تجارت کی نیت سے بنایا جارہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا، مکان کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۷۰ ج ۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کما فی البحروان ادی قیمتها فعنده تعتبر یوم الوجوب فی الزیادة والنقصان وعند هما فی الفصلین یعتبر یوم الاداء، بحر الرائق فصل فی الغنم تحت قوله او دفع القیمة. م

(۲) جدید ترتیب کے مطابق، باب مایوجب فیہ الزکوٰۃ میں، تجارت کی نیت سے مکان بنایا ہے الخ کے عنوان سے دیکھیں ص ۱۵۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب مایوجب فیہ الزکاۃ ومالایوجب

شیئرز پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۲) شیئرز پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، اگر ہے تو اصلی پونجی پر یا منافع (DIVIDAND) ڈیویڈنڈ پر تفصیل فرمائیں

(الجواب) شیئرز پر زکوٰۃ ہے۔ شیئرز پر جو کمپنی تجارت کرتی ہے جیسا کہ ریشم اور کپڑے کے کارخانے، لوہا اور سامان بنا کر تجارت کرنے والے کارخانے اور بجلی کمپنی وغیرہ۔ تو اصلی رقم اور اس کے نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱) اور جو کمپنی تجارت نہیں کرتی محض کرایہ وصول کرتی ہے۔ جیسا کہ ریلوے کمپنی وغیرہ۔ تو زکوٰۃ صرف نفع پر واجب ہے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصوب

گھر کی ضروری چیزوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟:

(استفتاء ۱۵۳) ذیل میں مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز میں زکوٰۃ ہے؟ (۱) کرسی، میز، صندوق اور مکان کا فرنیچر (۲) زری کے بھرے کپڑے (۳) استعمالی کپڑے (۴) سردی گرمی کے کپڑے (۵) بلڈنگ۔ رہائش کا مکان۔ کرایہ کا گھر (۶) شیشہ کے گلاس وغیرہ جو مکان کی زینت کے لئے ہوتے ہیں (۷) کپڑے بننے کی مشین اس کے ساتھ دوسری مشینیں (۸) استعمالی موٹر (۹) گھڑی (۱۰) ریڈیو (۱۱) بجلی کے پنکھے (۱۲) کپڑے سینے کی مشین وغیرہ؟

(الجواب) (۱) اس میں زکوٰۃ نہیں ہے (۲) زری کی کپڑوں میں سونا، چاندی نصاب کی مقدار ہو یا دونوں مل کر ایک نصاب کی مقدار ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (۳) نمبر ۳ سے نمبر ۱۲ تک کی کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں۔ (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

سونا چاندی اور اس کے زیورات اور تجارتی اشیاء میں زکوٰۃ ہے۔ اس کے علاوہ میں زکوٰۃ نہیں۔ مشنری میں جو تجارتی نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہیں اس کی آمدنی میں زکوٰۃ ہے۔ جب حوائج اصلیہ سے فاضل ہو کر نصاب کو پہونچے اور حولان حول ہو جائے یعنی سال پورا ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کا نصاب کتنے روپے ہیں؟:

(سوال ۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کی مسئلہ میں:۔ (۱) سونے اور چاندی کا مقرر کردہ نصاب کسی شخص کے پاس موجود نہیں ہے تو فی زمانہ کتنے روپے نقد ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی؟ (۲) ساڑھے سات تولہ سونے کے وزن کی زکوٰۃ موجودہ گرام کے اعتبار سے کتنے گرام نکالنی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(۱) ومن كان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکا سواء کان المستفاد من نمائه اولا الخ (فتاوی عالمگیری کتاب الزکوة)

(۲) ولو اشتری قدورا من صفر یمسکها ویو اجرها لا تجب فیها الزکاة کما لا تجب فی بیوت الغلة فتاوی عالمگیری الفصل الثانی فی العروض ج ۱ ص ۱۸۰

(۳) فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید للخدمة وسلاح الاستعمال زکوة فتاوی عالمگیری کتاب الزکوة ج ۱ ص ۱۷۲

(الجواب) جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے اتنے روپے کے مالک کو صاحب نصاب (نصاب والا شخص) قرار دیا جائے۔ (۲) چالیسواں حصہ نکالنی ہوگی۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۱) پروویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ (۲) اپنی مرضی سے رقم کٹوائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے:

(سوال ۱۵۵) میں سرکاری ملازم ہوں میری تنخواہ میں سے سرکار پروویڈنٹ فنڈ کے طور پر ماہانہ نو روپے لازماً کاٹ لیتی ہے مگر میں مزید اکتالیس روپے جمع کرنے کے لئے اپنی مرضی سے لکھ دیتا ہوں اس طرح اب ہر مہینے لازماً پچاس روپے کٹتے ہیں اور اب ان میں کمی بیشی کی بالکل گنجائش نہیں اور اس زائد رقم پر بھی وہی قانون لگتا ہے جو پروویڈنٹ فنڈ پر لگتا ہے کہ ریٹائر ہونے سے پہلے نہیں ملے گی تو میرے ذمہ زائد رقم اکتالیس روپے کی زکوٰۃ فی الحال ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو ۹ روپے لازماً کٹتے ہیں اور اس پر جو مزید رقم ملے گی یہ سب سرکاری انعام ہے اس پر زکوٰۃ کا مسئلہ ملنے اور قبضہ میں آنے کے بعد جاری ہوگا ملنے سے پہلے نہیں۔ البتہ جو رقم ماہانہ (اکتالیس ۴۱ روپے) جمع کرنے کی آپ نے اپنی مرضی سے منظوری دی ہے اس میں زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا اگرچہ وہ آپ کے قبضہ میں نہیں ہے، جس طرح ہم کسی کو اپنے مرضی سے قرض دیتے ہیں اس پر بھی ہمارا قبضہ نہیں ہوتا مگر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح ہم نے جو رقم کسی کے پاس امانت رکھی ہے اس پر بھی ہمارا قبضہ نہیں ہے مگر وہ ہماری ملک ہے اور ہم نے اپنی مرضی سے امانت رکھوائی ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی زکوٰۃ واجب ہے. (۲) اور اس رقم پر سود کے نام سے جو رقم ملے گی وہ سود ہوگی کیونکہ وہ آپ کی ذاتی رقم کے حساب میں دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کچھ نقد رقم یا کچھ مال تجارت ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۶) کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہے صرف پانچ سو روپے ہیں تو اس رقم پر سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا اسی طرح دوکان ہے جس میں سات آٹھ سائیکلیں اور اس کی ضرورت کا تھوڑا بہت سامان ہے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح سائیکل یا اور کوئی سامان تجارت کے لئے ہو اور وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے (۳)

(۱) فافاد ان التقويم انما يكون بالسكوك عملاً بالعرف مقوما باحدهما ان يستويا ، فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ باحدهما نصابادون الأخر تعين ما يبلغ به ولو بلغ بأحدهما نصا باوخمسا وبالآخر اقل قومه بالأ نفع للفقير سراج ، ربع عشر درمختار مع الشامى باب زكاة المال ج. ۲ ص ۲۹۹.

(۲) فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة ...... ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فى الاصح درمختار مع الشامى مطلب فى وجوب الزكاة فى دين المرصد

(۳) أو فى عرض تجارة قيمته نصاب الجملة من ذهب او ورق مقوما بأحدهما ان استويا الخ درمختار مع الشامى باب زكاة المال ج. ۲ ص ۲۹۸

اگر سائیکل اور دوکان کا سامان کرایہ پر دیا جاتا ہو تو آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی مالیت پر نہیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم .

ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۷) ایک عورت کے پاس ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی جمع ہیں تو یہ عورت زکوٰۃ لے سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت شریعت کی نظر میں مالدار شمار ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ جب کہ آج ایک تولہ سونے کی قیمت سات سو روپے ہیں اور چاندی کی قیمت سولہ روپے ہیں تو اس حساب سے ڈیڑھ تولہ سونے کی قیمت مبلغ -/۱۰۵۰ روپے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت مبلغ -/۸۴۸ روپے ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ اس عورت کے پاس اپنی ضرورت اور قرض سے زائد ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی جمع ہیں تو یہ صاحب نصاب ہے اور مالدار ہے لہذا یہ عورت زکوٰۃ نہیں لے سکتی اور سال بھر صاحب نصاب رہی تو زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گا۔ مراقی الفلاح میں ہے وتضم قيمة العروض الى الثمنين والذهب الى الفضة قيمة (ص ۴۱۶ كتاب الزكوة) ہدایہ میں ہے ويضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سبباً ثم تضم بالقيمة عند ابى حنيفة رحمه الله الخ (هدايه اولين ج ا ص ۱۷۲ باب زكوة المال فصل فى العروض) فقط والله اعلم بالصواب.

استعمالی برتن اور کپڑں کی زکوٰۃ کا حکم:

(سوال ۱۵۸) میرے گھر میں ایسے برتن ہیں جو روزمرہ استعمال میں نہیں آتے، گاہے گاہے مہمان آنے پر استعمال کئے جاتے ہیں، ان کی قیمت تقریباً ایک ہزار روپے ہیں کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟ اسی طرح کپڑے ہیں جو سال میں ایک دو بار عیدیں وغیرہ خوشی کے موقعہ پر پہنے جاتے ہیں، یہ بھی ہزار روپے کے ہیں کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) استعمالی برتن اور کپڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں ان کپڑوں میں اگر سچا کام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی (ولا فى ثياب البدن) المحتاج اليها لدفع الحرو البرد (واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) درمختار مع الشامى. ج ۲ ص ۱۰ كتاب الزكاة) تجارتی سامان اور تجارتی کپڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

ورثاء کے لئے رقم جمع کی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۹) ایک آدمی نے اپنی جائداد اپنی زندگی میں بیچ دی اور وہ رقم اپنے ورثاء کے لئے جمع کر رکھی ہے تو اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی الحال وہ شخص اس رقم کا مالک ہے، اس لئے اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويواجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب فى بيوت الغلة ، فتاوى عالمگيرى الفصل الثانى فى العروض ج ا ص ۱۸۰

مقروض کے پاس سونا ہوتو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۰) ایک شخص مقروض ہے اور اس کے پاس کچھ سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس جو سونا یا سونے کے زیورات ہوں وہ زیورات استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں اگر وہ ساڑھے سات تولہ ہو، یا اگر کم ہو مگر اس کے پاس چاندی یا اس کا زیور ہو یا نقد رقم ہو، یا تجارتی مال ہو اور سونا چاندی مل کر، یا نقد رقم اور سونا مل کر، یا تجارتی مال اور سونا مل کر اتنی مالیت کا ہو جائے کہ سونے یا چاندی کا نصاب بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ومن کان علیہ دین یحیط بمالہ فلا زکوۃ علیہ ون کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً لفراغہ عن الحاجۃ (ہدایہ اولین ص ۱۶۶ کتاب الزکوۃ)

دوسری جگہ ہے۔ وتضم قیمۃ العروض الی الذھب والفضۃ حتی یتم النصاب ویضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمنیۃ الخ (ہدایہ اولین ص ۱۷۶ باب زکوۃ المال فصل فی العروض) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

بوقت نکاح عورت کو جو زیور ملیں ان کی زکوٰۃ کا حکم

(سوال ۱۶۱) میرے بھائی کی شادی کو ایک برس ہو گیا انہوں نے شادی کے وقت اپنی بیوی کو آٹھ تولہ سونا (چڑھایا تھا) اور دو تولہ سونا لڑکی کو اس کی والدنے دیا تو کس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے بھائی کی بیوی کو جو سونا یا سونے کے زیورات بطور بخشش یا مہر کے بدلے میں ملے ہیں ان کی وہ مالک ہے اور زکوٰۃ اسی پر واجب ہوگی، اور اگر زیورات عاریۃ (یعنی صرف پہننے کے لئے) دیئے گئے ہیں تو ان کا مالک دینے والا ہے، جس کو دیا گیا ہے وہ مالک نہیں ہے اور جو مالک ہوتا ہے زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار وہی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو، ماں باپ کی طرف سے جو زیورات ملے ہیں ظاہر یہ ہے کہ وہ بطور بخشش ہیں اس لئے ان زیورات کی مالک لڑکی ہوگی، اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم صفحہ ۱۷۴ کی ایک عبارت کی تصحیح:

(سوال ۱۶۲) مخدوم ومکرم حضرت مفتی صاحب۔ ادام اللہ ظلکم سلام مسنون عرض خدمت اینکہ بندہ کو آپ کی تصنیف فتاویٰ رحیمیہ ج ۷، ص ۱۷۴ کی ایک عبارت سمجھ میں نہیں آسکی ہے، آپ اس کا حل فرمائیں۔ آپ ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) لو جھز ابنتہ وسلمہ الیھا لیس لہ فی الاستحسان استرداد منھا وعلیہ الفتوی واذا بعث الزوج الی اھل زوجتہ اشیاء عند زفافھا منھا دیباج فلما زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک اذا بعث الیھا علی جھۃ التملیک کذا فی فصول العمادیۃ ، فتاوی عالمگیری الفصل السادس عشر فی جھاز البنت ج ص ۳۲۷

(الجواب) گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ دینے والے پر ہے نہ کہ رکھنے والے پر (شامی ج ۲ ص ۹)۔۔۔۔ اولاً تو بندہ کو ایسی عبارت نہ مل سکی جو اس مفہوم پر دال ہو کہ شے مرہون پر بھی زکوٰۃ ہے بلکہ دیگر عبارات سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔ ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتھن (بحر الرائق. ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعہ مطبع علمیہ) اور عالمگیری میں ہے۔ ولا علی الرھن اذا کان الرھن فی یدالمرتھن (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۹) اور در مختار میں ہے. ولا فی مرھون بعد قبضہ دور علی ھامش رد المحتار (ج ۲ ص ۷) مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ). علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ ای لا علی المرتھن لعدم ملک الرقبۃ ولا علی الراھن لعدم الید (رد المحتار ج ۲ ص ۷) ان جملہ عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شئی مرہون میں بالکلیہ زکوٰۃ نہیں اور جناب کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ہے۔ بندہ کا گمان ہے کہ احقر کو آپ کی عبارت یا ان کتب کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے لہذا تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گستاخی معاف فرمائیں اور دعوات صالحہ میں یاد فرمائیں فقط والسلام مع الاحترام . احقر عبداللہ کان اللہ لہ'

(الجواب) عزیزم مولوی عبداللہ خالد سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ بعد سلام مسنون! محبت نامہ موصول شدہ کاشف احوال ہوا آپ کا اشکال درست ہے، حوالہ اور شامی کی عبارت لا علی المرتھن .ولا علی الراھن کے مطابق ہی جواب لکھا گیا تھا، کاتب نے کرم فرمائی کی اور لفظ ''کہ'' بڑھا دیا جس کی وجہ سے مسئلہ کی صورت بدل گئی، عبارت یوں تھی:۔

''گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ دینے والے پر ہے نہ رکھنے والے پر'' (یعنی دونوں پر زکوٰۃ واجب نہیں)

جدید ایڈیشن میں عبارت کی اصلاح کرلی جائے گی، انشاء اللہ، حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر اور علم نافع عطا فرمائے۔ آمین واللہ اعلم۔

تین تولہ سونا اور کچھ نقد رقم ہو اس کا حکم:

(سوال ۱۶۳) اگر کسی کے پاس سونا ساڑھے سات تولہ سے کم ہے مثلاً تین تولہ یا چار تولہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے اس کے پاس نقد روپے کتنے ہونے چاہئیں؟ ہمارے ملک برما میں بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ کسی کے پاس سونا نصاب سے کم ہو مثلاً تین تولہ سونا ہو اور اس کے ساتھ نقد پانچ روپے ہوں اور اس پر سال گذر جائے تو اس کا شمار صاحب نصاب میں ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کے برعکس ایک شخص چھ تولہ سونے کا مالک ہے اور اس کے ساتھ نقد رقم بالکل نہیں تو وہ صاحب نصاب نہ ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تین تولہ سونے کا مالک صرف نقد پانچ روپے ہونے کی وجہ سے صاحب نصاب ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص چھ تولہ سونے کا مالک ہوتے ہوئے نقد رقم نہ ہونے کی وجہ سے غیر صاحب نصاب ٹھہرتا ہے، آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) علمائے کرام نے جو بتلایا ہے وہ صحیح ہے، نقد پانچ روپے زائد از ضرورت اور تین تولہ سونا ہو تو زکوٰۃ اس لئے فرض ہو جاتی ہے کہ نقد رقم چاندی، سونے کے حکم میں ہے اور تین تولہ سونا اور نقد پانچ روپے مل کر ساڑھے باون تولہ

چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتے ہیں اس لئے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور دوسری صورت میں اس لئے زکوٰۃ فرض نہیں کہ اس کے پاس صرف سونا ہے، چاندی یا تجارتی مال یا نقد رقم نہیں ہے اس لئے نہ تو سونے کا نصاب بنتا ہے نہ چاندی کا، لہذا اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۱) جس سونے کے زیور میں دھت ملی ہو اس کی زکوٰۃ کا حکم (۲) زیور میں موتی جواہرات جڑے ہوں اس کی زکوٰۃ کا حکم (۳) زیور بنوائی کی اجرت کو زیور کے ساتھ شامل کیا جائے گا یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۴) ایک خاتون نے ستر گرام خالص سونے میں تیس گرام دھات تانبہ پیتل وغیرہ کی آمیزش کر کے اس کا زیور تیار کیا ہے، یہ کل سونے کے حکم میں ہوگا؟ یا دھات کو دھات سمجھا جائے گا؟ زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے۔

(۲) زیور میں جو سچے موتی "نگ" ہیرے یا نقلی موتی وغیرہ جڑے ہوں ان اصلی یا نقلی چیزوں پر جو قیمت لگی ہو اس قیمت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔

(۳) زیور کی بنوائی کی جو اجرت دی گئی ہے اس اجرت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۴) اس خاتون کے پاس صرف سو گرام سونے کا زیور ہے، نقد جو آتا ہے وہ ماہ بماہ خرچ ہو جاتا ہے، تو اس سونے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سونے اور دھات کو گلا کر ایک کر دیا ہو، سونا متمیز نہ رہا ہو تو جو چیز غالب ہوگی کل اسی کے حکم میں ہوگا، اگر سونا غالب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوگا اور اگر دھات غالب ہو تو کل دھات کے حکم میں ہوگا۔

درمختار میں ہے (وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب غشه) منها (يقوم كالعروض) شامی میں ہے (قوله وغالب الفضة الخ) لان الدراهم لا تخلوا من قليل غش لانها لا تنطبع الا به فجعلت الغلبة فاصلة نهر ، ومثلها الذهب (قوله فضة وذهب) اى فتجب زكهاتهما لا زكوة العروض (درمختار و شامی ص ۴۲ ج ۲ باب زكاة المال)

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔ الجواب، ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب وفضہ کی مقدار میں ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے مثلاً بیع صرف وزکوٰۃ صرف مقدار ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں ایک کر دیا ہو اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی نہ احکام بیع صرف اس میں

---

(۱) فافاد ان التقويم انما يكون بالسكوك عملاً بالعرف مقوما با حدهما ان استويا فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ با حدهما نصابا دون الاخر تعين ما يبلغ به . در مختار مع الشامی كتاب الزكوة ج ۲ ص ۲۹۹

معتبر ہوں گی۔ الخ (امداد الفتاویٰ ص ۶،۵ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

صورت مسئولہ میں جب کہ سونے اور دھات کو گلا کر زیور بنالیا ہے (سونا متمیز نہ رہا) اور سونا غالب ہے تو کل سونے کے حکم میں ہوگا، اس زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کا اعتبار کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ فقط۔

(۲) ہیرے موتی جواہرات جو زیور میں جڑے ہوئے ہیں اگر یہ زیور استعمال کے لئے ہوں تجارت کے لئے نہ ہو تو ہیرے موتی جواہرات کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ ہیرے وغیرہ کو اگرچہ سونے کے ساتھ ملایا گیا ہے مگر دونوں متمیز ہیں لہذا ہیرے وغیرہ کو سونے کا حکم نہیں دیا جائے گا جیسا کہ حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے فتویٰ سے جو جواب (۱) میں نقل کیا گیا ہے یہ ثابت ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص ہیرے وغیرہ کو سونے کا تابع سمجھ کر زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کر دے تو یہ بہتر ہوگا زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ نہ رہے گا اور غرباء کا بھی اس میں فائدہ ہے حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے، کما سیاتی یہ احتیاطی صورت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما اليواقيت والجواهر فلا زكوة فيهما وان كانت حليا الا ان تكون للتجارة ، كذافى الجوهرة النيرة (عالمگيری ج ۱ ص ۱۸۰ كتاب الزكوة باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲) درمختار میں ہے (لا زكوة فى اللآلى والجواهر) وان ساوت الفاً (الا ان تكون للتجارة) (درمختار ج ۲ ص ۱۸ قبیل باب السائمة)

عمدۃ الفقہ میں ہے: یاقوت، موتیوں اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ ان کا زیور بنا ہوا ہو، لیکن اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی (عمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۷۸۔۷۹)

کفایت المفتی میں ہے:۔ (سوال) جس چاندی سونے کے زیور میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) زیور جو چاندی اور سونے کا ہو اس میں بقدر چاندی سونے کے زکوٰۃ فرض ہے یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، صرف چاندی سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۴۲)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:۔

(سوال ۲) جو زیور طلائی ہو اور اس میں جواہرات بھی جڑے ہوں تو اس کی زکوٰۃ کس طریقہ سے ادا ہونی چاہئے۔

(جواب ۲) اس زیور کی قیمت کر کے زکوٰۃ ادا کرے (فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۳۰ امداد المفتین و مکمل) فقط

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے کے وقت زیور کی جتنی قیمت آتی ہو اس قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ نکالی جائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو كان له ابريق فضة وزنه مائتان وقيمته لصيا غته ثلث مائه ان ادى من العين يؤدى ربع عشره وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف وان ادى قيمتها خمسة جاز و لو ادى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالاجماع كذا فى التبيين (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۸ باب نمبر ۲ فصل نمبر ۲) (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۴۳) فقط.

(۴) جواب (۱) سے ثابت ہوا کہ اگر سونا غالب ہو اور کھوٹ مغلوب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا یہ پورا سو گرام سونے ہی کے حکم میں ہوگا، اور سونے کا نصاب ۷½ تولہ ہے، جس کے تقریباً ۸۷½ گرام ہوتے ہیں تو سو گرام مقدار نصاب سے زیادہ ہے، لہذا مذکورہ خاتون صاحب نصاب شمار ہوں گی اگر نقد رقم پہنچتی نہ ہو تب بھی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قطعہ زمین تجارت کی نیت سے خریدا تو اس پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۵) زید صاحب نصاب ہے اس نے ایک قطعہ زمین اس نیت سے خریدا کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کردیں گے ایسی صورت میں اس قطعہ زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ واجب ہے تو قیمت خرید پر ہے یا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت بازار میں جو قیمت رائج ہو اس کا اعتبار ہوگا؟ زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں ہر سال زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا جب وہ فروخت ہوگی اس وقت زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

(۲) اب زید کی نیت یہ ہے کہ قطعۂ زمین فروخت ہونے پر حاصل شدہ رقم سے اپنے بچوں کی رہائش کے لئے کوئی مکان لے لے گا، زید کی نیت کی اس تبدیلی کے بعد اس قطعہ زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوال سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قطعہ زمین بہ نیت تجارت خریدا گیا ہے تو یہ زمین مال تجارت کہلائے گی لہذا مال تجارت ہونے کے اعتبار سے جب تک یہ زمین زید کے پاس رہے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے زکوٰۃ ادا کرتے وقت زمین کی جو قیمت رائج ہو اس کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

ہدایہ اولین میں ہے وان اشتری شیئاً ونواہ للتجارۃ کان للتجارۃ لا تصال النیۃ بالعمل (ہدایہ اولین ص ۱۶۷ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

درمختار میں ہے (وما اشتراہ لھا) ای للتجارۃ (کان لھا) لمقارنۃ النیۃ بعقد التجارۃ (درمختار ص ۱۷ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: (۳) زکوٰۃ اس حساب سے دی جائے گی جو قیمت اس کی بازار میں ہے اور مراد اس بازار سے وہ بازار ہے جس میں وہ مال ہے کما فی الدر المختار ویقوم فی البلد الذی المال فیہ (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰) (فتاویٰ دارالعلوم ص ۸۱ ج ۶ مدلل ومکمل)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

(سوال) تجارتی مال کی زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے، سال آخری میں موجودہ مال کی قیمت لگا کر ادا کردے یا کوئی اور طریقہ ہے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹، ص ۵۰ ج ۳، کتاب الزکوٰۃ)

(الجواب) (۲) اب بھی نیت تو مکان بیچنے ہی کی ہے لہذا اس وقت بھی مذکورہ زمین مال تجارت کہی جائے گی اور زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ قیمت آنے کے بعد اگر اس قیمت سے رہائش کے ارادے سے مکان خرید لے تو وہ مکان رہائشی شمار

ہوگا اور اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ۔

تجارت کی نیت سے مکان بنا رہا ہے تو اس کی زکوٰۃ کا حکم:

(سوال ۱۶۶) ایک شخص زمین خرید کر اس پر مکان بنا رہا ہے اور اس کی نیت مکان بیچنے کی ہے، تعمیری کام ابھی مکمل نہیں ہوا تو اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان تجارت کی نیت سے بنایا جارہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا، مکان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زیور استعمال کرے یا نہ کرے ہر حال میں اس کی زکوٰۃ فرض ہے:

(سوال ۱۶۷) ایک عورت کے پاس دس تولہ سونے کا زیور ہے، وہ عورت اسے پہنتی نہیں ہے ایسے ہی رکھا ہوا ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زیور چاہے استعمال کیا جائے یا ایسے ہی رکھا ہوا ہو ہر حل میں اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، لہذا صورت مسئولہ میں جب زیور بقدر نصاب ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ درمختار میں ہے (واللازم) مبتداء (فی مضروب کل) منھا ومعمولہ ولو تبرا او حلیا مطلقاً) مباح الاستعمال اولا ولو لتجمل والنفقۃ لا نھما اثما نا فیزکیھما کیف کانا (درمختار ج ۲ ص ۴۱، باب زکوۃ المال) فقط واللہ اعلم.

دودھ بیچنے کی نیت سے بھینس پالیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۸) ایک شخص نے دودھ بیچنے کے لئے بھینسیں پالی ہیں تو ان جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف دودھ سے حاصل شدہ آمدنی پر؟ بھینسیں طبیلہ میں رہتی ہیں وہیں ان کو دانہ چارہ دیا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ بھینسوں کو چارہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے، جنگل میں چرنے پر ان کا گذارہ نہیں تو ان جانوروں کو سائمہ نہیں کہا جائے گا، اور ان جانوروں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی البتہ دودھ سے حاصل شدہ آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، درمختار میں ہے باب السائمۃ (ھی) الراعیۃ وشرعاً (المکتفیۃ بالرعی المباح) ذکرہ الشمنی (فی اکثر العام لقصد الدر والنسل) الی قولہ (فلو علفھا نصفہ لا تکون سائمۃ فلا زکوۃ فیھا للشک فی الموجب الخ) (درمختار مع رد المحتار باب السائمۃ) ج۲ ص ۱۹ - ۲۰. فقط واللہ اعلم بالصواب.

چند سالوں تک مال تجارت کی زکوٰۃ ادا نہیں کی پھر وہ مال ہلاک ہوگیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۹) ایک شخص نے اسپغول بیچنے کی نیت سے خریدا اور ایک غیر مسلم کے پاس رکھا اور زیادہ بھاؤ کے انتظار میں رہا اس طرح کئی سال گذر گئے، جس غیر مسلم کے پاس مال رکھا تھا اس کا انتقال ہوگیا، اس کے وارثوں سے اس شخص نے اپنا اسپغول مانگا تو اس کے وارث کہتے ہیں تمہارا اسپغول ہمارے گھر پر نہیں ہے اور ہمیں اس کے متعلق بالکل خبر

نہیں ہے، اس شخص نے وارثوں سے اسپغول یا اس کی رقم حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی، اور اب بظاہر کوئی امید نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی گواہ اور کوئی ثبوت بھی نہیں ہے تو اس صورت میں پچھلے سالوں کی زکوٰۃ باقی تھی وہ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس غیر مسلم کے وارثوں کو سمجھائے اور اس کے پاس اسپغول رکھنے کا کوئی ثبوت ہو تو وہ پیش کر کے اسپغول یا اس کی رقم حاصل کرنے کی کوشش کرے اگر اسپغول یا اس کی رقم مل جائے تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے، اگر خدانخواستہ کوشس کے باجود نہ اسپغول ملے نہ اس کی رقم ملے اور بالکل ناامیدی ہوجائے تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی، ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں...... فتاویٰ عالمگیری میں ہے وان ھلک المال بعد وجوب الزکوۃ سقطت الزکوۃ وفی ھلاک البعض یسقط بقدرہ، کذا فی الھدایہ، ولو استھلک النصاب لا یسقط ھکذا فی السراجیۃ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶ کتاب الزکاۃ، مسائل شتی)

شامی میں ہے: (قولہ ولا فی ھالک) ای لا تجب الزکوۃ فی نصاب ھلک بعد الوجوب ای بعد مضی الحول بل تسقط وان طلبھا الساعی منہ فامتنع حتی ھلک النصاب علی الصحیح وفی الفتح انہ الا شبہ الخ (شامی ص ۲۷ ج ۳ باب زکاۃ الغنم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رہائش کے لئے مکان بنانا پھر بیچنے کا ارادہ کرلیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷۰) ایک شخص نے رہنے کے لئے مکان تعمیر کیا اور اس میں رہائش بھی اختیار کرلی، پھر حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا، وہ مکان غیر مسلموں کے علاقہ میں ہے، اس لئے اب وہاں قیام کا ارادہ نہیں اس کو بیچ دینے کی نیت کر لی، مگر ابھی تک وہ بکا نہیں ہے، بند پڑا ہے، صورت مذکورہ میں اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب یہ مکان رہنے کے لئے بنایا تھا، بعد میں رہائش ترک کر کے بیچنے کی نیت کرلی تو صرف نیت سے وہ مال تجارت نہیں بنے گا، اور فی الحال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہوگی، جب مکان فروخت ہوگا اس کا جو ثمن (قیمت) ملے اپنے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرے،

ہدایہ اولین میں ہے: ومن اشتری جاریۃ للتجارۃ ونواھا للخدمۃ بطلت عنھا الزکوۃ لاتصال النیۃ بالعمل وھو ترک التجارۃ وان نواھا للتجارۃ بعد ذلک لم تکن للتجارۃ حتی یبیعھا فیکون فی ثمنھا زکوۃ لان النیۃ لم تتصل بالعمل اذ ھو لم یتجر فلم تعتبر (ہدایہ اولین ص ۱۶۷ کتاب الزکوۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ مرغی پر ہے یا انڈوں پر:

(سوال ۱۷۱) میں مرغیوں کی پرورش کا پیشہ کرتا ہوں، چار سو مرغیاں میرے پاس ہیں، اس پیشہ میں آٹھ ہزار روپے

کا سرمایہ لگا ہوا ہے، نیز میں ان انڈوں کی تجارت کرتا ہوں، مجھ پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر آپ مرغیوں کی تجارت نہیں کرتے بلکہ صرف ان کے انڈوں کی تجارت کرتے ہیں تو اصل سرمایہ پر زکوٰۃ نہیں بلکہ انڈوں کی آمدنی پر ہے جب کہ صاحب نصاب ہوں (ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ۴/۳۰۰)

کرایہ پر چلنے والے ٹرک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں:

(سوال ۱۷۲) میرا ٹرک ٹرانسپورٹ میں چلتا ہے تو زکوٰۃ ٹرک کی قیمت پر آئے گی یا ٹرانسپورٹ سے جو نفع ملتا ہے اس پر؟

(الجواب) ٹرک ٹرانسپورٹ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے ٹرک کی قیمت پر نہیں ہے فارغ عن الدین وعن حاجتہ الاصلیۃ کثیاب المحتاج الیھا لدفع الحر والبرد وکالنفقۃ ودور السکنی وآلات الحرب والحرفۃ. (طحطاوی ص ۳۸۹ کتاب الزکوۃ) (شامی کتاب الزکوۃ ۲/۸۷۷) فقط واللہ اعلم بالصواب.

برقی ٹرانسفارمر کے منافع پر زکوٰۃ:

(سوال ۱۷۳) میری ویلڈنگ کی دکان ہے ویلڈنگ کرنے کے لئے برقی ٹرانس فارمر (برقی رو کی طاقت گھٹانے بڑھانے والی مشین) رکھنا ضروری ہے تو زکوٰۃ ٹرانسفارمر کی مشینری پر ہے یا اس سے حاصل شدہ منافع پر؟

(الجواب) ٹرانسفارمر کی مشین کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے اس کے منافع پر زکوٰۃ ہے، (ملاحظہ ہو امداد الفتاوی ۲/۴۴)(۱)

مہر مؤجل وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں:

(سوال ۱۷۴) ہمارے یہاں خاندانی دستور مہر مؤجل (ادھار مہر) کا ہے یعنی طلاق یا وفات کے بعد مہر کی ادائیگی کا دستور ہے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو مگر مہر کا قرض منہا کرنے کے بعد وہ صاحب نصاب نہیں رہتا تو کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ پر زکوٰۃ لازم ہے مہر مؤجل وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، شامی میں ہے " والصحیح انہ غیر مانع " صحیح بات یہ ہے کہ مہر مؤجل مانع زکوٰۃ نہیں (شامی ۲/۷ کتاب الزکوٰۃ)

عورتوں کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے:

(سوال ۱۷۵) عورتوں کے پاس عام طور پر تین چار تولہ سونا ہوتا ہے، اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ تین چار تولہ سونے کے ساتھ پچاس روپے نقد ہوں تو زکوٰۃ کا فریضہ عائد ہوگا، فی الحال روپیہ بہت سستا ہے ایک معمولی فقیر شخص بھی پچاس سو روپے کا مالک ہوتا ہے، لہذا عورتیں زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنے کے لئے سونے

(۱) بعنوان، استعمالی مشین پر زکوٰۃ نہیں، سے ملاحظہ کریں وجہ آلہ حرفت کا ہونا ہے جیسے کہ شامی کی مذکورہ بالا حوالے سے واضح ہے۔) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کا کچھ حصہ فروخت کریں تو آہستہ آہستہ سونا گھٹ کران کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا، اس لئے تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

(الجواب) عورتیں اگر صرف تین چار تولے سونے کی مالک ہیں، چاندی یا نقد روپے یا اسباب تجارت میں سے کچھ بھی نہیں تو ان پر زکوۃ اور قربانی واجب نہیں۔ نصاب الذهب عشرون مثقالاً قال الشامی فما دون ذلک لا زکوۃ فيه ولو كان نقصانا يسيراً (شامی ج ۲ ص ۳۸ باب زکاۃ المال) اور اگر سونے کے سوا کچھ چاندی یا نقد روپے یا مال تجارت بھی ہے اور وہ تمام ملا کر اتنا ہے کہ اس کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو زکوۃ واجب ہے وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين (درمختار مع الشامی ج ۲/ص ۴۵ باب زکوۃ المال)

عورتوں کو اختیار ہے کہ زکوۃ میں بعینہ سونا یا چاندی یا اس کی قیمت دیں اگر اس وقت نقد نہ ہو تو قرض لے کر زکوۃ ادا کریں، بعد میں قرض ادا کرنے کی کوشش کریں ایسا کرتے کرتے مال (سونا وغیرہ) اتنا کم رہ گیا کہ وہ صاحب نصاب نہ رہیں، تو زکوۃ قربانی وغیرہ واجب نہ رہے گا۔

زکوۃ دینے سے مال کم ہونے کا خیال صحیح نہیں بلکہ ادائیگی زکوۃ سے مال پاک وصاف ہوتا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "يمحق الله الربوا ويربى الصدقات" ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے (سورۂ بقرہ) اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ زکوۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے اس کے ادا کرنے سے آدمی مسلمان شمار ہوتا ہے، نیز اس سے غرباء ومساکین اور اعزہ واقارب کی امداد بھی ہو جاتی ہے، لہذا زکوۃ ادا کرنے سے بظاہر مال کی مقدار میں کمی دکھائی دیتی ہو تو اس سے بددل نہیں ہونا چاہئے بلکہ مکمل طیب خاطر سے ادا کریں، اگر عورتوں کے لئے آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور ان کے شوہر اپنی طرف سے عورتوں کی اجازت لے کر زیوروں کی زکوۃ دے دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ قال فی البحر ولو تصدق عنه بامره جاز (شامی ۲/ص ۱۱ کتاب الزکوۃ)

صرف نقد روپے اتنی مقدار میں ہیں کہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا خریدا جاسکتا ہے تب اس میں زکوۃ لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب العشر والخراج

ہمارے ملک کی پیداوار میں مسلمان پر عشر ہے یا نہیں؟ اور اس کے ضروری مسائل:

(سوال ۱۷۲) فی زمانہ مسلمانوں پر ان کی کھیتی کی زمینوں کی پیداوار کا اور باغات کے پھلوں کا عشر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر عشر ادا کرنا ہو تو عشر کے ضروری مسائل بھی تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحيم، حامداً ومصلياً ومسلماً وهو الموفق.

مسئلہ مختلف فیہ ہے، دونوں طرف علماء کے اقوال ہیں..... احتیاط اس میں ہے کہ ایسی زمینیں جو مسلمانوں کے پاس نسلاً بعد نسل وراثۃ چلی آرہی ہوں یا مسلمانوں سے خریدی ہوں یا بطور ہبہ ملی ہوں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت ثابت نہ ہو تو ایسی زمینوں کو عشری سمجھا جائے اور عشر ادا کیا جائے، عشر میں عبادت کا پہلو غالب ہے اور اس میں مساکین کا فائدہ بھی ہے، اور جن زمینوں پر کافروں کی ملکیت ثابت ہو وہ عشری نہیں خراجی ہیں، اور جن زمینوں کا صحیح حال معلوم نہ ہو تو بدلیل استصحاب حال ایسی زمینیں بھی عشری کہلائیں گی۔

حکومت وقت نے اپنے کسی قانون کے تحت جن زمینوں پر خود مالکانہ قبضہ کرلیا ہو یا زمین کسی کو دلوادی ہو تو ان زمینوں میں عشر واجب نہ ہوگا اور وہ زمینیں جو حکومتی قانون کے باوجود حسب سابق مسلمانوں ہی کی ملکیت میں رہی ہوں ان زمینوں کا عشر ادا کیا جائے اور اس صورت میں حکومتی قانون کا مطلب صرف منتظمانہ قبضہ ہوگا، کما حررہ الشیخ التھانویؒ.

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی

(۱) مسئلہ: ہمارے یہاں کی اراضیات عشری ہیں یا خراجی ہیں۔

(الجواب) اراضیات ہند بعض عشری ہیں بعض خراجی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۵۵ ج ۳)

(۲) مسئلہ: اس طرف کی زمین عشری کی کیا شناخت ہے؟

(الجواب) زمین عشری وہ ہے جو اول سے مسلمانوں کے پاس ہو اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو، فقط (فتاوی رشیدیہ ص ۵۴ ج ۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

(۱) اب ایک مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ عشر کس زمین میں ہے؟ تو یاد رکھو کہ عشر، زمین عشری میں ہے اور وہ وہ زمین ہے کہ جب سے مسلمانوں نے فتح کیا ہے وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو، اب زمین کی تین حالتیں ہوں گی۔

ایک یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آرہی ہے، اس میں تو عشر کا وجوب ظاہر ہے، دوسرے یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے تیسرے یہ کہ معلوم نہ ہو کہ یہ

کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے یا مسلمانوں کے، مگر اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، یہ بھی باستصحاب حال تم اول کے حکم میں ہے۔ (التبلیغ وعظ "العشر" ص ۳۰)

(۲) (سوال ۸۹) عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے۔

(الجواب) حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں، ارثاً وشراءً وهلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاوے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی، وقدر العشر معروف، فقط۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۲ ج ۲، کراچی) (جواہر الفقہ ص ۲۶۰ ج ۲)

(۳) (سوال ۹۰) ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ (یعنی انگریزی حکومت میں) خراجی ہے یا عشری، جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد عذر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئیں اور کسی کا حق نہیں ہے، اگر صاحب اراضی دعویٰ کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی، چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئیں اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگذاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کر دی اور بعض کو معاف کر دی۔

(الجواب) ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضۂ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں، دوسرا قبضۂ مالکانہ وحاکمانہ ومنتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہذا وہ عشری نہ رہی۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۲، ص ۵۳ ج ۲) (جواہر الفقہ ص ۲۶۰، ص ۲۶۱ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق:۔ تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا، اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آ رہی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے، اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں آ جائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔

اگر اسی طرح کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس کے پہلے اسلامی عہد میں تھے جس کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملک میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتدا ہی سے مسلمانوں کی ملک قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آ گئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی (جواہر الفقہ ۲/۲۶۲)

اسلامک فقہ اکیڈمی کی چھٹے فقہی سیمینار کی تجویز بسلسلۂ عشری وخراجی اراضی بھی ملاحظہ کر لی جائے "عشر کی

عشر کے ضروری مسائل"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"عشر اسی کے ذمہ ہے جس کے پاس کھیت تیار قابل حصاد ہو اسی طرح جس کا باغ نمٹ گیا ہو اور اگر کھیت پر آفت آ گئی یا باغ کا پھل پھول برباد ہو گیا تو عشر واجب نہیں۔

دوسرے یہ کہ بعض لوگ تو اپنا کھیت خود کاشت کرتے ہیں اور بعضے دوسروں کو کاشت کے لئے دیتے ہیں، جو لوگ خود اپنے کھیت کو بوتے ہیں ان پر عشر کا واجب ہونا تو ظاہر ہے جب کہ زمین عشری ہو اور جو لوگ دوسروں کو دیتے ہیں ان کی چند صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ زمین بٹائی پر دیں اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے کاشتکار کے بھی اور زمیندار کے بھی، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ٹھیکہ پر دی جائے مثلاً فی بیگہ من بھر غلہ لیں گے یا فی بیگہ دو روپیہ، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عشر کس کے ذمہ ہوگا؟ مگر ہم لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عشر کاشتکار کے ذمہ ہے، کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے۔ الی قولہ۔ ایک بات یہ معلوم کرنا چاہئے کہ عشر کی مقدار کیا ہے؟ سو اس کا مدار پانی پر ہے تو جس زمین کو کنویں سے پانی دیا جائے یا جس میں سرکاری نہر سے پانی دیا جائے اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہے (مثلاً دس کلو ہو تو آدھا کلو ادا کرے) اور جو بارانی ہو (بارش کا پانی ہو) اس میں دسواں حصہ (مثلاً دس کلو ہو تو ایک کلو ادا کرے) نیز باغات میں بھی عشر ہے جب کہ زمین عشری ہو اور اس کی مقدار کا مدار بھی پانی ہے اور عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کہ اس میں بھی تملیک فقیر واجب ہے۔ الخ (التبلیغ وعظ العشر ص ۱۰، ص ۲۰)

علم الفقہ میں ہے: زکوٰۃ اور عشر میں سات فرق ہے (۱) عشر کے واجب ہونے میں کسی نصاب کی شرط نہیں قلیل اور کثیر ہر چیز میں عشر واجب ہوتا ہے بشرطیکہ ایک صاع سے کم نہ ہو (۲) اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ وہ چیز ایک سال تک باقی رہ سکے جو چیزیں نہ باقی رہ سکیں ان پر بھی عشر واجب ہے جیسے ترکاریاں، کھیرا، ککڑی، تربوز خربوزہ، لیمو، نارنگی، امرود آم وغیرہ (۳) اس میں ایک سال کے گذرنے کی بھی قید نہیں حتی کہ اگر کسی زمین میں سال کے اندر دو مرتبہ کاشت کی جائے تو ہر مرتبہ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، سال میں دو مرتبہ تو اکثر زمینیں کاشت کی جاتی ہیں مگر درختوں میں سوا امرود کے کوئی درخت سال میں دو مرتبہ نہیں پھلتا، اور بالفرض اگر کوئی درخت دو مرتبہ یا اس سے زیادہ

پہلے تو ہر مرتبہ عشر دینا ہوگا (۴) عشر کے واجب ہونے کے لئے عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں، مجنون کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۵) بالغ ہونا بھی شرط نہیں نابالغ کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۶) آزاد ہونا بھی شرط نہیں مکاتب اور ماذون کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۷) زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں اگر وقف کی زمین ہو یا کرایہ کی تو اس کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ چیز قصداً بوئی گئی ہو یا وہ خرید وفروخت کے قابل ہو، اگر خود رو اور بے قیمت چیز ہو جیسے گھاس وغیرہ تو اس میں عشر نہیں، ایک چیز بعض مقامات میں قابل قدر ہوتی ہے اور اس کی خرید وفروخت کی جاتی ہے اور بعض مقامات میں وہی چیز بے قدر ہوتی ہے کوئی اس کی خرید وفروخت نہیں کرتا۔ (جس جگہ) وہ قابل قدر ہے (وہاں) اس پر عشر واجب ہوگا اور جہاں بے قدر ہے وہاں نہ ہوگا، اور یہ بھی شرط ہے کہ اس زمین پر خراج واجب نہ ہو اگر خراج واجب ہوگا تو پھر عشر واجب نہیں ہو سکتا کیونکہ دو حق ایک زمین پر واجب نہیں ہوتے۔

جو زمین کہ خراجی نہ ہو اور وہ بارش کے یا دریا کے پانی سے سینچی جاوے (یعنی پانی بلا قیمت اور بلا محنت میسر آجاتا ہو) تو اس کی پیداوار میں عشر فرض ہے (مثلاً دس من میں ایک من) اور جو زمین کنویں سے سینچی جاوے خواہ بذریعہ پر کے یا بذریعہ ڈول کے یا مول کے پانی سے (یعنی پانی قیمت دے کر خریدنا پڑا ہو یا محنت کرنا پڑی ہو) تو اس کی پیداوار میں عشر کا نصف یعنی بیسواں حصہ (مثلاً دس من میں آدھا من) فرض ہے۔

اور اگر کوئی زمین دونوں قسم کے پانیوں سے سینچی گئی ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار ہوگا یعنی اگر زیادہ تر بارش یا دریا کے پانی سے سینچی گئی ہے تو عشر دینا ہوگا اور جو دونوں قسم کے پانی برابر ہوں تو بھی نصف عشر دینا ہوگا۔ الی قولہ۔

جس قدر پیداوار ہے اس سب کا عشر ہونا چاہئے بغیر اس کے کہ بیج کی قیمت بیلوں کا کرایہ ہل چلانے والے باغ یا کھیت کی حفاظت کرنے والوں کی مزدوری یا کھیت کا لگان وغیرہ اس سے وضع کیا جائے، مثلاً کسی کھیت میں بیس من غلہ پیدا ہوا تو اس کو چاہئے کہ دو من عشر میں نکال دے اگر زمین بارش یا دریا سے سینچی گئی ہو۔ اور جو کنویں وغیرہ سے سینچی گئی ہو تو ایک من نکالے یہ نہ کرے کہ اس بیس من غلہ سے تمام اس کے اخراجات کاشت نکالنے کے بعد جو باقی رہ جائے مثلاً دس من رہ جائے تو اس کا عشر یعنی ایک من یا نصف عشر یعنی بیس سیر نکالے الخ۔ (علم الفقہ ص ۴۲، ص ۴۳، ص ۴۴ ج ۴، حضرت مولانا محمد عبدالشکور لکھنویؒ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ راندیر
۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ (۱۱/۱۱/۹۵)

مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ مدارس عربیہ میں دی جائے یا کالجوں میں۔ بہتر کیا ہے؟

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ میں زکوٰۃ کی بعض رقم غرباء خویش واقارب کو اور بعض رقم دینی مدارس میں دیتا ہوں، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ مدارس میں دینے کے بجائے ہائی اسکول یا کالج میں طالبین اور طالبات کو بطور اسکالرشپ (امداد اور وظیفہ) دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، میں بھی زکوٰۃ کی کل رقم اسی میں استعمال کرتا ہوں! کیا میرے دوست کی یہ رہبری اور عمل درست ہے؟

(الجواب) ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ دینی مذہبی تعلیم سب سے افضل اور ضروری ہے۔ ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آج کے پر آشوب دور میں دنیوی تعلیم چھ۶ برس کی عمر سے ہی فرض کردی گئی ہے، دینی تعلیم اور اسلامی احکام جاننے اور سیکھنے کی کس قدر ضرورت ہے، اور نہ سیکھنے پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس کے متعلق ذیل کی شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

ایک ناقابل رد شہادت:

مسلم لیگی اخبار ''منشور'' (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض اپنے اداریہ میں رقم طراز ہیں کہ گذشتہ تین سال سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے بھی تعلیم یافتہ ہیں وہ اسلامی کلچر اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلد ہیں (منشور ۹ جون ۱۹۶۲ء)

مسٹر حسن ریاض صاحب کی شہادت سامنے رکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔ (حقوق العلم ص ۵۱)

محترم بندہ۔ آپ دینی مدارس اور سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جن کو مجدد الف ثانی مانا گیا ہے وہ علم دین کے طلبہ کو تصوف کے طلبہ اور ان درویشوں پر بھی ترجیح دیتے ہیں جو مشائخ کی خانقاہوں میں مراتب سلوک طے کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ فارسی میں آپ کا ایک مفصل مکتوب ہے جو آپ نے اپنے معتقد خاص شیخ فرید رحمہ اللہ کو لکھا ہے یہ مکتوب قیمتی فوائد کا ذخیرہ ہے اس لئے اس کا مکمل ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔

مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے اس فقیر (مجدد صاحب) کو نوازا ہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔
مولانا محمد قلیج موفق کے نام آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

"طالب علم اور صوفیا کے خرچ کے لئے تھوڑی سی رقم بھیجی گئی ہے۔" آپ نے طالب علم کا لفظ صوفیاً سے پہلے لکھا ہے۔ لفظ طالب علم کو پہلے لکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں صوفیا کے مقابلہ میں طالب علم پر خرچ کرنا مقدم ہے۔ یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ ظاہر، باطن کی علامت ہوا کرتا ہے امید ہے کہ آپ کے باطن شریف (اور قلب مبارک) میں بھی جماعت طلبہ کے مقدم رکھنے کا جذبہ کارفرما ہوگا۔ برتن سے وہی ٹپکا کرتا ہے جو برتن میں ہوتا ہے۔

کل اناء یترشح بما فیہ۔ ع

از کوزہ ہماں بیروں تراود کہ دروست

واقعہ یہ ہے کہ علوم دینیہ کے طلبہ کو مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج اور اشاعت ہے کیونکہ حاملان شریعت یہی طلبہ ہیں انہیں کے ذریعہ ملت مصطفویہ ظہور فرما ہے قیامت کے دن شریعت ہی کی پوچھ ہوگی، تصوف کی پوچھ نہیں ہوگی۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے جو تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں، احکام شریعت کی دعوت دی ہے اور احکام شریعت کی پابندی پر ہی نجات کو موقوف رکھا ہے اور ان اکابر کی بعثت کا مقصد تبلیغ شریعت ہی ہے۔ پس سب سے بڑی خیرات یہ ہے کہ شریعت کو رائج کرنے ہی کی کوشش کی جائے۔ اور شریعت کے جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے جو فراموش یا نظر انداز ہیں ان کو زندہ کیا جائے خصوصاً ایسے زمانہ میں کہ اسلام کے شعار اور اسلام کی روایات منہدم ہو رہی ہیں۔ خدائے عزوجل کی راہ میں کروڑوں خرچ کرنا وہ درجہ نہیں رکھتا جو شریعت کے کسی حکم کو رائج اور نافذ کرنے کا درجہ ہے۔

دلیل:

انبیاء علیہم السلام مخلوقات میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں اب اگر کسی مسئلہ کے رائج کرنے اور نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء اور اتباع اور ان کی بعثت کے مقصد عظیم میں شرکت ہوتی ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وہی کام سپرد کئے گئے جو کامل ترین حسنات اور تمام اچھے کاموں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ پس احکام شریعت جو انبیاء علیہم السلام کو سپرد کئے گئے کامل ترین حسنات اور انبیاء علیہم السلام کا مخصوص امتیاز ہیں۔ لاکھوں کروڑوں خرچ کرنا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ بہت سے دنیادار لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں، پس شریعت کے کسی حکم کو سیکھنا سکھانا، رواج دینا اور پھیلانا ایسا فعل ہے جس کا تعلق فرائض نبوت سے ہے اور ایسی مخصوص نیکی ہے جس کے ذریعہ آپ انبیاء کے کام اور ان کی بعثت کے مقصد میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی برابر کوئی نیکی اور حسنہ نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ احکام شریعت چونکہ نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں لہذا ان پر عمل کرنا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے اور خرچ کرنے میں بسا اوقات نفس کی موافقت اور خواہش نفس کی متابعت ہوتی ہے۔ البتہ جو مال تائید شریعت اور ترویج ملت میں خرچ کیا جائے بے شک اس کا درجہ بہت اونچا اور بہت بلند ہے اور اس نیت سے ایک پیسہ خرچ کرنا بھی لاکھوں کے خرچ کی برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے یہاں یہ سوال نہ کرنا چاہئے کہ طالب علم جو دنیا میں گرفتار ہے وہ صوفی سے جو دنیا کو چھوڑے ہوئے ہے مقدم کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سوال وہی کر سکتا ہے جو بات کی تہ کو نہیں پہنچا اور حقیقت کو معلوم نہیں

کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب علم اس گرفتاری کے باوجود مخلوقات کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شریعت کی تبلیغ اس کے ذریعہ میسر ہوگی اور اگر بالفرض وہ خود اس سے نفع اندوز نہ ہو مگر مخلوقات اس سے نفع اندوز ہوگی۔ رہے صوفی صاحبان تو انہوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے لئے بے شک رہائی حاصل کر لی۔ وہ خود ضرور رہا ہو گئے۔ لیکن مخلوقات کی رہائی اور نجات سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ پس جس کے ذریعہ اکثر مخلوقات کو نجات ملتی ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ اس سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کی فکر میں لگا ہوا ہے۔

ہاں بے شک وہ صوفی جو فناء و بقاء سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مراتب طے کر کے دعوت خلق اللہ کے مواقف پر اترا ہو بے شک اس کی شان بہت بلند ہے وہ مقام نبوت سے ایک خاص حصہ اپنے پاس رکھتا ہے اور مبلغان شریعت کے زمرہ میں داخل ہے۔ مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۴۸ ص ۶۶ و ۶۷ ج ۱۔

قابل توجہ:

اس کے علاوہ قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اسکولوں، کالجوں کو سرکار کی امداد و حمایت حاصل ہے۔ اس کے برخلاف ان دینی مدارس کا مدار آپ جیسے اہل خیر مسلمانوں کی امداد پر ہے۔ اب معمولی عقل والا انسان بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کہاں اور کس کو امداد دینے میں اجر و ثواب زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ دینی مدارس جو حقیقت میں اسلام کے قلعے ہیں ان کو باقی اور مضبوط رکھنے نیز ان کی کما اور کیفا ترقی اور بقا کے لئے ایثار اور مالی امداد کی از حد ضرورت ہے لہذا آپ کا طرز عمل اور طریقہ فکر بہتر ہے اور آپ کے دوست کی رہبری غلط اور گمراہ کن ہے۔ دینی مدارس اور ان میں پڑھنے اور پڑھانے والوں اور خادموں اور کارکنوں کو نظرانداز کر کے ان کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کرنا بہتر تو کیا ہے مواخذہ سے نجات مل جائے تو غنیمت جانیئے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ دینے کے لئے ایسے دیندار لوگوں کو تلاش کرے جو دنیا کی طمع و طلب ترک کر کے تجارت آخرت میں مشغول ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے تم پاک غذا کھاؤ اور پاک آدم زاد کو کھلاؤ! نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے "کار خیر کرنے والے ہی کو اپنا کھانا کھلاؤ! کہ وہ لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہیں جب وہ لوگ تنگدست ہوتے ہیں تو ان کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ لہذا ایک شخص کو متوجہ الی اللہ کر دینا یہ بہت افضل ہے ایسے ہزار ہا اشخاص کو دینے سے جن کی توجہ دنیا ہی کی طرف ہوتی ہے پرہیزگاروں میں سے بھی ایسے اہل علم کو خاص کر دیں جو اپنے علم سے لوجہ اللہ لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں اور مذہب اسلام کی پختگی اور اشاعت علوم دینیہ اور تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ علم تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے!

حضرت عبداللہ ابن مبارک واستعمال زکوٰۃ:

حضرت عبداللہ ابن مبارک دائماً اپنی زکوٰۃ و خیرات اہل علم پر ہی خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں درجۂ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں معصیۃ الحق عزوجل فیرجع شرہ الیک۔

جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلایا کرو اور اپنا لباس

ایمان والوں کو دیا کرو! جب تو نے اپنا کھانا کسی پرہیزگار کو کھلایا اور اس کے دنیاوی امور میں اس کا معاون بنا تو جو کچھ وہ عمل کرے گا اس میں تو بھی شریک ہو گیا اور اس کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ تو نے اس کے مقصود (یعنی عبادت پوری کرنے) میں اس کی مدد کی اور اس کے (فکر معاش کے) بوجھ کو اس سے اٹھا لیا اور (اس کا پیٹ بھر دینے کی وجہ سے) اس کے قدم حق تعالیٰ کی طرف بڑھوائے اور جب تو نے اپنا کھانا ریاکار، نافرمان منافق کو کھلایا اور اس کے دنیوی معاملات میں اس کی مدد کی تو جو کچھ وہ بداعمالیاں کرے گا اس میں تو بھی شریک ہو گیا اور اس کی سزا میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی کیونکہ (اس کو روٹی کھلا کر) حق تعالیٰ کی نافرمانی میں تو اس کا مددگار بنا ہے پس اس کا اثر بد تیری طرف بھی لوٹے گا (الفتح الربانی م ۷ ۳ ص ۲۵۰۔۲۵۱)

یہ ہے اسلامی تعلیم اور صراط مستقیم، اللہ رب العزت مسلمانوں کو عقل سلیم اور توفیق نیک مرحمت فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ

(جواب صحیح) (دستخط) (حضرت مولانا) عبدالرحیم غلام محمد صادق صاحب۔ صدر جمعیۃ علماء صوبہ گجرات۔

(۲) (حضرت مولانا) محمد رضا اجمیری صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔

(۳) (حضرت مولانا) محمد سعید راندیری صاحب۔ مہتمم مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر۔

(۴) (حضرت مولانا) محمد اسماعیل گورا صاحب۔ مفتی رنگون راندیر۔

(۵) (حضرت مولانا) احمد اللہ صاحب راندیری۔ شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر۔

(۶) بے شک علم دین کی تحصیل ضروری و افضل ہے اور اس میں منہمک رہنے والے کی اعانت ثواب کا باعث ہے، واقعی زکوٰۃ و خیرات کے صحیح حق دار دینی مدارس، طلبائے علوم دین اور مبلغین ہیں۔

امام غزالیؒ کاشفۃ القلوب کے باب فضیلۃ العلم میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول بھی اسی طرح ہے (حضرت مولانا) احمد اشرف راندیری۔ مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔

زکوٰۃ کی رقم کو آمدنی کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۸) مندرجہ ذیل مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ زید کے پاس زکوٰۃ کی بڑی رقم جمع ہے اس کو یکبارگی حقدار کو نہ دیتے ہوئے اس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اس کی آمدنی میں سے مستحقین، مدارس اور دینی دنیوی طلباء جو اس کے مستحق ہوں ان کو وظیفہ دینا چاہتا ہے۔ تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کا سامان کر کے آمدنی میں سے مستحق پر خرچ کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک یعنی مستحقین کو بلاعوض مالک بنا دینا شرط ہے۔ اگر آمدنی کے لئے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط پوری نہیں ہوئی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کی جائداد فراہم کرنا جائز نہیں ہے۔ حق داروں کو بلاعوض مالک بنا دینا ضروری ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وشرعاً تملیک جزء مال خرج المنفعة فلو اسکن فقیراً داره سنة ناولاً لا یجز به عنه الشارع من مسلم فقیر ولو معتوها غیرهاشمی ولا مولاه من کل وجه الله تعالیٰ درمختار مع الشامی کتاب الزکوة ج ۲ ص ۳

زکوٰۃ میں حیلہ کر کے غیر مصرف میں دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۹) زکوٰۃ کی رقم پر اس کے حق دار کو مالک بنا کر اس کی رضامندی سے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی یا پراپرٹی قائم کر کے اس کی آمدنی مستحقین یا غیر مستحقین طلبائے علوم دینیہ و دنیویہ پر بطور وظائف یا مدرسین مدرسہ کی تنخواہ میں اور ضروریات مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اگر کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہے اور اس نے زکوٰۃ کے حق دار کو بلا کچھ کہے مالک و مختار بنا دیا۔ پھر اس کار خیر میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اس نے اس بات کو بخوشی منظور کیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (فتاوی عالمگیری ج ۶ ص ۳۹۲) (۱) اگر وہ خرچ کرنا قبول نہ کرے تو اس پر کسی قسم کا الزام نہیں کہ وہ شخص مالک ہو چکا۔ نیت و طریقہ کار کی درستگی پر پورا مدار ہے وہ درست ہو تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ تملیک کے لئے ظاہری رد و بدل کافی نہیں ہے۔

باخدا تدبیر و حیلہ کے رواست

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۱۸۰) زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو یوں کہہ کر دے دے کہ اس کو قبول کر کے فلاں مدرسہ میں دے دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) مدار نیت پر ہے۔ وہ درست ہوگی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہ ہوگی۔ صورت مسئولہ میں ادائیگی کے سلسلہ میں شبہ ہے۔ کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہو تو زکوٰۃ کی رقم حق دار کو کچھ کہے بغیر مالک بنا دے پھر اس کو مدرسہ وغیرہ میں دینے کی ترغیب دے اگر وہ خوش دلی سے دے دے تو فبہا ورنہ اس پر کوئی الزام نہیں۔ درمختار میں ہے ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یأ مره بفعل هذه الا شیاء (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۸۶ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۱) زید پر زکوٰۃ واجب تھی لیکن ادا نہ کی اور مر گیا تو اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہیں؟

(الجواب) اس حالت میں زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ ہاں وصیت کی ہو تو ثلث مال میں سے ادا کی جائے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طالب علم کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہوگی؟:

(سوال ۱۸۲) ایک شخص صاحب نصاب ہے۔ وہ غریب طالب علم کو تعلیمی خرچ میں زکوٰۃ کی رقم دینا چاہتا ہے۔ اس

(۱) والحیلة له ان یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یا مره بعد ذلک بالصرف الی هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطره (فتاوی عالمگیری الفصل الثالث فی مسائل الزکوة)

(۲) واما دین الله تعالیٰ فان اوصی به وجب تنفیذه من ثلث الباقی والا لا قال فی الشامیة تحت قوله واما دین الله تعالی الخ محترز قوله من جهة العباد و ذلک کالزکاة والکفارات قال الزیلعی فانها تسقط بالموت فلا یلزم الورثة اداؤها الا اذ اوصی بها. درمختار مع الشامی کتاب الفرائض ج ۶ ص ۷۶۰

کے والدین میں اخراجات برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اگر برداشت کرے تو گھر کی پونجی چار پانچ ماہ میں ختم ہوجاتی ہے اور تعلیم ناقص رہتی ہے ایسی حالت میں طالب علم کو ہر ماہ میں یکمشت تعلیم کا خرچہ دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں غریب طالب علم بالغ ہو یا نابالغ لیکن اس کا باپ غنی نہ ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔(۱) فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ متعین مہینہ میں ادا کرے تو؟:

(سوال ۱۸۳) ایک شخص مالک نصاب ہے اور اس کو معلوم نہیں کہ کتنے روپے کب حاصل ہوئے۔ لیکن ہمیشہ رمضان شریف میں جتنی رقم اس کے پاس ہوتی ہے اس کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے چاہے پورے برس کے روپے اس میں جمع ہوں یا ایک ماہ کے! اس طرح زکوٰۃ دینا صحیح ہے؟

(الجواب) ہاں اس طرح زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے! (ھدایہ ج ۱ ص ۱۷۳)(۲)

زکوٰۃ کی رقم میں سے کمیشن دینے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۴) ایک شخص اپنے خویش واقارب کے لئے ہندوستان زکوٰۃ کے پیسے بھیجتا ہے۔ آج کل روپوں کے بھیجنے میں کمیشن دینا پڑتا ہے تو زکوٰۃ میں سے دے سکتے ہیں؟ مثلاً زکوٰۃ کے ہزار روپے بھیجیں تو مرسل الیہ کو آٹھ سو ۸۰۰ روپے پہنچتے ہیں، تو یہ دوسو ۲۰۰ روپے زکوٰۃ کے ہوں گے یا مرسل کی اصل رقم قرار دیں گے؟

(الجواب) مذکورہ دوسو روپے زکوٰۃ کے شمار میں نہ ہوں گے! لہذا دوسو روپے اور ادا کرنے ہوں گے۔(۳) فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ وخیرات سے ہسپتال کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں؟:

(سوال ۱۸۵) زکوٰۃ کے روپوؤں سے ہسپتال چلا سکتے ہیں؟ جس سے اسٹاف (کارکنان) کی تنخواہ اور دوائیں وغیرہ خرید کر غرباء کے معالجہ کے لئے وقف کر دیا جائے۔ اس طرح فرد واحد یا چند افراد متفق ہو کر ہسپتال جاری کریں تو کیسا ہے؟

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال چلانا درست نہیں! زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے (یعنی حقدار کو مالک بنا دینا) وہ اس صورت میں موجود نہیں۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجھاد وکل ما لا تملیک فیہ فتاویٰ عالمگیری فی المصرف۔ ج۔ ۱ ص ۱۸۸) فقط واللہ اعلم۔

(۱) ولا یجوز دفعھا الی ولد الغنی الصغیر کذا فی التبیین ولو کان کبیرا جاز۔ فتاویٰ عالمگیری الباب السابع فی المصرف ص ۱۸۹)
(۲) ومن کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسہ ضمہ الیہ وزکاہ بہ (فصل فی الغنم)
(۳) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی ابنآء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ درمختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۵

کیا زکوٰۃ کی رقم سے اسکول کا سامان خرید سکتے ہیں؟:

(سوال ۱۸۶) ایک آدمی اپنی زکوٰۃ کی رقم سے اسکول میں بچوں کے لئے کرسی تخت وغیرہ بنانا چاہتا ہے۔ اب اس رقم کو کس طرح استعمال کرے؟ اگر خود استعمال نہ کرسکے تو اس کوئی صورت ہے جس سے وہ رقم کو مذکور اسکول میں خرچ کرسکے؟

(الجواب) ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے حق دار کو رقم بلا عوض مالک مختار بنا دینا ضروری ہے اور یہ حقیقت مدرسہ واسکول کے ساز وسامان بنانے میں نہیں پائی جاتی لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔(۱) ہاں، اگر مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مالک بنا دے پھر وہ اپنی طرف سے بخوشی سامان بنانے کے لئے رقم دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن پہلے سے رقم واپس لینے یا سامان بنا دینے کے متعلق گفتگو نہ کرے، کیونکہ ظاہری لینے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔(۲) حقیقۃً تملیک شرط ہے! (درمختار وغیرہ) فقط واللہ اعلم۔

خیرات کے حق دار کون ہیں؟:

(سوال ۱۸۷) خیرات کس کس کو دے سکتے ہیں؟

(الجواب) نفل خیرات وصدقات سب حاجت مندوں کو دے سکتے ہیں خویش واقارب مقدم ہیں اور دیندار زیادہ حق دار ہے۔

مدارس وانجمن میں خیرات وغیرہ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۸) مساجد ودار العلوم اور انجمن میں خیرات دینے کی فضیلت بتلائیں، دوسری جگہوں میں دینے سے اس میں خیرات دینے کی فضیلت اور درجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدارس ومساجد اور دینی اداروں میں خیرات دینے کی بڑی فضیلت ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں سب سے بڑی اور اچھی نیکی یہی ہے کہ اشاعت شریعت اور اس کے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش کرے بالخصوص ایسے زمانہ میں جس میں شعائر اسلام ناپید ہو چکے ہوں، کروڑوں روپے کا راہ خداوندی میں خرچ کرنا، دوسری نیت سے لاکھ روپے خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے۔ (مکتوبات، مکتوب نمبر ۴۸ ج ۱ ص ۶۶) فقط واللہ اعلم۔

زیورات مرہونہ کی زکوٰۃ کس پر ہے:

(سوال ۱۸۹) میرے پاس بارہ تولہ کا گلوبند تھا جس کو گروی (رہن) رکھ کر روپے لئے تھے۔ چار سال بعد روپے ادا کرکے وہ وصول کیا تو ان چار برس کی زکوٰۃ مجھ پر ہے یا اس پر؟

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ الخ درمختار مع الشامی باب المصرف ص ۸۵ ج ۲۔
(۲) قولہ ان الحیلۃ ای فی الدفع الی ھذہ الاشیآء مع صحۃ الزکاۃ قولہ ثم یامرہ الخ فیکون لہ ثواب الزکاۃ وللفقیر ثواب ھذہ القرب۔ بحر وفی التغیر ثم اشارۃ الی انہ لو امرہ اولا لا یجزی لانہ یکون وکیلا عنہ فی ذلک الخ شامی ج ۱ ص ۸۶ باب المصرف

(الجواب) گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ ، دینے والے پر ہے نہ رکھنے والے پر۔ (شامی ج ۲ ص ۹)[۱]

قرض معاف کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۹۰) ایک آدمی پر میرے پانچ روپے قرض ہیں میں بمد زکوٰۃ اس کو دے دوں تو اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے پانچ روپے اسے دے کر اس کو مالک بنا دیا جائے ، پھر وہ بمد قرض ادا کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی وصول ہوجائے گا![۲] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

قرض کی رقم قرض دار سے زکوٰۃ میں دلوادی جائے؟:

(سوال ۱۹۱) ایک آدمی پر میرے چندروپے ہیں۔ایک مستحق زکوٰۃ کو بہ نیت زکوٰۃ کہہ دو کہ فلاں کے پاس سے اتنے روپے وصول کرلے اور اس آدمی نے میرے کہنے کے مطابق دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ، ''فتاویٰ اسعدیہ'' میں ہے۔

(السوال) فی رجل له علی رجل اخر دین فامر فقیر ا بقبضه منه علی زکوته او امرہ ان یدفع الی فقیر عینه فهل یحتاج الی نیة مقارنة عند الدفع ام یکفی مجرد الامر و یسقط الزکوة اذا دفعها افتونا؟

(الجواب) نعم یسقط عنه بقبض الفقیر من المدیون قال فی المحیط الرضوی لو کان له دین علی رجل فامر فقیرا بقبضه عنه عن زکوة ماله فقبض اجزاء لان قبض الما مور بمنزلة قبضه فکانه قبضه بنفسه ثم صرف الیه بنیة الزکوة فیکون مؤدیا العین عن الدین انتهی (فتاویٰ اسعدیة ج ۱ ص ۱۵ بالمطبة الخیریة)

کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کا اظہار ضروری ہے؟:

(سوال ۱۹۲) مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہنا کہ یہ زکوٰۃ ہے آیا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) زکوٰۃ کے روپے دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے صرف نیت زکوٰۃ کافی ہے بلکہ مستحق کو یہ کہے کہ یہ عطیہ ہے یا قرض دیتا ہوں مگر دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔شامی میں ہے لان المعتبر نیة الدافع ولذا جازت و ان سماها قرضاً اوهبة فی الاصح (شامی ج ۲ ص ۸۶ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

(۱) قوله ولا فی مرهون ای لا علی المرتهن لعدم ملک الرقبة ولا علی الراهن لعدم الیه کتاب الزکوة

(۲) واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین ، و عن دین سیقبض لایجوز وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکاته ثم یأخذها عن دینه قال فی الشامیة تحت قوله وانه الثانیة واداء دین عن دین سیقبض کما تقدم عن البحروهو مالوابرأالفقیر عن بعض النصاب ناویا به الاداء عن الباقی درمختار مع الشامی کتاب الزکوة ج ۲ ص ۲۷۱

زکوٰۃ کی ادائیگی میں شک ہو تو کیا کرے؟:

(سوال ۱۹۳) زکوٰۃ ادا کی یا نہیں۔اس میں شک ہو تو کیا کرے؟ دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

(الجواب) ہاں دینا ضروری ہے۔[۱]

ایک ہی شخص کو نصاب کی برابر زکوٰۃ دینا؟:

(سوال ۱۹۴) ایک ہی شخص کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ وہ مالک نصاب بن جائے تو وہ درست ہے؟

(الجواب) ایک ہی آدمی کو اس قدر زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب بن جائے یہ مکروہ ہے۔ہاں مقروض کو اس کے قرض کی برابر یا اس سے بھی زائد رقم دے سکتے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے مگر یہ زائد رقم ایک نصاب کی برابر نہ ہو۔اسی طرح عیالدار کو اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ اگر اولاد پر تقسیم کی جائے تو ہر ایک بچہ بچی صاحب نصاب نہ بن سکے اتنی رقم دینا بلا کراہت درست ہے۔ہاں جب ایک بار نصاب کی برابر رقم دی گئی اور وہ صاحب نصاب بن گیا تو اب دوبارہ دوسری زکوٰۃ کی رقم اس کو نہیں دی جاسکتی۔درمختار میں ہے (وکرہ اعطاء فقیر نصاباً) او اکثر (الا اذا کان المدفوع الیه (مدیوناً او) کان (صاحب عیال) بحیث (لو فرقه. علیهم لا یخص کلا) او لا یفضل بعد دینه (نصاب) فلا یکرہ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۳ باب المصرف)

زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کرنے کے بعد قبل از ادائیگی ضائع ہوجائے؟:

(سوال ۱۹۵) زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کے لئے ایک بٹوے میں علیحدہ رکھی مگر ادائیگی سے قبل ضائع ہوگئی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا دوسری زکوٰۃ دینی ہوگی۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ ساقط! دوبارہ دینی ہوگی۔[۲] فقط۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

زانی ، حرام نطفہ کے بچہ کو زکوٰۃ دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۶) زید کا ایک عورت سے ناجائز تعلق تھا جس سے عورت کو حمل رہ گیا۔پھر باہم نکاح کرلیا۔چار ماہ بعد بچہ پیدا ہوا۔یہ لڑکا زید کا ہے یا نہیں ، کیا زید اس کو زکوٰۃ کی رقم دے تو درست ہے؟

(الجواب) شادی کے چھ ماہ بعد سے پہلے بچہ کا تولد ہو تو وہ بچہ شرعاً حرامی ہے مگر جس کے نطفہ کا وہ بچہ ہے وہ شخص اس بچہ کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتا اگر دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔درمختار میں ہے (کما لا یجوز دفع زکوة الزانی لو لده منه) ای من الزنا (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۴ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

(۱) ولو شک رجل فی الزکاة فلم یدر أزکی اولم یزک فانه یعیدها کذا فی المحیط فتاوی عالمگیری کتاب الزکوة مسائل شتی ج ۱ ص ۱۸۰)۔

(۲) رجل وجبت علیه زکاة المائتین فافرد خمسة من ماله ثم ضاعت منه تلک الخمسة لا تسقط عنه الزکوة فتاوی عالمگیری کتاب الزکوة مسائل شتی ج ۱ ص ۱۸۲)

بینک کی جمع شدہ رقم پر سال گذر جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۷) بینک میں رقم رکھی ہوئی ہے ایک برس اس پر گذر گیا تو زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے! (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

(سوال) شیئر پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ہے تو منافع پر ہے یا اصل رقم پر ہے یا دونوں پر؟

(الجواب) شیئرز پر زکوٰۃ ہے۔ اگر کمپنی تجارت کرتی ہے، مثلاً کپڑا، لوہا، سامان مشنری وغیرہ فروخت کرتی ہے، سیمنٹ بیچتی ہے، بجلی سپلائی کرتی ہے (جیسے الیکٹرک کمپنی) تو شیئرز کی اصل رقم (شیئرز کی قیمت) اور شیئرز کے منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے اور اگر کمپنی تجارت نہیں کرتی صرف کرایہ وصول کیا جاتا ہے جیسے ٹرام کمپنی ریلوے کمپنی بس کمپنی تو اس کے شیئرز کے منافع پر زکوٰۃ ہے اصل رقم پر زکوٰۃ نہیں۔ (۲)

قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۹۸) ایک آدمی جو زکوٰۃ کا حق دار ہے۔ اس کو زکوٰۃ دینے والا کسی مصلحت سے قرض کی رقم کہہ کر زکوٰۃ دے اور نیت بھی زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب نیت زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ ومن اعطی مسکینا دراهم وسماها هبة اوقرضا ونوی الزکوٰة فانها تجزیه. وهو الاصح ترجمہ: اور جس کسی نے مسکین کو درہم دیئے بطور قرض اور ہبہ کے۔ اور نیت کرلی زکوٰۃ کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہی اصح ہے (ص ۱۷۱ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کی ایک صورت:

(سوال ۱۹۹) ہماری بستی کے ہر محلہ میں ایک مکتب ہے جس میں ناظرہ، اردو، دینیات تعلیم الاسلام وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، اسی قسم کا ایک مکتب ''نور الاسلام'' نامی چل رہا ہے جس میں پانچ سو مقامی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، مدرسہ کی آمدنی صرف چندہ (جو چھ ہزار ہوتی ہے) ہے اور فی بچہ ماہانہ آٹھ آنے اس طرح کل دس ہزار آمدنی ہو جاتی ہے اور خرچ اٹھارہ ہزار روپے، باقی آٹھ ہزار روپے زکوٰۃ کے پیسوں میں سے خرچ کئے جائیں گو جائز ہے یا نہیں؟ یعنی مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کا مصرف مدرسہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (۱۱ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ)

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، (۳) جواز کی صورت یہ ہے کہ فیس بڑھا کر ایک روپیہ یا کم وبیش کر دی جائے اور زکوٰۃ کی رقم

(۱) فاما دان التقویم انما یکون بالسکوک عملاً بالعرف مقوما با حدهما ان استویا ..... ولو بلغ ای احدهما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ. شامی باب زکاة المال ج ۲ ص ۲۹۹)

(۲) اس کا حوالہ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الخ میں کچھ نقد اور کچھ مال تجارت ہو الخ کے عنوان کے تحت دیکھیں

(۳) ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر ..... وکل مالا تملیک فیه فتاوی عالمگیری. فی المصرف ج ۱ ص ۱۸۸

12

مستحقین طلبہ کو ماہانہ بطور امداد یا وظیفہ دی جائے اور پھر فیس میں وصول کرلی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس کے بعد یہ رقم تنخواہ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہوائی جہاز کے کرایہ میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنا:

(سوال ۲۰۰) ایک آدمی کینیڈا سے معلوم کراتے ہیں کہ میں کچھ مستعمل کپڑے غریبوں کو للہ تقسیم کرنے کے لئے راندیر ہوائی جہاز سے بھجوانا چاہتا ہوں اور اس کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا چاہتا ہوں تو اس طرح کرایہ میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پارسل کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک مستحق بلا عوض شرط ہے اور وہ شرط یہاں مفقود ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ کے پیسوں سے مکانات تعمیر کر کے غریبوں کو رہنے کے لئے دینا:

(سوال ۲۰۱) ہم لوگوں نے ایک قطعہ زمین کرایہ پر لیا ہے اور اس میں مکانات تعمیر کر کے غرباء کو معمولی کرایہ سے دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ مکانات زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کئے جائیں گے اور زمین کا کرایہ ہمیں ادا کرنا پڑے گا تو اس طرح مکانات کی تعمیر میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کے پیسوں سے زمین خریدنا یا مکان تعمیر کرنا درست نہیں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کے حق داروں کو بلا شرط عوض مالک بنا دیا جائے اور وہ شرط یہاں مفقود ہے۔

واخرج بالتملیک الاباحة فلا تکفی فیها فلو اطعم یتیماً ناویا به الزکوٰة لا تجزیه. الی قوله. وخرج بالمال المنفعة فلو اسکن فقیراً داره سنةً ناویاً للزکوٰة لا یجزیه. (طحطاوی علی مراقی الفلاح. ج ۱ ص ۴۱۴ کتاب الزکوٰة. (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جس کی آمدنی قلیل ہو اس کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۰۲) میرا بھائی شادی شدہ اور عیالدار ہے، تنخواہ بقدر گذران ہے، کچھ بچتا نہیں ہے بلکہ کبھی قرض ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں وہ مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ میں خفیہ طور پر ان کو زکوٰۃ دوں تو میری زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بھائی غریب ہو، مالک نصاب نہ ہو یعنی ساڑھے ساتھ تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے شامی میں ہے۔ وقید بالولاد لجوازه لبقیة الاقارب کالاخوة

(۱) وشرعاً تملیک جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر ولو معتوها غیر هاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه درمختار مع الشامی اول کتاب الزکوة ج ۲ ص ۳

(۲) ولو دفع الیه دارا یسکنها عن الزکاة لا یجوز کذا فی الذاهدی فتاویٰ عالمگیری. باب المصرف ج ۱ ص ۱۹۰)

والا عمام والا خوال الفقراء بل هم اولیٰ لانه صلة وصدقة (شامی ج ۲ ص ۸۶ باب المصرف) زکوٰۃ کی رقم بہ نیت زکوٰۃ ہبہ، تحفہ، عیدی اور انعام کے نام سے بھائی بھاوج اور بچوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ ومن اعطى مسكيناً دراهم وسماها هبةً او قرضاً ونوى الزكوة فانها تجزيه وهو الاصح (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوۃ)(قوله ولا يشترط علم الفقير انها زكوة على الاصح. ولو دفعها الى صبيان اقربائه برسم عيد اوالى مبشر او مهدى الباكورة جاز الخ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۱۵ کتاب الزکوۃ) فقط والله اعلم بالصواب.

جس کی آمدنی قلیل ہو اس کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۰۳) سورت شہر کے کنارے ایک مسلم آبادی ہوگئی ہے، اکثر وبیشتر نادار ہیں، عبادت خانہ کے طور پر ایک جھونپڑا بنوالیا ہے اس میں الحمد للہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہے اور مدرسہ بھی چلتا ہے، وہاں کے لوگ مدرس کو تنخواہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے، اگر للہ رقم کا چندہ کرتے ہیں تو اتنی رقم نہیں ملتی کہ مسجد ومدرسہ کا خرچ پورا ہو سکے، کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ کی رقم چندہ میں لے سکتے ہیں؟ اگر لیں تو اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کے اصل حق دار فقراء ومساکین ہیں، مدارس میں للہ رقم دینی چاہئے، غریب طلبہ کو دینا افضل ہے لیکن عام طور پر لوگ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں اگر مہتمم قبول نہ کرے تو مدرسہ چلانا اور مدرسین کی تنخواہ دینا مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت زکوٰۃ کی رقم لے کر شرعی حیلہ کر کے مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی گنجائش ہے،(۱) تعمیری کام میں استعمال نہ کی جائے، اس کے لئے للہ رقم حاصل کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سو بیگہ زمین کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۰۴) ایک مسلمان کسان کہ جس کے پاس سو ۱۰۰ بیگہ زمین ہے اور زراعت کا ضروری سامان بیل وغیرہ بھی ہے مگر عیالدار ہونے کی بنا پر کھیتی کی آمدنی سے وہ کسان اپنے بچوں کا تعلیمی خرچ پورا نہیں کر سکتا، ایسی حالت میں اس کا گاؤں کی ''مسلم ویلفیر سوسائٹی'' کی جانب سے بچوں کے لئے تعلیمی خرچ لینا جس میں زکوٰۃ کی رقوم بھی ہوتی ہیں جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ کبھی کثرت بارش یا قلت بارش کی وجہ سے وہ کسان قرض دار بھی ہوجاتا ہے اور جب پیداوار اچھی ہوتی ہے تو اس کی آمدنی سے قرض ادا کرتا ہے، تو ایسا کسان زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسان کے پاس کچھ بچا نہیں اور صاحب نصاب نہیں بنتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،(۲) لیکن سو بیگہ زمین رکھتے ہوئے زکوٰۃ کے لئے ہاتھ پھیلانا اس کی شایان شان نہیں، ایک دو بیگے زمین بیچ کر اپنی ضرورت میں استعمال کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وقد منا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء در مختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۶

(۲) وكذا لوكان له حوانيت او دار غلة تساوى ثلاثة آلاف درهم وغلتها لاتكفى له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز له اخذ الزكاة فتاوىٰ عالمگيرى باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۹

قرض دار یا کثیر العیال کو نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا:

(سوال ۲۰۵) میں یہاں مسجد میں امام ہوں، مسجد کے مشاہرہ سے گھر کا گذران چلانا مشکل ہے، کثیر العیال اور قرض دار بھی ہوں، ایک شخص مجھے زکوٰۃ کی بڑی رقم دینا چاہتے ہیں تو میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسئلہ یہ ہے کہ ایک مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے اتنے پیسے دیئے جائیں جو نصاب سے کم ہوں، اتنا دینا کہ غریب صاحب نصاب اور مالدار ہوجائے مکروہ ہے ہاں اگر وہ شخص قرض دار ہو یا کثیر العیال ہو تو اس کو اتنے پیسے دینا کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب نہ بچے یا اپنے اہل وعیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو نصاب کی مقدار سے کم پہنچے تو ایسے شخص کو نصاب سے زیادہ دینا بلا کراہت جائز ہے (وكره دفع نصاب او اكثر الى فقير غير مديون) الا ان يكون ذاعيال لو فرقه عليهم لا يصيب كلا نصاب (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر. ج ۱ ص ۲۲۵ کتاب الزکوۃ)(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۱۶ کتاب الزکوۃ) لہذا آپ اتنی رقم لے سکتے ہیں کہ قرض کی ادائیگی کے بعد بقدر نصاب آپ کے پاس نہ بچے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم مکتب میں استعمال کرنے کا ایک طریقہ:

(سوال ۲۰۶) ہمارے گاؤں میں مسلمانوں کے پندرہ گھر ہیں، کھیتی پر سب کا گذران ہے اور کھیتی خراب ہوجانے کی وجہ سے سب کی مالی اور اقتصادی حالت بے انتہا کمزور ہوگئی ہے، بستی میں ایک مسجد اور ایک مکتب ہے، مکتب کے معلم کی تنخواہ ''مجلس خدام الدین'' کی طرف سے آتی ہے اور کچھ رقم گاؤں کے لوگ چندہ کر کے تنخواہ کے ساتھ ان کو دیتے ہیں مگر اب وہ دینا بھی مشکل ہو رہا ہے، ان حالات میں ایک صاحب خیر نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے، کیا وہ پیسے معلم کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم میں سے زکوٰۃ دینے والے کی اجازت سے مستحق زکوٰۃ مدرس کو ماہ بماہ بطور امداد کے تھوڑی تھوڑی رقم دیتے رہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور مدرس کی امداد بھی ہوجائے گی بطور تنخواہ دینا جائز نہیں۔ اور اگر تنخواہ ہی میں دینا ہو تو زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو کسی قسم کے عہد وپیمان کے بغیر بطور تملیک دے دی جائے پھر اس کے بعد اس کو مشورہ دیا جائے کہ اپنی بستی کا مدرسہ بہت غریب ہے اگر تم یہ رقم مدرسہ میں للہ دے دو تو استاذ کی تنخواہ کا انتظام ہوجائے گا اور تم کو اجر عظیم ملے گا، وہ غریب یہ مشورہ قبول کر کے رقم مدرسہ میں دے دے تو اس کے بعد وہ رقم تنخواہ میں دینا جائز ہوگا۔(۱)

زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو سپرد کرنا اور غیر مسلم کو زکوٰۃ اور سود کی رقم دینا:

(سوال ۲۰۷) ہمارے یہاں مسلمانوں کی ایک کمیٹی ہے اس کے منتظمین تمام مسلمان ہیں وہ لوگ چندہ میں للہ رقم اور زکوٰۃ کی رقم بھی وصول کرتے ہیں اور زکوٰۃ کے پیسوں میں آج تک غریب مسلمانوں کو مفت دوا وغیرہ دیتے تھے اور تقسیم کا یہ کام مسلمان ہی کو سپرد کیا جاتا تھا مگر اب ایک غیر مسلم کو ملازم رکھ کر وہ کام اس کو سپرد کیا گیا ہے اب وہ غیر مسلم

---

(۱) حوالہ چار سوال پہلے جس کی آمدنی قلیل ہو اس کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

اپنی مرضی سے جس کو چاہتا ہے مفت دوا دیتا ہے حتی کہ غریب حاجت مند مسلمانوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلموں کو بھی مفت دوا دیتا ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا زکوۃ جیسے اہم عبادت جو نماز روزہ وغیرہ کی طرح ایک اسلامی فریضہ ہے اس کی تقسیم کا کام غیر مسلم کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) زکوۃ کے پیسے غیر مسلموں کو محض خوش کرنے کی غرض سے دیئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں، اور اس ''کمیٹی'' کو چندہ میں دینے والوں کی زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

(۳) بنک کی سودی رقم غریب مسلمانوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلم کو دینا جائز ہے؟

(الجواب) زکوۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو سپرد کرنا جائز نہیں اس میں مسلمانوں کی توہین لازمی آتی ہے اور ایک غیر مسلم کی سرداری مسلمانوں پر ہوگی اور زکوۃ کی رقم کا غلط استعمال ہوگا اور زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے ذمہ دار ''انجمن'' کے منتظمین ہوں گے۔

درمختار باب العاشر میں ہے (هو "اى العاشر" حر مسلم) بهذا يعلم حرمة تولية اليهود على الاعمال (قوله هو حر مسلم) ولا يصح ان يكون كافراً لانه لايلى على المسلم بالآية بحر والمراد بالآية قوله تعالىٰ ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (شامى ج ۲ ص ۵۱ كتاب الزكوة باب العاشر)

غایۃ الاوطار میں ہے، عاشر آزاد ہے مسلمان۔ یعنی نہ غلام ہو نہ کافر اس سے معلوم ہوا کہ یہود کو عامل بنانا حرام ہے (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۴۵۵ باب العاشر)

(۲) زکوۃ کے مصرف غریب مسلمان ہیں، کسی بھی نیت سے غیر مسلموں کو اگر زکوۃ کے پیسے دیئے جائیں گے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی (ولا يصح دفعها لكافر) (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۴۱۸ كتاب الزكوة)

(۳) دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے، حاجت مند مسلمانوں کا حق مارنے کے مثل ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داماد کو زکوۃ دینا:

(سوال ۲۰۸) میرے پاس زکوۃ اور سود کے پیسے ہیں میرا داماد غریب ہے اور مقروض بھی ہے، اس کو یہ پیسے دے سکتا ہوں یا نہیں؟ قرض کی ادائیگی کے بعد وہ بچے ہوئے پیسوں سے اپنے گھر کی مرمت کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس کے بعد مالدار ہو جائے تو اس کے لئے زکوۃ کے پیسوں سے مرمت کئے ہوئے مکان میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داماد غریب ہو تو زکوۃ کے پیسے دے سکتے ہیں[۱] اور وہ ان پیسوں سے گھر کی مرمت بھی کرا سکتا ہے اور وہ مستقبل قریب یا بعید میں مالدار ہو جائے تو اس کے بعد وہ اس گھر کو استعمال کر سکتا ہے، اس لئے کہ فی الحال تو وہ غریب

(۱) ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه و زوج ابنته تاتار خانية ،شامى باب المصرف ج ۲ ص ۸۶

ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) زکوۃ کی رقم میں سے غرباء کے لئے مکان بنوانا۔
(۲) مستحق زکوۃ کون ہے؟:

(سوال ۲۰۹) چند احباب نے مل کر زکوۃ کا روپیہ جمع کیا اور یہ طے کیا کہ اس رقم سے غریب مسلمان جنہیں رہائش کی تکلیف ہے ان کے لئے گھر بنا دیئے جائیں کیا زکوۃ کے روپیہ سے غریب کے لئے گھر بنا دینا جائز ہے؟

(۲) زکوۃ ادا ہونے کے لئے مستحق ہونے کی تشریح بھی فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن مستحقین زکوۃ کو رہائش کے لئے واقعی مکان کی ضرورت ہے ان کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے لیکن ایک ساتھ اتنی رقم نہ دی جائے کہ وہ گھر والوں پر تقسیم کی جائے تو وہ صاحب نصاب بن جائیں، اس کا خیال رکھتے ہوئے تھوڑی تھوڑی اور بقدر ضرورت رقم دیتے رہیں وہ خود ہی مکان بنائیں یا وہ لوگ (یعنی غرباء) اس کام کے لئے جو کمیٹی بنی ہو اس کو رقم حوالہ کردیں اور کمیٹی والے اپنی نگرانی میں مکانات بنوا دیں کمیٹی میں ایک عالم ہو یا کمیٹی والے کسی معتبر عالم کے مشورے سے کام کریں تو بہتر ہے۔[۱]

(۲) زکوۃ کا مستحق وہ شخص ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال (زیور، مکان، زمین، اسباب، کتابیں وغیرہ) نہ ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے، ایسا شخص زکوۃ لینے پر مجبور ہو تو لے سکتا ہے[۲] ''زکوۃ کی رقم'' ہے یہ ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا، خویش واقارب کو خفت ہوگی اور برا مانیں گے ایسے موقعہ پر ہدیہ، تحفہ کے نام سے بھی دیا جا سکتا ہے، البتہ جس شخص کے متعلق تحقیق نہ ہو کہ وہ زکوۃ کا حق دار ہے تو اس سے تنہائی میں تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ میں زکوۃ اور اس کا مصرف:

(سوال ۲۱۰) ایک شخص مدرسہ میں بچوں کے لئے کھانا پکاتا ہے اور دوسرا شخص بازار سے بچوں کے لئے چاول، گھی، تیل، لکڑی وغیرہ لاتا ہے، زکوۃ کے پیسے اس کو بطور اجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مدرسہ کا ایک سفیر ہے اس کے اخراجات میں زکوۃ کے پیسے استعمال کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح زکوۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر بچوں کو پڑھنے کے لئے دینا اور سال پورا ہونے پر ان سے واپس لے لینا درست ہے یا نہیں؟ پانی اور بجلی کا بل زکوۃ کی رقم سے ادا کریں، اسی طرح مکان کا ٹیکس ادا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوۃ کی رقم اجرت (کسی کام کے بدلہ) میں دینا درست نہیں ہے، مزدوری اور کرایہ میں بھی نہیں دی جا سکتی، سفیر کے اخراجات میں اور کھانے پینے میں یہ رقم صرف نہیں ہو سکتی، مستحق زکوۃ کو بلا عوض دی جائے، زکوۃ کی رقم سے کتب خانہ کے لئے کتابیں خریدنا بھی جائز نہیں، بجلی، پانی اور مکان کے ٹیکس میں استعمال کرنے سے زکوۃ ادا نہ

(۱) اگر زکوۃ کی رقم سے گھر بنا کر غریب کو دے دیا جاوے تو زکوۃ ادا ہو جائیگی۔

(۲) هو فقير وهو من له ادنى شئى اى دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة درمختار مع الشامى باب المصرف ج ۲ ص ۳۳۹

ہوگی ،طلباء کو دے کر مالک بنا دیا جائے اور وہ اپنے لئے کتابیں خرید لیں اور واپس لینے کی شرط نہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم جمع رہتی ہو وہاں زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۱۱) بعض مدارس میں زکوٰۃ کے پیسے تقریباً تیس چالیس ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ارباب مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم اسی سال کام میں لے لینی چاہئے مدرسہ میں چاہے کتنی ہی زکوٰۃ ہو دینا منع نہیں ہے، البتہ سالہا سال جمع رکھتے ہوں ایسے مدارس میں نہیں دینا چاہئے ، جہاں کام میں صرف کی جاتی ہو اور ضرورت ہو وہیں دینی چاہئے۔

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۲۱۲) چندہ کے لئے جانے والے بعض سفیر مالدار ہوتے ہیں، وہ اپنے ذاتی پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے چندہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتے ہیں اور گھر پہنچ کر صرف شدہ رقم اپنی طرف سے جمع کر دیتے ہیں، تو اس طرح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم سفیر خرچ نہیں کر سکتا اس کو چاہئے کہ گھر سے منگوالے یا کسی سے قرض لے لے۔ فقط واللہ اعلم

موجودہ زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۱۳) ایک سید ہے وہ مقروض اور پریشان ہے، ملازمت کی آمدنی کے سوا کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے، ایسے سید کو زکوٰۃ ،فطرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فی زمانہ جب کہ اسلامی بیت المال نہیں ہے اور لوگ اس بارے میں غفلت برتتے ہیں اس لئے ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ اور فطرہ سید کو مجبوری میں بھی لینے اور دینے کی اجازت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، حدیث میں اس کو اوساخ الناس کہا گیا ہے (یعنی لوگوں کا میل کچیل کہا گیا ہے) اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ صدقات محمد (ﷺ) اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہیں۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الصدقات انما ھی او ساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لال محمد .رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱ باب من لا تحل لہ الصدقۃ) اس حدیث میں سادات کے لئے حرمت زکوٰۃ کی علت او ساخ الناس بیان فرمائی ہے، بیت المال سے ان کے لئے وظائف کا مقرر ہونا بیان نہیں فرمایا، اور یہ علت آج بھی قائم ہے، اس لئے ان کے لئے حرمت زکوٰۃ کا حکم آج بھی باقی ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اور سادات کرام کا احترام واکرام بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے بچپن کے زمانہ میں صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد قال فی الشامیۃ تحت قولہ نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجہاد و کل مالا تملیک فیہ .درمختار مع الشامی باب الصرف ج ۲ ص ۳۴۴

آپ ﷺ نے ان کے منہ سے نکلوادی اور فرمایا ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقات فجعلھا فی فیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ لیطر حھا ثم قال اما شعرت انا لا ناکل الصدقۃ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱ باب من لا تحل لہ الصدقۃ)

درمختار میں ہے۔(ولا الی بنی ھاشم) ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع وقول العینی و الھاشمی یجوزلہ دفع زکوتہ لمثلہ صوابہ لا یجوز(درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۱ کتاب الزکوٰۃ باب المصرف) یعنی اور نہیں جائز ہے زکوٰۃ دینا بنی ہاشم کو۔الی قولہ۔پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا مطلقاً ممنوع ہے، خواہ بنی ہاشم ، بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے اور عینی نے جو کہا کہ جائز ہے ہاشمی کو کہ زکوٰۃ دے اپنے مثل یعنی ہاشمی کو تو صحیح یہ ہے کہ نہیں جائز ہے، کذافی النھر (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۱ ص ۴۸۰) وھکذا فی کتب الفقہ.

لہذا صاحب حیثیت اور اہل خیر حضرات کو لازم ہے کہ وہ سادات کی للہ قوم سے امداد کریں اور ان کو مصیبت وتکلیف سے نجات دلائیں کہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ صحیح محبت کی دلیل ہے ورنہ مواخذہ کا اندیشہ ہے مزید تائید کے لئے حضرات علماء کبار اور مفتیان عظام کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ:

(۱)(سوال ۳۶۳) جس سید کا کنبہ بہت ہو اور وہ نابینا حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۶ ص ۲۱۲)

(۲)(سوال ۴۱۶) عام طور سے مشہور ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ کا مال آل محمد ﷺ کے لئے حرام ہے۔حال میں ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ ایسا مال آل محمد ﷺ کے لئے بعض حالات میں مباح ہے اور اندریں باب علماء نے فتویٰ دے دیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کن حالات میں مال زکوٰۃ وصدقہ سادات بنی فاطمہ کے لئے حرام ہے اور اگر مباح ہے تو کن حالات میں؟

(الجواب) مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثل چرم قربانی وصدقہ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی حدیث میں ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لال محمد .رواہ مسلم اور درمختار میں ہے ولا الی بنی ھاشم الخ ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع .وھکذا فی الشامی .

پس یہ قول صحیح نہیں ہے جو کہ کسی نے کہا ہے کہ بعض حالات میں مباح ہے۔(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۶ ص ۲۳۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

(سوال ۳۹) سید صاحب نصاب ہو اور اس کی اعزہ میں غریب محتاج ہوں اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے

نہ ہو ایسی حالت میں سید صاحب نصاب کو اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں؟ تا کہ ان کی حاجت روائی ہو جاوے، اسی طرح دیگر اقوام شیخ، مغل، پٹھان، صاحب نصاب اگر کسی غریب سید کو زکوٰۃ میں سے دے دیں تو درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل سیدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے اور بیت المال بھی نہیں ہے کہ جس سے امداد کی جاوے، مفصل بدلائل حدیث وفقہ ارقام فرماویں۔

(الجواب) بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں خواہ دینے والا بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔ لقوله عليه السلام لابى رافع مولى القوم من انفسهم وانها لا تحل لنا الصدقة اور ده فى التيسير عن ابى داؤد والترمذى واللفظ لهما والنسائى وفى الهداية ولا تدفع الى بنى هاشم الخ قلت ولا تغتر بما يذكر من جوازها لهم لسقوط عرضها وهو الخمس لا نه قياس فى مقابلة النص او لاً. ثم هذا القياس نفسه لا تتم لا نه عليه السلام علل حرمتها بكونها او ساخ الناس لا بتعويض الخمس فلما لم يكن علة لم يلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمة الزكوة فتأمل حق التامل . اور خدمت سادات کی ہدایا وصدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ ان کے لئے حلال ہے۔ وفى الهداية بعد الرواية المذكورة بخلاف التطوع فقط (امداد. ج ۱ ص ۱۷۰) (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص: ۲۷، ص ۲۸ مطبوعہ پاکستان. ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ دیوبند)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

(۱) (جواب دوم) راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ابوعصمہ کی وہ روایت جو انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہے مفتی بہ نہیں ہے، پس سید کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔ الخ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۵۷ جلد چہارم)

(۲) (جواب ۳۴۳) سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں، ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غر سید غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں، لہٰذا تم کو دیتے ہیں۔ اگر تم یہ کل یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دے دو تو بہتر ہے اور وہ لے کر دے دے تو سید کے لئے جائز ہے (کفایت المفتی ص ۲۷۲ جلد چہارم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے کی سلائی کی اجرت ادا کرنا:

(سوال ۲۱۴) میں زکوٰۃ کے پیسے سے کپڑا خریدتا ہوں اور اس کو سلا کر یتیم خانہ لے جا کر یتیم بچوں کو دے دیتا ہوں، کیا زکوٰۃ کی رقم سے سلائی کی اجرت دے سکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یتیم خانہ کے بچوں کا ناپ لے کر ان کی مرضی کے مطابق کپڑا سلوایا گیا اور وہ لباس شرعاً ممنوع نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے سلائی کی اجرت ادا کرنے کی گنجائش ہے کہ معطی لہٗ کے حق میں یہ سلائی کپڑے کے عین میں اضافہ کے حکم میں ہے، مگر بے خطر صورت یہ ہے کہ مستحق کو کچا کپڑا اور رقم دے دی جائے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سلوا لے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے اس میں سے قرض دینا:

(سوال ۲۱۵) ہمارے یہاں ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے اراکین زکوٰۃ کی رقم چندہ میں جمع کرتے ہیں اور جمع شدہ رقم میں سے غربا، کو غیر سودی قرض دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے گذران کے لئے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر سکیں اور قرض کا دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو قرض ادا کرنے کی فکر رہے گی تو محنت اور توجہ سے کام کریں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا یہ طریقہ کار صحیح ہے یا نہیں؟ خلاصہ فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، قابل ترک ہے، زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے اس میں سے قرض دینا جائز نہیں ہے، جن لوگوں کی رقمیں ہیں ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور کمیٹی کے ممبر اس کے ذمہ دار ہوں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو بلا کسی عوض مالک بنا کر دے دی جائے۔

درمختار میں ہے (هى تمليك) خرج الا باحة فلوا طعم يتيماً ناويا الزكوة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه (درمختار مع شامی ص ۳ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینے کی صورت میں تملیک پائی نہیں جاتی کمیٹی والے بھی اس نیت سے دیتے ہیں کہ بعد میں اس سے یہ رقم وصول کرنا ہے، لہٰذا یہ طریقہ واجب الترک ہے، اور یہ بات بھی خیال میں رہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ میں جلد از جلد تقسیم کر دی جائے تا کہ لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے، قرض دینے کے لئے للہ رقم کا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۲۱۶) ایک نابالغ بچہ ہے جس کا باپ غریب اور مستحق زکوٰۃ ہے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، کیا وہ نابالغ بچہ مالک بن سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر نابالغ عقلمند اور سمجھدار ہو، قبضہ کو سمجھتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جو بچہ بہت چھوٹا ہو قبضہ کو نہ سمجھتا ہو اور لین دین کے قابل نہ ہو تو ایسے بچہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں اگر بچہ کا ولی اس کی طرف سے قبضہ کر لے تو ادا ہو جائے گی، درمختار میں ہے دفع الزكوة الى صبيان اقاربه برسم عيد ...... جاز (قوله الى صبيان قاربه) اى العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولى الصغير (درمختار و شامی ص ۹۶ ج ۲ باب المصرف قبيل باب صدقة الفطر)

نیز شامی میں ہے (قوله تمليكاً) وفى التمليك اشارة الى انه لا يصرف الى مجنون وصبى غير مراهق الا اذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالاب والوصى وغيرهما ويصرف الى مراهق يعقل الاخذ كمافى المحيط قهستانى وتقدم تمام الكلام على ذلك اول الزكوة (شامی ص ۸۵ ج ۲. باب المصرف)

عمدۃ الفقہ میں ہے: اور اگر زکوٰۃ کے مال پر چھوٹے لڑکے نے قبضہ کر لیا اور وہ قریب البلوغ ہے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر ایسے لڑکے کو دیا جو قبضہ کرنے کو سمجھتا ہے یعنی پھینک نہیں دیتا یا کوئی دھوکہ دے کر اس سے نہیں لے لے

کا تب بھی جائز ہے اور کم عقل فقیر کو دیا تب بھی جائز ہے۔(عمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۱۳۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد مدرسہ کی تعمیر میں زکوٰۃ استعمال کرنا:

(سوال ۲۱۷) مسجد وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لی جاسکتی ہے؟ اور اگر کوئی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ کو بلا کسی عوض مالک بنانا شرط ہے تملیک کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تعمیری کاموں میں استعمال کرنے کی صورت میں زکوٰۃ تملیک نہیں ہوتی لہذا مسجد ہو یا مدرسہ اس کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے (لا) یصرف (الی بناء) نحو (مسجد) ولا الی (کفن میت وقضاء دینه) (درمختار) شامی میں ہے (قوله نحو مسجد) کبناء القنا طیرو السقایات واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج وکل مالا تملیک فیه (درمختار و شامی ص ۸۵ ج ۲ باب المصرف)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه الخ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۸۸ ج ۱ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب .

کپڑوں کے پارسل وصول کرنے کے لئے ڈاک خانہ میں زکوٰۃ کی رقم دینا:

(سوال ۲۱۸) بیرون ملک سے غربا، ومساکین کو تقسیم کرنے کے لئے مستعمل کپڑے آتے ہیں مستعمل کپڑے کا پارسل وصول کرنے کیلئے ڈاکخانہ میں پیسے دینا پڑتے ہیں زکوٰۃ کی رقم ڈاکخانہ میں دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک مستحق بلا عوض شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے لہذا اس کے لئے دوسرا انتظام کیا جائے زکوٰۃ کی رقم اس میں استعمال نہ کیا جائے۔(باب المصرف)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم غیر مستحق کو دے دی گئی تو وہ کیا کرے:

(سوال ۲۱۹) ایک شخص صاحب نصاب ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، دوسرے شخص نے اس کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ کی رقم دی، اس نے ہدیہ یا تحفہ سمجھ کر رقم لے لی، بعد میں اس کو یہ خیال ہوا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو اب یہ شخص کیا کرے؟ کیا اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا جس نے رقم دی ہے اس کو واپس کردے یا وہ رقم کسی مستحق کو دے دے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس نے رقم دی ہے اس سے تحقیق کرے اگر وہ کہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو صاف کہہ دے کہ میں مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں اور رقم اسے واپس کردے اگر دینے والے سے تحقیق کرنا دشوار اور مشکل ہو اور یقین یا ظن غالب ہو کہ یہ

زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس کے لئے اس کا استعمال حلال وطیب نہیں، ممکن ہو تو دینے والے کو واپس کردے یا صدقہ کردے، شامی میں ہے ولا یسترد الو لدوالغنی وهل یطیب له فیه خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی اه (شامی ص ۹۳ ج ۲ ، تحت قوله ولو دفع بلا تحر باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مقروض کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے یا غریب کو:

(سوال ۲۲۰) ایک شخص مقروض ہے، قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں قرض خواہوں کے مطالبوں سے بہت پریشان ہے، باوجود کوشش کے اپنا قرض ادا نہ کرسکا ایسے مقروض کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے یا غریب کو جس کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہے اور یہ مقروض دو فکروں میں جکڑا ہوا ہے، اپنے اہل وعیال کا نفقہ اور قرض خواہوں کا مطالبہ، امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلانا بہتر ہے، غریب بہت محتاج ہو تو بقدر ضرورت اس کی بھی مدد کی جائے، عالمگیری میں ہے ومنها الغارم وهو من لزمه اوکان له مال علی الناس لا یمکنه اخذه والدفع الی من علیه الدین اولیٰ من الدفع الی الفقیر (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸ باب فی المصارف) فقط واللہ اعلم بالصواب .

لڑکے کے پاس رقم ہو مگر اس کی والدہ محتاج غریب ہو تو اس کی والدہ کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کی بیوہ عورت اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، عورت کے پاس ایک زمین ہے اس پر مکان بنانا چاہتی ہے مگر غریب محتاج ہے کچھ رقم نہیں ہے، اس عورت کو زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟، ایک شخص نے عورت کے بیٹے کو رکشا خریدنے کے لئے بیس ہزار روپے دیئے ہیں وہ رقم اس لڑکے کے پاس موجود ہے، تو اس حالت میں اس لڑکے کی والدہ کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بیس ہزار روپے لڑکے کو ہی دیئے ہوں اور لڑکے نے وہ رقم اپنے ہی پاس رکھی ہو اپنی والدہ کو مالک بنا کر نہ دیئے ہوں اور اس کی والدہ غریب محتاج ہو تو ایسی صورت میں اس عورت کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے،[1] البتہ یہ خیال میں رہے کہ یکمشت اتنی رقم نہ دی جائے جس سے وہ عورت صاحب نصاب بن جائے، مکان بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی رقم دیتے رہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) جس مدرسہ میں زکوٰۃ کے مصارف نہ ہوں اس مدرسہ میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

(۲) زکوٰۃ سے قرض ادا کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں انگلینڈ میں کئی دینی مدرسے قائم ہو چکے ہیں

[1] ویجوز صرفها الی الاب المعسر وان کان ابنه موسر اکذا فی شرح الطحاوی فتاوی عالمگیری باب المصرف ج ص ۱۸۹

اور دارالعلوم کی طرح تمام انتظامات موجود ہیں، ان مدرسوں میں طالب علم تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش بھی رکھتے ہیں، انگلینڈ کے علاوہ باہر دوسرے ملکوں سے طلبہ دینی تعلیم حاصل کرانے کے لئے یہاں آتے ہیں، مدرسہ میں طلبہ کی رہائش کے ساتھ کھانے اور تمام ضروریات کا بھی انتظام ہوتا ہے، طلبہ چونکہ تمام خود کفیل اور مالدار ہوتے ہیں اس لئے تمام طلبہ اپنے تمام اخراجات مثلاً رہائش کھانے پینے اور کتابوں کے تمام اخراجات برداشت کرتے ہیں مدرسہ پر ان کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا، اس حالت میں اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسے مدارس میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینا کیسا ہے؟

اس کے علاوہ اگر کوئی ایسا ادارہ اس لئے زکوٰۃ وصدقات کو وصول کرتا ہو کہ وہ مقروض ہے اور قرض ادا کرنے کے لئے وہ لوگ زکوٰۃ وصدقات وصول کریں تو اس کے لئے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے ملک میں غرباء ومساکین ہوں تو ان کو زکوٰۃ وصدقات اس قدر دینا درست ہے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن جائیں، دوسرے ملکوں میں جہاں زکوٰۃ صدقات کے حق دار ہوں زکوٰۃ وصدقات کی رقم بھیجی جاسکتی ہے، جس مدرسہ میں زکوٰۃ کا مصرف نہ ہو۔ یعنی زکوٰۃ لینے کے حق دار نہ ہوں تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے، اور اہل مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم وصول بھی نہ کرنا چاہئے۔

ایسا مدرسہ مقروض ہے تو قرض ادا کرنے کے لئے براہ راست زکوٰۃ وصدقات کی رقم نہ دی جائے لہٰذا رقم سے قرض ادا کیا جائے، اگر اہل مدرسہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ وصول کر کے اس سے قرض ادا کریں گے تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مالک بنانا شرط ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

مکان خریدنے کی وجہ سے مقروض ہے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۲۳) ایک شخص کرایہ کے مکان میں رہتا ہے مکان مالک گھر خالی کرنے کا تقاضا کر رہا ہے اس شخص نے اس پریشانی کی وجہ سے ایک چھوٹا سا گھر ادھار خریدا ہے، گھر اس کی ضرورت کے بقدر بلکہ کم ہے اس کے پاس جو سونا تھا وہ بیچ کر مکان کے قیمت میں لگا دیا اور جو نقد رقم تھی وہ سب دے دی مگر اب بھی مکان کا قرضہ باقی ہے، اور اب اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے بیچ کر وہ اپنا قرضہ ادا کر سکے گو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے؟ تاکہ وہ جلد اپنا قرضہ ادا کر سکے، جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جو مکان خریدا ہے وہ بقدر ضرورت ہے اور قرض ادا کرنے کے لئے سونا بیچ دیا جو نقد رقم تھی وہ سب دے دی اور اس شخص کے پاس ضرورت سے زائد ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ اپنا قرض ادا کر سکے تو ایسی صورت میں اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه درمختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۵

(۲) ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه فتاوىٰ عالمگیری باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۸

ایک شخص نے قرض مانگا، زکوٰۃ کی نیت سے قرض دیا بعد میں مقروض نے رقم واپس کر دی تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۲۴) ایک ضرورت مند مستحق زکوٰۃ نے ایک دوست سے قرض لیا قرض دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت سے قرض دیا، کچھ مدت کے) بعد مقروض نے وہ رقم واپس کی، قرض دینے والے نے کہا میں نے ہدیہ دیا تھا، مقروض نے لینے سے انکار کیا اور رقم چھوڑ کر چلا گیا اب اس رقم کا کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر وہ شخص رقم نہ لے اور واپس کر دے تو اس کی اجازت سے کسی اور مستحق زکوٰۃ کو وہ رقم دے دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ایضاً:

(سوال ۲۲۵) بکر زید کے پاس قرض لینے کی ارادہ سے آیا، زید نے اس وقت قرض کے نام سے رقم دی مگر بکر درحقیقت مستحق زکوٰۃ تھا، اس لئے زید نے رقم دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی، ایک مدت کے بعد بکر وہ رقم واپس کرنے آیا، زید نے رقم لینے سے انکار کیا مگر بکر رقم رکھ چلا گیا، بکر نے جو رقم واپس کی اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ واجب التصدق ہے یا بکر اس کا مالک ہے؟، اگر زید وہ رقم صدقہ کر دے تو بکر کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مناسب ہو تو مقروض (بکر) سے صاف کہہ دیا جائے کہ میں نے رقم دیتے وقت ہی زکوٰۃ کی نیت کر لی تھی لہٰذا رقم واپس نہ کرو، اور اس کے باوجود بھی واپس کرنے پر مصر ہو تو کہہ دیا جائے کہ تم جسے چاہو دے دو، اور اگر اس کے باوجود بھی وہ شخص (بکر) رقم واپس کر دے تو چونکہ معطی (زید) کی نیت کے مطابق اسی وقت زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے لہٰذا اس کی اجازت لے کر وہ رقم صدقہ کر دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مستحق زکوٰۃ کو کتنی رقم دینا مکروہ ہے:

(سوال ۲۲۶) فقیر کو زکوٰۃ کی رقم بقدر نصاب یا اس سے زیادہ دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی اتنی رقم ایک فقیر کو دے دینی مکروہ ہے کہ قرضوں کی ادائیگی اور اہل وعیال میں سے ہر شخص کو نصاب سے کم دینے کے بعد فقیر کے پاس نصاب کامل بچ جائے، درمختار میں ہے (وکره اعطاء فقير نصاباً) او اكثر (الا اذا كان) المدفوع اليه (مديوناً او) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) او لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح (درمختار مع رد المحتار ۲/۹۳، باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بھائی کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۲۷) میرا ایک بھائی شادی شدہ اور عیال دار ہے ان کی تنخواہ ساڑھے تین سو روپے ہے، گزران کے بعد کچھ بچت نہیں ہوتی مقروض ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں ہم خفیہ طور پر ان کو زکوٰۃ کی رقم بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ

بھائی زکوۃ کا مستحق ہے یا نہیں، بینواتوجروا۔

(الجواب) بھائی غریب ہو صاحب نصاب نہ ہو (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا حاجت اصلیہ سے زائد اتنی مالیت کا سامان کا مالک نہ ہو) تو اسے زکوۃ دے سکتے ہیں، زکوۃ کی رقم بنیت زکوۃ، ہدیہ وتحفہ اور عیدی کے نام سے بھائی کو یا ان کے بچوں کو دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اور اگر بھائی صاحب نصاب ہو تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ ومن اعطی مسکیناً دراھم وسماھا ھبة اوقرضاً ونوی الزکوۃ فانھا تجزیه وھو الاصح (فتاوی عالمگیری مصری ج ۱/ص ۱۷۱ کتاب الزکوۃ) ولو دفعھا الیٰ صبیان اقربائه برسم عید اوالی مبشر او مھدی البٰ کورۃ جاز (طحطاوی ص ۳۹ کتاب الزکوۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب

رقوم زکوۃ فقراء کو دینا افضل ہے یا یتیم خانہ میں:

(سوال ۲۲۸) زکوۃ کی رقوم یتیم خانہ میں دی جائے یا عام فقراء کو، از روئے ثواب افضل کیا ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) جس جگہ زیادہ ضرورت ہو اور جہاں دینی ومذہبی تعلیم وتبلیغ کی خدمت انجام دی جارہی ہو وہاں زکوۃ صرف کی جائے، ایسے ہی اہل قرابت جو زکوۃ کے مستحق ہوں ان کو دینے میں زیادہ ثواب ہے، والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الیٰ اولادھم (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰) وکرہ نقلھا بعد تمام الحول لبلد آخر لغیر قریب واحوج واورع وانفع للمسلمین بتعلیم (طحطاوی ص ۳۹۶ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نانا کو زکوۃ دینا:

(سوال ۲۲۹) ایک شخص کے پاس زکوۃ کی رقم (دوسو ڈالر) ہے وہ اپنے نانا کو یہ رقم دینا چاہتا ہے، کیا اس طرح زکوۃ ادا ہوجائے گی؟ کیونکہ نانا مقروض ہے، کیا اس رقم سے قرض کی ادائیگی درست ہے؟ اگر درست نہ ہو تو قرض کی ادائیگی کی کوئی اور تدبیر تحریر فرمادیں، بینواتوجروا۔

(الجواب) نانا اور نواسا کا آپس میں ایک دوسرے کو زکوۃ دینا درست نہیں اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، ہدایہ میں ہے کہ اپنے باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ کو نیز اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ کو زکوۃ دینا درست نہیں۔ ولا یدفع المزکی زکوٰۃ ماله الیٰ ابیه اوجدہ وان علا ولا الی ولدہ وولد ولدہ وان سفل (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۶ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز)

لہٰذا ذی حیثیت نواسے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی خالص کمائی سے اپنے مقروض وحاجت مند نانا کی امداد کر کے انہیں قرض کے بوجھ سے سبکدوش کر کے اور اہل قرابت پر خرچ کر کے دوگنا ثواب کا حق دار بنے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سادات کو زکوۃ دینا:

(سوال ۲۳۰) سید لڑکیوں کا نکاح قاضی، شیخ پٹھان برادری میں ہوا ہے، کیا پھر بھی وہ سادات کی اولاد شمار ہوگی؟ ان

کو زکوۃ دینا کیسا ہے جب کہ وہ صاحب نصاب نہیں ہیں، بینواتوجروا۔

(الجواب) سید باپ کی اولاد بھی سید ہے، غیر سید سے مناکحت کی وجہ سے سیادت ختم نہیں ہوتی پس ان کو زکوۃ دینا درست نہیں، لیکن سادات کی قدر ومنزلت اور حضور ﷺ سے رشتہ وتعلق کا پاس ولحاظ رکھ کر صدقات نافلہ، ہدیہ تحفہ دے کر ان کی امداد ضروری ہے، (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سادات کے نواسے کو زکوۃ:

(سوال ۲۳۱) ایک سیدہ لڑکی (جو رشتہ میں میری بہن ہے) کا نکاح شیخ برادری میں ہوا ہے، اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کی تین اولاد ہے جن میں سے ایک لڑکا (یعنی میرا بھانجہ) ملازمت کے ذریعہ ڈھائی تین سو روپے کماتا ہے، اسی میں تینوں کا بمشکل گزران ہوتا ہے ایسی صورت میں اس عورت (یعنی میری بہن) کو زکوۃ کی رقم دے سکتے ہیں۔

(الجواب) آپ اپنی ہمشیرہ (جو سیدہ ہے اس) کو زکوۃ نہیں دے سکتے، ولا الی بنی ھاشم (الی قوله) ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع قال الشامی یعنی سواء فی ذلک کل الازمان وسواء فی ذلک دفع بعضھم الی بعض (شامی ۲/ص ۹۰)

البتہ اپنے بھانجے (جو شیخ برادری سے متعلق ہونے کی وجہ سے شیخ شمار ہوتا ہے اس) کو زکوۃ دے سکتے ہیں جب کہ وہ صاحب نصاب نہ ہو۔ من کانت امھا علویة مثلا وابوھا عجمی یکون العجمی کفو الھا وان کان لھا شرف ما لان النسب للآباء ولھذا جاز دفع الزکاۃ الیھا (ایضاً ۲/۴۳۸ کتاب النکاح باب الکفاءۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سید کے داماد کو زکوۃ دینا:

(سوال ۲۳۲) سیدہ کی لڑکی (جو میری دوسری بہن ہے جس) کا نکاح قاضی برادری میں ہوا ہے اس کا شوہر ملازمت سے ریٹائرڈ ہے جسے بطور پنشن سو روپے ملتے ہیں، اس کا ایک لڑکا یہاں سے دو سو روپے بھیجتا ہے کیا اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں؟

(الجواب) آپ کی ہمشیرہ جو سادات کی اولاد میں سے ہے اس کو زکوۃ دینا درست نہیں، اس کا شوہر (یعنی آپ کا بہنوئی) اور اس کا لڑکا سید نہیں، لہٰذا ان کو زکوۃ دے سکتے ہیں جب کہ صاحب نصاب نہ ہوں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بھاوج کو زکوۃ:

(سوال ۲۳۳) میرا ایک چچازاد بھائی جو سید ہے لیکن اس کی عورت سیدہ اور صاحب نصاب نہیں، جس کی آٹھ اولاد

(۱) وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لھم ای لبنی ھاشم درمختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۹۱

(۲) حوالہ بالا

ہے، ان کی جائداد گروی میں ہے جوں توں کر کے گزران ہوتا ہے، کیا میں چچازاد بھائی کی عورت کو (جو سیدہ نہیں) زکوٰۃ دے سکتا ہوں، بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے چچازاد بھائی کی عورت جو سیدہ نہیں اور صاحب نصاب بھی نہیں (یعنی قرض منہا کرنے کے بعد ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپیہ یا سامان کی مالک نہیں) تو وہ مستحق ہے اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سادات کا آپس میں زکوٰۃ لینا دینا:

(سوال ۲۳۴) میری ہمشیرہ (جو سیدہ ہے اس) کا نکاح پٹھان برادری میں ہوا ہے، میرے بہنوئی نان نفقہ ادا نہیں کرتے، اس کی دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک شادی شدہ ہے اور میری ہمشیرہ دو تین امراض میں بھی مبتلا ہیں تو کیا اس کے علاج کے لئے زکوٰۃ سے امداد کر سکتا ہوں۔

(الجواب) زکوٰۃ سے نہیں بلکہ صدقات نافلہ، ہدایا وغیرہ کے ذریعہ امداد کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم ای لبنی هاشم (درمختار مع الشامی ۲/ص ۹۱ باب المصرف)

مال زکوٰۃ سے تنخواہ دینا:

(سوال ۲۳۵) دیہات کے مکاتب جن میں گاؤں کے صرف چھوٹے بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان مکاتب میں کھانے پینے کا انتظام نہیں اور مدرسوں کو چندہ کر کے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا ایسے مکاتب میں زکوٰۃ وصدقات کی رقم دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اہل بستی کو چاہئے کہ اپنی اولاد کی دینی تعلیم کا انتظام بذات خود حسب حیثیت کریں، عطیات کی رقوم سے تنخواہ دی جائے، زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (قوله لشخص مخصوص) هو ای یکون فقیراً ونحوه من بقیة المصارف غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ (طحطاوی ص ۲۸۹ کتاب الزکوٰة)

شرعی حیلہ کی گنجائش اس وقت ہے جب کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو، حالانکہ دیہات کے باشندے زراعت پیشہ ہونے کے ساتھ ان کی ایک معتدبہ مقدار بغرض تجارت بیرون ممالک میں مقیم بھی ہوتی ہے ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کر کے استمداد کریں، اہل دیہات بھی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے شرعی حیلہ کر کے زکوٰۃ وفطرہ کی رقوم استعمال کریں گے تو فقراء ومساکین کا کیا ہوگا؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مال زکوٰۃ سے والد مرحوم کا قرض ادا کرنا:

(سوال ۲۳۶) میرے والد صاحب کا انتقال ہوئے نو مہینے گذر چکے ہیں، مرحوم کے انتقال سے پہلے کا قرض جو ان کے ذمہ تھا ۳۰،۰۰۰ روپے ہیں جو چار الگ الگ افراد کا قرض ہے، والد صاحب نے ترکہ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے

اور میرے پاس بھی کوئی بینک بیلنس یا سونا نہیں ہے، فی الحال جماعت نے رہنے کے لئے مکان دیا ہے اور ایک کرایہ کی دوکان میرے پاس ہے جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں میری مالی حالت کمزور ہے اس بناء پر میں کسی صاحب خیر سے زکوٰۃ کی رقم لے کر والد صاحب کا قرض ادا کر دوں تو میرے لئے یہ رقم لینا کیسا ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں آپ کے والد مرحوم کا قرض ہے اور اس کی ادائیگی کا کوئی انتظام نہیں ہے، والد مرحوم نے قرض ادا کیا جائے ایسا کچھ چھوڑا نہیں ہے اور نہ آپ کی حیثیت قرض ادا کرنے کے قابل ہے، نقد رقم ہے نہ سونا چاندی ہے مال تجارت (عطر کیسٹ) ہے مگر وہ نصاب سے کم ہے اور حاجت اصلیہ سے زائد اتنا سامان نہیں ہے جو نصاب کے برابر ہو سکے، اور قرض خواہوں کا مطالبہ بہت شدید ہے ایسی حالت میں آپ کو زکوٰۃ کی رقم یا للہ رقم مل جاتی ہو تو وہ رقم لے کر آپ اپنے والد مرحوم کا قرض ادا کر سکتے ہیں، جتنی رقم آپ کو ملے وہ آپ اپنے پاس جمع نہ رکھیں فوراً قرض ادا کرتے رہیں...... مذکورہ حالات میں آپ پر مرحوم والد کا قرض ادا کرنا ضروری نہیں ہے، قرض ان پر تھا آپ پر نہیں، قرض خواہوں کو آپ سے مطالبہ نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں اور آپ سے مطالبہ کرنے اور قرض وصول کرنے پر ہی مصر ہوں تو آپ اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے مندرجہ بالا صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، راندیر ۱۴۱۶ھ ۲۲ ذی الحجہ۔

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ب/۲۳۷) سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوتیلی والدہ (والد کی منکوحہ) نہ اصول میں داخل ہے نہ فروع میں اور نہ اس کے ساتھ زوجیت کا رشتہ ہے، لہذا سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔ شامی میں ہے ویجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه وزوج ابنته تاتارخانیة (شامی ص ۸۶ ج ۲، باب المصرف تحت قوله والی من بینهما ولاد)

عینی شرح کنز میں ہے۔ ولا یدفع ایضاً الی اصله وهم الاباء والامهات وان علا وهم الاجداد والجدات من قبل الاب والام وکذا لا یدفع الی فرعه وهم الاولاد وان سفل وهم اولاد الاولاد وکذا لا یدفع الی زوجته بالاتفاق. کذا لا تدفع الزوجة الیٰ زوجها عند ابی حنیفة رحمه الله وبه قال احمد رحمه الله فی الاصح الخ (عینی شرح کنز ص ۷۹ ج ۱ باب المصرف) فقط والله اعلم بالصواب.

باب مایتعلق فی صدقة الفطر

صدقۂ فطر کی مقدار بشکل قیمت بیرون ہند کے لئے:

(سوال ۲۳۸) بیرونی ممالک سے اعزہ واقارب اپنے فطرے کی ادائیگی کے لئے ہندوستان لکھتے ہیں، یہاں احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ باہر والوں کے فطرے ہندوستان میں ادا کرنے کے لئے وہاں کے غلہ کی قیمت کے مطابق دینے پڑیں گے یا اپنے یہاں کے غلہ کی قیمت کے مطابق؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افریقیوں کی طرف سے فطرے عمدہ نوع کے گیہوں بنگالی وزن سے پونے دوسیر ۱ دیئے جائیں۔ یا افریقہ کے حساب سے اس قدر گیہوں کی قیمت دی جائے۔ ہاں اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہو تو یہاں کے حساب سے ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دے دے۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب.

کیا مکان یا جائداد کا مالک صدقۂ فطر لے سکتا ہے؟:

(سوال ۲۳۹) صدقۂ فطر لینے والے کے پاس رہنے کا مکان اور زمین کس قدر ہو تو صدقۂ فطر لے سکتا ہے؟

(الجواب) قرض چھوڑ کر رہائش کا مکان اور کاشتکاری کی زمین کے علاوہ دوسری زمین اور مکان کا مالک ہو یا "حاجت اصلیہ" کے علاوہ سامان اور جائداد ہو۔ جس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔ اور اس کے لئے صدقۂ فطر اور زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ رہائشی مکان اور کاشتکاری زمین داخل نصاب نہیں۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب.

مکان اور زمین کا مالک اگر تنگدست ہو تو صدقۂ فطر لے سکتا ہے؟:

(سوال ۲۴۰) ایک آدمی کے پاس رہائش کا گھر اور کاشتکاری زمین اس قدر ہے جس کی آمدنی سے گذران نہیں ہوتا۔ عیدالفطر کے دن تنگی رہتی ہے تو اب یہ شخص فطرہ لے سکتا ہے؟

(الجواب) ہاں لے سکتا ہے۔[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) قوله ويقوم في البلد الذى المال فيه فلو بعث عبدا للتجارة فى بلد آخر يقوم فى البلد الذى فيه العبد ، شامى باب زكاة الغنم ج ۲ ص ۲۸۶

(۲) هو فقير وهو من له ادنى شئ اى دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مستغرق الحاجة قال فى الشامية تحت قوله مستغرق الحاجة كدار السكنى وعبيد للخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة الخ درمختار مع الشامى باب المصرف ج ۲ ص ۳۳۹ وصدقة الفطر كا الزكاة فى المصارف درمختار مع الشامى قبل باب الصوم ج ۲ ص ۳٦۹

(۳) وكذا لوكان له حوانيت اودار غلة تساوى ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تكفى لقوته وقوت عيا له يجوز صرف الزكاة اليه من قول محمد رحمه الله تعالىٰ. فتاوىٰ عالمگیری باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۹

فطرہ کی ادائیگی کی صورت.

(استفتاء ۲۴۱) فطرہ گیہوں سے ادا کرے؟ کنٹرول کے نرخ سے یا بازار کے؟ رقم ادا کرے تو کنٹرول کی قیمت یا بازاری قیمت سے؟

(الجواب) جو گیہوں کھائے وہ فطرہ میں دے دے۔ رقم ادا کرے تو بازاری قیمت سے۔ کنٹرول کی قیمت معتبر نہیں ہاں جو کنٹرول کے گیہوں کھاتا ہے وہ کنٹرول کی قیمت ادا کرے اور وہ ایسے شخص کو قیمت دے کہ جس کو کنٹرول سے گیہوں ملتا ہو۔[۱]

خلاصہ کہ اس قدر رقم دی جائے کہ فطرہ دینے والا جو گیہوں کھاتا ہو، غریب بھی وہ گیہوں خریدنا چاہے تو اس قیمت سے بآسانی خرید سکے۔ لہٰذا جس کے پاس کنٹرول کی پرمٹ نہ ہو۔ اس کو بازاری قیمت سے رقم ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دیئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

افریقہ وغیرہ بیرون ممالک والوں کا فطرہ یہاں پر کس گیہوں سے ادا کیا جائے:

(استفتاء ۲۴۲) بیرون ممالک کے باشندے اپنے خویش واقارب پر فطرہ کی ادائیگی کے لئے لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے فطرے ادا کریں۔ احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت دی جاتی ہے اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان کے فطرے کی قیمت یہاں پر کس قیمت سے ادا کی جائے۔ یہاں کی قیمت سے یا وہاں کی قیمت سے؟

(الجواب) ان کے فطرے عمدہ قسم کے گیہوں بنگالی وزن پونے دوسیر سے ادا کرے یا وہاں کے حساب سے گیہوں کی قیمت دی جائے۔ اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہو تو یہاں کے حساب سے ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دے دے اور قیمت دے تو وہ قیمت لگائے جس میں صدقہ لینے والے غریبوں کا فائدہ ہو۔[۲]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر کے حق دار:

(استفتاء ۲۴۳) جو کوئی صدقۂ فطر لیوے اس کے پاس کس قدر مکان وزمین ہو تو وہ حق دار ہو سکتا ہے؟

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد رہائش کے لئے مکان، گزارے کے لئے زمین اور حوائج اصلیہ کے علاوہ جو سامان ہو اگر اس کی قیمت ایک نصاب کے برابر نہیں ہے تو وہ زکوٰۃ یا صدقۂ فطر لے سکتا ہے۔[۳] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

---

(۱) وجاز دفع القيمة فى زكاة وعشر و خراج وفطرة ونذر درمختار مع الشامى باب زكاة الغنم. ج ۲ ص ۲۸۵.

(۲) ایضاً

(۳) وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف وفى كل حال قال فى الشامية تحت قوله فى المصارف اى المذكورة فى آيت الصدقات درمختار مع الشامى صدقة الفطر ص ۳٦۹ هو فقير وهو من له ادنى شئ اى دون نصاب أوقدر نصاب غير نام مستغرق الحاجة قال فى الشامية تحت قوله مستغرق الحاجة كذا لا لسكنى وعبيد الخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة. الخ .شامى باب المصرف ج ۲ ص ۳۳۹.

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے اور کس پر نہیں؟:

(استفتاء ۲۴۴) صدقۂ فطر کس پر واجب ہے۔ جس نے روزے نہ رکھے ہوں اس پر واجب ہے۔

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا حوائج اصلیہ سے زائد ایسی چیزیں ہوں۔ جن کی قیمت نصاب کے برابر ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے خواہ وہ تجارتی اسباب نہ ہو اور اس نے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہے نہ ادا کیا ہو تو اب دے دے۔ جب تک وہ ادا نہ کرے بری الذمہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے بازار کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

(سوال ۲۴۵) صدقۃ الفطر میں نصف صاع گیہوں (تقریباً پونے دو کلو) دیا جاتا ہے، اب اگر اس کی قیمت دینا چاہیں تو دیسی گیہوں جس کی قیمت ایک من (۲۰ کلو) کی فی الحال پچپن روپے سے ساٹھ روپے تک ہیں، اور کنٹرول (راشن) کے گیہوں جس کی سرکاری قیمت اٹھارہ روپے ہے، مسئلہ نظر سے یہ گذرا کہ اگر گندم دیتا ہوں تو تقریباً پونے دو کلو ادا کئے جائیں چاہے وہ عمدہ ہو یا ادنیٰ (ردی) لیکن اگر قیمت دینا چاہیں تو عمدہ گیہوں کی قیمت دینی ہوگی، تو اب کس حساب سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے؟ بازار میں جو درمیانی قسم کے گیہوں ملتے ہیں جن کی قیمت چھتیس ۳۶ روپے فی من ہے اس کی قیمت ادا کی جائے یا عمدہ قسم کے گیہوں کا اعتبار کیا جائے یا کنٹرول کے گندم کی قیمت کا؟ یاد رہے کہ آج کل لوگ اکثر راشن ہی کے گیہوں کھاتے ہیں ...... اگر گندم کے علاوہ کوئی غلہ مثلاً جوار باجرہ، چاول دے تو وہ کتنا دیا جائے؟ بینوا توجروا۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ (آچھوو ضلع بھروچ)

(الجواب) صدقۂ فطر میں اصل تو یہ ہے کہ گیہوں وغیرہ غلہ دیا جائے، غلہ اعلیٰ قسم کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ، جو بھی دیا جائے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، قیمت ادا کرنی ہو تو بازاری دام سے ادا کرنی ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت ہو، اوسط اور ادنیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت بھی معتبر ہے مگر قیمت ہو بازاری گندم کی۔ کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں۔ فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہئے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہے تو پونے دو کلو گیہوں بازار میں مل جائیں،(۱) کنٹرول (راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی تو بازار سے اتنے گیہوں نہیں ملیں گے اور کنٹرول سے حاصل کرنے کے لئے پاس (راشن کارڈ) ہونا ضروری ہے، اور کارڈ، ہر فقیر کے پاس ہوتا نہیں، اس لئے کنٹرول کے دام سے حساب لگانا اور اس کے مطابق قیمت ادا کرنا صحیح نہیں ہے، میں نے یہاں پر بازار کے درمیانی دام (۳۶۔۰۰ روپے من والے گندم) کے اعتبار سے ۳/۱۵ (تین روپے پندرہ پیسے) بتلائے ہیں اور احتیاطاً ۳۔۲۵ یا اس سے بھی زیادہ دینا افضل لکھا ہے۔

---

(۱) ودفع القيمة اى الدراهم افضل من دفع العين على المذهب المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فى السعة اما فى الشدة فدفع العين افضل كما لا يخفى قال فى الشامية تحت قوله ودفع القيمة اطلقها فشمل قيمة الحنطة وغيرها الخ قوله على المذهب المفتى به مقابله ما فى المضمرات من ان دفع الحنطة افضل فى الاحوال كلها سواء كانت الام شدة ام لا لأن فى هذا موافقة السنة وعليه الفتوى در مختار مع الشامى باب صدقة الفطر ج ۲ ص ۳۶۶

گندم کے علاوہ اور کوئی غلہ باجرہ، چاول وغیرہ دیا جائے تو اس میں گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر نصف صاع گیہوں کی قیمت ہو اتنی قیمت کا دوسرا غلہ دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ۔

باپ بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۶) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس بارے میں کہ جس طرح کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ اس کی اجازت اور اس کے کہے بغیر ادا نہیں ہوتی کیا یہی حکم صدقۂ فطر کا بھی ہے یا کچھ فرق ہے؟ یہاں عام طور پر باپ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے، اسی طرح زوج اپنی زوجہ کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کر دیتا ہے تو اس طرح صدقہ ادا ہوگا یا نہیں؟ یا بالغ اولاد کا باپ کو اور زوجہ کا زوج کو وکیل بنانا یا یہ کہنا کہ ''میری طرف سے آپ ادا کر دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں یہی حکم صدقۂ فطر کا بھی ہے کہ اجازت ضروری ہے لیکن چونکہ صدقۂ فطر کی مقدار قلیل اور معلوم ہے، اس لئے بیوی اور اولاد کی طرف سے جو اس کے عیال (زیر کفالت) میں ہیں ادا کر دیتا ہے اور عادتاً اس کی اجازت ہوتی ہے اس لئے استحساناً جائز ہے ...... ولو ادى عنهما بلا اذن اجزأ استحساناً للاذن عادة اى لو فى عياله والا فلا قهستانى عن المحيط فليحفظ (درمختار ج ۲ ص ۱۰۳) (قوله ولو ادى عنهما) اى عن الزوجة والو لدا لكبير وقال فى البحر وظاهر الظهيرية انه لو ادى عمن فى عياله بغير امره جاز مطلقاً بغير تقييد بالزوجة والو لد الخ (قوله اجزأ استحسانا) وعليه الفتوى الخ (شامى ص ۱۰۳ باب صدقة الفطر)

بخلاف زکوٰۃ کے کہ اس کی مقدار نا معلوم اور کثیر ہوتی ہے، بغیر کہے ادا کرنے کی عادت نہیں ہے، اس لئے اجازت اور وکالت ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صاع کا وزن اور صدقۂ فطر کی صحیح مقدار:

(سوال ۲۴۷) صدقۂ فطر کی مقدار میں حدیث میں نصف صاع من بر یا صاعاً من تمر آتا ہے، صاع کی مقدار گرام کے اعتبار سے کتنی ہوتی ہے؟ صاحب فیروز اللغات نے صاع کی مقدار تین سو چونتیس ۳۳۴ تولہ لکھی ہے (ص ۷۷۷) اور حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے علم الفقہ جلد چہارم ص ۴۹۷ میں یہ تحریر فرمایا ہے ''صاع کی مقدار تقریباً دو سیر ڈیڑھ پاؤ'' اس اعتبار سے نصف صاع ایک سیر تین چھٹانک ہوا۔ عمومی طور پر صدقۂ فطر کی مقدار کتابوں میں پونے دو سیر آدھی چھٹانک لکھی گئی ہے (بہشتی زیور) اور علم الفقہ کی تحریر کے اعتبار سے ایک سیر تین چھٹانک ہوتی ہے ان دونوں میں کافی فرق معلوم ہوتا ہے، احتیاطی پہلو پر بحث نہیں، حد فاصل معلوم کرنا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صدقۂ فطر میں اسی تولہ کے سیر سے پونے دو سیر گیہوں دینے چاہئیں نصف صاع کے ایک کلو پانچ سو چھتر گرام ہوتے ہیں، زکوٰۃ کی مقدار نصاب سوا پانچ تولہ سونا یا ساڑھے چھتیس تولہ چاندی معتبر نہیں، یہ تحقیق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی ہے، علم الفقہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور

اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''چاندی کے نصاب میں یہاں کے وزن سے جو مقدار بیان کی گئی ہے یعنی چھتیس تولہ پانچ ماشہ چار رتی۔ یہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میرے خیال میں اس میں ایک بنیادی فروگذاشت ہوگئی ہے۔ میرے نزدیک صحیح مقدار چون تولہ دو ماشہ سے کم نہیں، اسی طرح سونے کے نصاب اور پھر صاع کی مقدار میں بھی فرق ہو جائے گا۔ فقیر محمد کفایت اللہ کان اللہ له دهلی ۱۴ ذی الحجه ۱۳۶۱ھ۔ (از کتاب العشر والزکوة ص ۳ مصنفه مولانا عبدالصمد رحمانی)

مفتی اعظم عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

مولانا عبدالحیؒ اور صاع:

(سوال ۲۴۸) مولوی عبدالحی صاحبؒ محشی شرح وقایہ نے زکوۃ کے باب میں لکھا ہے کہ مثقال تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے صاع کا وزن دو سیر گیارہ تولہ چھ ماشہ کا ہوتا ہے اور نصف صاع کا ایک سیر پانچ تولہ نو ماشہ کا ہوا، یہ غلط ہے یا صحیح؟

(الجواب) یہ وزن جو مولانا عبدالحیؒ نے مثقال کا لکھا ہے یہ درہم کا وزن ہے اور اس میں کسر رتی کی چھوڑ دی گئی ہے، اور وزن مثقال کا ½۴ ماشہ ہوتا ہے جیسا کہ عموماً مشہور ہے اور علماء دہلی نے یہی وزن شمار کیا ہے، غیاث اللغات میں بھی اسی کو صحیح کہا ہے، مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے الخ (ترجمہ غیاث اللغات) پس بنا بریں ۷۲۰ مثقال کو جو کہ وزن صاع کا ہے ساڑھے چار ماشہ میں ضرب دینے سے تین ہزار دو سو چالیس ماشہ ہوئے ان کے تولہ بنائے تو ۲۷۰ تولہ ہوئے۔ اسی ۸۰ پر اس کو تقسیم کرو تو تین سیر ڈیڑھ پاؤ بوزن اسی صاع کا وزن ہوا یہی یہاں معمول ہے اور یہی صحیح ہے، وزن سبعہ سے بھی حساب کیا گیا ایسا ہی نکلتا ہے اور صدقۂ فطر میں احتیاط اسی میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۶ ص ۳۰۴۔ ج ۶ ص ۳۰۵) مزید تفصیل اور وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۶ ص ۳۱۵ سوال نمبر ۵۷۳ اور ج ۶ ص ۳۱۹) اور (مقادیر شرعیہ در اوزان ہندیہ ص ۱۰ تا ص ۱۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا:

(سوال ۲۴۹) صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت کیا ہے؟ عام طور پر کتابوں میں لکھا ہے کہ عید الفطر سے پہلے رمضان میں ادا کرے تو بھی جائز ہے، سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''دینی تعلیم کا رسالہ'' نمبر ۱۱ کے ص ۸۱ پر اس کے متعلق حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔ ''اگر کوئی شخص عید سے پہلے رمضان شریف میں صدقۂ فطر ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر رمضان سے بھی پہلے مثلاً شعبان میں یا رجب میں ادا کرے تو جائز نہیں۔'' اور حاشیہ میں ہے ''جیسے زکوۃ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ مالک نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے کوئی شخص اس سال کی زکوۃ ادا کرے تو وہ جائز ہے، لیکن ابھی نصاب کا مالک نہیں ہوا تھا کہ زکوۃ ادا کر دی تو وہ زکوۃ نہیں مانی جائے گی بلکہ اس کی طرف سے نفلی خیرات ہوگی۔

مگر علم الفقہ جلد چہارم میں اس کے بالکل برعکس عبارت ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

(۹) صدقۂ فطر کا قبل رمضان کے آنے کے ادا کر دینا بھی جائز ہے اور دوسرے شہر میں بھی بوجہ مذکورہ بالا بھیجنا درست ہے۔ (علم الفقہ ج ۴ ص ۶۶)

نیز ''الفقه علی المذاهب الاربعه'' میں دیکھا تو اس میں اس کی تائید ہوتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے ویصح اداء ها مقدما ومؤخراً لا ن وقت ادائها العمر فلو اخر جها فی ای وقت شاء کان مؤدیاً لا قاضیاً کما فی سائر الواجبات الموسعة (الفقه علی المذاهب الا ربعة ص ۶۲۷ جلد اول)۔ اسی طرح عالمگیری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اگر یوم عید الفطر سے پہلے صدقۂ فطر دے دیں تو جائز ہے اور مدت کے مقدار کی کچھ تفصیل نہیں ہے، یہی صحیح ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۰) آپ مفتی بہ قول تحریر فرمائیں کہ تشویش دور ہو۔ فقط بینوا توجروا۔ السائل۔ (مولانا) موسیٰ کرماڈی۔ انگلینڈ۔

(الجواب) اختلافی مسئلہ ہے، رمضان سے پہلے کا بھی قول ہے، اس پر عمل کرنا خلاف احتیاط ہے، ماہ رمضان میں بھی ادا کرنے میں اختلاف ہے مگر قوی یہ ہے کہ درست ہے اور صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ بحر الرائق میں ہے (وصح اداؤها لو قدم او اخر) ای صح اداؤها اذا قدمه علیٰ یوم الفطر او اخره. الی قوله . فصار کتقدیم الزکوة علی الحول بعد ملک النصاب بمعنی انه لا فارق لانه قیاس فاندفع به مافی فتح القدیر من ان حکم الا صل علیٰ خلاف القیاس لکنه وجد فیه دلیل وهو حدیث البخاری و کانوا یعطون قبل الفطر بیوم اوبیو مین واطلق فی التقدیم فشمل ماذا دخل رمضان وقبله وصححه المصنف فی الکا فی وفی الهدایة والتبیین وشروح الهدایة وفی فتاویٰ قاضی خان . وقال خلف بن ایوب یجوز التعجیل اذا دخل رمضان وهکذا ذکره الا مام محمد بن الفضل وهو الصحیح وفی فتاویٰ الظهیریة والصحیح انه یجوز تعجیلها اذا دخل شهر رمضان وهو اختیار الشیخ الا مام أبی بکر محمد بن الفضل وعلیه الفتویٰ الخ. فقد إختلف التصحیح کما تریٰ لکن تأ ید التقییدبد خول رمضان بان الفتویٰ علیه فلیکن العمل علیه الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۵ باب صدقة الفطر) فقط . والله اعلم بالصواب . ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

صدقۂ فطر میں میدہ یا اس کی قیمت دینا:

(سوال ۲۵۰) یہاں جزیرۂ موریشش (MAURITIUS) میں لوگ گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے، باہر سے تیار میدہ آتا ہے اسی کی روٹی کھاتے ہیں اور اس کے پاس پانچ سو گرام کی قیمت تقریباً پچاس سینٹ (پچاس پیسے) ہیں اور جس کو خاص ضرورت ہو وہی لوگ گیہوں خرید کر کھاتے ہیں۔ ہم میدہ کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقۂ فطر ادا کریں تو ادا ہوگا یا نہیں؟ یا گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب وہ آٹا (میدہ) خالص گیہوں کا ہو اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو اور وہ پونے دو کلو دیا جائے تو صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ الفطرة نصف صاع من برا و دقیق (هدایہ اولین ج ۱ ص ۱۹۰ باب صدقۃ الفطر) اور

اسی طرح اس کی قیمت دی جائے تو بھی صدقۂ فطر ادا ہوجائے گا، (۱) ہاں اگر اس میدے میں کسی اور چیز کی آمیزش اور ملاوٹ ہو تو پونے دوکلو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا اور اس کی قیمت بھی صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوگی، خالص گیہوں کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔

(۱) فطرہ کی ادائیگی کا وقت (۲) حیلہ کر کے فطرہ کی رقم سے مدرسہ کے لئے زمین خریدنا:

(سوال ۲۵۱) ''برنگھم مسجد ٹرسٹ'' مسجد سے ملحقہ زمین پر بچوں کے لئے دینی مدرسہ بنانا چاہتا ہے، یہاں پر اس وقت بچوں کی دینی تعلیم کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو بیچاری آئندہ نسل کی دین سے وابستگی ایک موہوم امید ہے، جس کے پورا ہونے کی واقعات کی دنیا میں کوئی امید نہیں ہے، ہمارے پاس روپے کی کمی ایک دیرینہ شکایت ہے، لیکن صدقۂ فطر کی مد میں کچھ رقم پڑی ہوئی ہے، آپ سے استفسار ہے کہ کیا یہ رقم اس زمین کی خریدار میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔ (از انگلینڈ)

(الجواب) صدقۂ فطر کا حکم یہ ہے کہ عید کے دن عید کی نماز سے پہلے ادا کیا جائے، اس سے پہلے بھی ادا کرنا درست ہے، اگر کسی نے ادا نہ کیا تو جلد ادا کرنے کی فکر کرے، (۲) ساقط اور معاف نہیں ہوتا۔ اس حکم کے باوجود آپ حضرات کے پاس صدقۂ فطر کی کثیر رقم کیسے جمع ہے، تعجب ہوتا ہے اور افسوس بھی، اگر واقعی آپ لوگوں کی مالی حالت مدرسہ بنانے کے قابل نہ اس وقت ہے نہ مستقبل قریب میں ہونے کی توقع ہے تو اس رقم کا شرعی حیلہ کر کے مدرسہ کے لئے زمین خریدی جاسکتی ہے۔

بلا اضطراری حالت اور بدون عذر شرعی کے حیلہ کر کے بھی یہ رقم زمین خریدنے میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ صدقۂ فطر کے اصل حق دار فقراء ومساکین ہیں ان کی حق تلفی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

زمیندار پر صدقۂ فطر:

(سوال ۲۵۲) در باب صدقۂ فطر زمین کا اعتبار ہے یا نہیں؟ ایک شخص کے پاس پچاس ایکڑ زمین کے سوا سونا چاندی وغیرہ کچھ بھی نہیں، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) زمین خود کے اور اہل وعیال کے گذارہ سے زائد اس قدر ہے کہ اس کی قیمت نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو اس زمین کا اعتبار ہوگا۔ یعنی صدقۂ فطر واجب ہوگا، اور اگر زمین بقدر گزارہ ہی ہے تو واجب نہیں، البتہ حصول فضیلت کے لئے صدقۂ فطر دینا افضل ہے تجب على كل مسلم ذى نصاب فاضل عن حاجته الا صلية كدينه وحوائج عياله وان لم يتم كما مر (درمختار مع الشامى ملخصاً ۲/۹۸، ۹۹) باب صدقة الفطر. فقط والله اعلم بالصواب.

(۱) وجاز دفع القيمة فى زكاة وعشرو خراج وفطرة، درمختار مع الشامى باب زكاة لغنم ج ۲ ص ۲۸۵.
(۲) وقت الوجوب عند طلوع فجر يوم الفطر ..... والتاخير مكروه. نور الايضاح، باب صدقة الفطر ص ۱۶۲

مؤکل کی مرسلہ رقم موصول ہونے سے قبل وکیل کا اپنی رقم سے صدقہ ادا کرنا:

(سوال ۲۵۳) لندن سے ایک شخص نے ہندوستان اپنے بھائی پر صدقہ کی رقم ارسال کی اور خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ رقم غرباء میں تقسیم کر دینا مگر اس کے بھائی نے رقم موصول ہونے سے قبل ہی اپنے پاس سے صدقہ کر دیا تو صحیح ہوا یا نہیں؟

(الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کر دے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر معاف نہیں ہوتا:

(سوال ۲۵۴) جس مالدار پر صدقۂ فطر واجب ہو مگر وہ ادا نہ کر سکا تو عید کے بعد ساقط ہوجائے گا یا ادا کرنا لازم ہے؟

(الجواب) صاحب نصاب پر صدقۂ فطر مرد ہو یا عورت، روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں بہر صورت واجب ہے، مرد اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے ادا کرے (عن نفسه) متعلق يجب وان لم يصم لعذر و طفله الفقير (شامى ج ۲/ص ۱۰۱ باب صدقة الفطر) عورت پر اپنی اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں، جس پر صدقۂ فطر واجب ہوا اور وہ عید سے قبل یا بعد میں ادا نہ کرے تو اس سے ساقط (معاف) نہ ہوگا، ادائیگی ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوگا وان اخروها عن يوم الفطر لم تسقط و كان عليهم اخراجها (هداية ۱/۱۹۱ باب صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کی مقدار پونے دوکلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو ہے وہ دیوے یا اس کی قیمت بازار کے بھاؤ سے دے دے، راشن ڈپو کی قیمت کا اعتبار نہیں، البتہ جن کو راشن ڈپو سے گیہوں ملتے ہیں وہ لوگ صدقۂ فطر میں راشن والے گیہوں دے سکتے ہیں مگر قیمت دینے کی صورت میں بازار کی قیمت کے حساب سے دینا ہوگا اگر گیہوں اور جو کے سوا کوئی اور اناج جیسے چاول جوار، مسور، باجرا، چنا دیوے تو اتنا دے کہ پونے دوکلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے بقدر ہو، قیمت دے تو پونے دوکلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کے برابر دے۔ (نصف صاع) فاعل يجب (من برا و دقيقه او سويقه او زبيب او صاع تمر او شعير) ولو رديئاً وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة (درمختار ملخصاً) (قوله ولو رديئا) قال فى البحر واطلق نصف الصاع والصاع و لم يقيده بالجيد لا نه لو ادى نصف صاع ردى جاز (الى قوله) وان ادى قيمة الردى ادى الفضل كذافى الظهيرية اه (شامى ۲/۱۰۳ باب صدقة الفطر) (بهشتى زيور حصه ۳ ص ۳۶)

ایک فقیر کو ایک صدقۂ فطر دینا اولیٰ ہے، کم دینا بھی درست ہے ایسے ہی ایک سے زائد بھی دی سکتے ہیں..... مستحب آن ست کہ یک فقیر را آں قدر دہد کہ در آں روز محتاج سوال نباشد (مالابد منہ ص ۸۱)

ويجوز دفع ما يجب على جماعة الىٰ مساكين واحد (عالمگيرى ۱/۱۹۳ ايضاً) صدقۂ فطر ایک عبادت ہے، جس کی ادائیگی میں اظہار مسرت کے ساتھ غرباء کی امداد بھی مقصود ہے اور روزہ میں جو کچھ کوتاہی سرزد ہوئی ہے اس کا کفارہ بھی ہے، علاوہ ازیں سکرات موت کے وقت آسانی اور عذاب قبر سے نجات اس میں مضمر ہے جو شخص صاحب نصاب نہ ہو یعنی جس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو وہ بھی ادا کر کے فضیلت حاصل کر سکتا ہے فقط واللہ

اعلم بالصواب۔

مالدار شخص نفلی صدقہ لے سکتا ہے:

(سوال ۲۵۵) دولت مند شخص صدقات نافلہ لے سکتا ہے؟

(الجواب) لے سکتا ہے " قوله عليه السلام لا تحل صدقة لغنى خرج النفل منها لان الصدقة على الغنى هبة ،كذا فى البدائع (بحر الرائق ۲/۲۴۵ باب صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کا حیلہ:

(سوال ۲۵۶) ہمارے یہاں لوگوں کا کہنا ہے صدقۂ فطر مستطیع وغیر مستطیع ہر ایک پر واجب ہے علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ صدقۂ فطر ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو شوہر اپنی بیوی کو دے پھر وہ شوہر کو واپس کر دے کیا اس طرح حیلہ کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

(الجواب) صدقۂ فطر صاحب نصاب پر واجب ہے صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب الخ (هداية ۱/۱۸۸ باب المصرف) جس کے پاس اس دن بقدر نصاب مال نہ ہو اس پر واجب نہیں لہذا حیلہ کی ضرورت ہی نہیں، جن پر صدقۂ فطر واجب نہیں وہ تسلی قلب کے لئے سوال میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق حیلہ کریں تو گنجائش ہے اپنا صدقۂ فطر اپنی اولاد، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی (نیچے تک) ایسے ہی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی (اوپر تک) کو دینا جائز نہیں عورت کا خاوند کو، خاوند کا عورت کو صدقۂ فطر دینا بھی درست نہیں۔

ولا الى من بينهما ولاد ولو مملو كالفقير او بينهما زوجية الخ (درمختار مع الشامى ۲/ ۳۴۶ باب صدقۃ الفطر

کتاب الصوم

رمضان شریف کے روزوں کی نیت الگ الگ کی جائے؟:

(سوال ۲۵۷) رمضان شریف کے روزوں کی نیت شروع رمضان سے کی جائے یا ہر روزہ کی الگ نیت کرنا ضروری ہے۔

(الجواب) ہر روزہ کی علیحدہ نیت (۱) کرنا یعنی ارادہ کرنا ضروری ہے تمام روزوں کے لئے شروع رمضان میں کی ہوئی نیت کافی نہ ہوگی۔ مالا بدمنہ میں ہے " ونزد ائمہ ثلاثہ ہر سی (۳۰) روزۂ رمضان راہر شب نیت علیحدہ علیحدہ شرط است۔ ونزد مالکؒ برائے تمام رمضان شب اول یک نیت کافی ست " (ص ۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کی حکمتیں اور فائدے:

(استفتاء ۲۵۸) روزہ رکھنے میں کیا حکمتیں اور فائدے ہیں؟

(الجواب) روزہ کی بے شمار حکمتیں اور فائدے ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک خاص حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو اس کے تقاضوں اور خواہشات سے روکنے کا عادی بنائے اور نفس کی اصلاح یعنی نفس انسانی قابو میں لے آئے جس سے وہ شرعی احکام جو نفس پر گراں ہیں وہ نہایت سہل اور آسان ہو جائیں اور ترک معاصی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روزہ دار میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ يآيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون. یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن سکو۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)

روزہ روح کی غذا ہے۔ روزہ سے روح طاقت ور بنتی ہے۔ نفسانی خواہش کو دبانے اور روح کی صفائی کے لئے روزہ سے زیادہ دوسری کوئی چیز مفید نہیں۔ روزہ سے باب روحانیت مفتوح ہوتا ہے۔ عبادت میں بہت نشاط اور چستی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے بندگان دین فرماتے ہیں۔ " اندرر از طعام خالی دار، تا دران نور معرفت بنی "۔

روزے سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ معتبر کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ يا الله العالمين بندہ تجھ سے زیادہ قریب کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب بندہ بھوکا ہوتا ہے اور جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ روزہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزے دار صفات خداوندی کے جلوے سے منور ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی ذات کھانے پینے اور خواہشات سے پاک ہے۔ روزہ دار بھی کھانے پینے اور خواہشات سے بے نیاز رہتا

(۱) نیت سے مراد ہے ارادہ۔ ارادہ ہونا چاہئے، زبان سے نیت ضروری نہیں۔ مثلاً کوئی شخص رمضان شریف میں رات کو بیہوش ہو گیا اور چار دن تک بیہوش رہا تو پہلے دن کا تو روزہ ہو جائے گا۔ اگر کچھ کھایا پیا نہیں ہے کیونکہ پہلے دن اگر چہ اس نے زبان سے نیت نہیں کی مگر ظاہر یہی ہے کہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ صبح کو روزہ رکھے گا لہذا یہ روزہ درست ہو گیا کیونکہ ارادہ پایا گیا اس کے بعد تین دن کے روزے نہیں ہوں گے کیونکہ ان کا ارادہ نہیں پایا گیا۔ رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۸۔

(۲) اس کا مدار خود اس کی سہولت اور آسانی پر ہے اگر روزہ رکھنے میں اس کو یا اس کے ساتھیوں کو پریشانی ہو یا کمزوری بڑھ جائے تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور اگر کمزوری یا پریشانی نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ قال فى الدر المختار ويندب لمسافر الصوم الآية وان تصوموا خير بمعنى البر لا الفعل تفضيل ان لم يضر فان شق عليه او على رفيقه فالفطر افضل لموافقته الجماعة

ہے۔حضرت حق جل مجدہ کی صفات سے مشابہت کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو فرشتوں سے بھی مشابہت ہوتی ہے۔فرشتوں کی غذا ذکر اللہ ہے روزہ سے شکر خداوندی کا موقعہ ملتا ہے۔روزہ سے بھوک کی قدر اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے،روزہ سے جسمانی امراض دور ہوجاتے ہیں۔بالخصوص بلغمی مزاج کے لئے اکسیر ہے۔ روزہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضاء اور خوشنودی اور ترقی پر درجات اور اخروی نجات کا حتمی ذریعہ ہے۔چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔یعنی روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ اور عوض دوں گا۔(حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۴ ج ۱۔باب اسرار الصوم) ہزار ہا حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے حکم خداوندی کی تعمیل اور اس کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماہ شوال کے چھ روزے:

(سوال ۲۵۹) رمضان کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے جاتے ہیں وہ پے در پے رکھے جائیں یا متفرق بھی رکھے جاسکتے ہیں؟

(الجواب) ماہ شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت وارد ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو پورے سال روزے رکھنے کے برابر ہے۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ بعد العید متصلاً دوسرے ہی دن روزہ رکھنا شروع کردے۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مسلسل رکھے جائیں علیحدہ علیحدہ بھی رکھ سکتے ہیں۔درمختار میں ہے وندب تفریق صوم الست من شوال ولایکرہ التتابع علی المختار (درمختار مع شامی ج ۲ ص ۱۷۱ مطلب فی صوم الست من شوال) وصوم ست من شوال ثم قیل الافضل وصلها وقیل تفریقها (نور الایضاح ص ۱۴۵ کتاب الصوم فصل اقسام الصوم)

رمضان میں روزہ نہ رکھ کر علانیہ کھانا۔پینا:

(استفتاء ۲۶۰) رمضان المبارک میں بلاوجہ شرعی روزہ نہ رکھے،اور علانیہ کھائے پیئے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسا شخص فاسق اور اسلامی شعار کی توہین کرنے والا ہے۔خلیفہ ہو تو ایسے بیباک اور بے حیا کو قتل کی سزا دے۔درمختار میں ہے۔ ولو اکل عمداً شهرة بلا عذر يقتل. یعنی کوئی آدمی بلاعذر شرعی روزہ نہ رکھے اور بالقصد علانیہ کھائے پیئے تو خلیفۂ اسلام کے حکم سے قتل کردیا جائے گا (شامی ص ۱۵۱ ج ۲ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اور تراویح پڑھے مگر روزہ نہ رکھے اس کا حکم:

(سوال ۲۶۱) ایک آدمی نے نماز تراویح پڑھی لیکن روزہ بلاعذر ترک کردیا تو اس کی نماز تراویح مقبول ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس کی نماز تراویح مقبول ہوگی اور وہ ثواب کا حق دار ہوگا۔لیکن روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے سخت گنہگار اور فاسق ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل کھولنا:

(سوال ۲۶۲) ماہ رمضان المبارک میں دن کو ہوٹل کھولنا کیسا ہے؟ ہوٹل میں بلاتفریق مذہب وملت ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اگر کھلی رکھنا ناجائز ہو تو کیا صرف غیر مسلموں کے لئے کھول سکتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہ رمضان المبارک کے احترام کی خاطر دن کے وقت کھانے پینے کی ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے،کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں،فقط واللہ اعلم۔

روزہ کی حالت میں غسل کرتے وقت غرغرہ کرنے اور ناک کے اوپر کے حصہ میں پانی پہنچانے کا حکم:

(سوال ۲۶۳) کسی شخص کو بحالت صوم احتلام ہوا روزہ کی حالت میں اس نے غسل کرتے وقت غرغرہ نہیں کیا اور نہ ناک کے نرم حصہ تک اس نے پانی پہنچایا تو اس کا غسل ہوا یا نہیں؟ اور اس طرح غسل کر کے اس نے نماز پڑھائی تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روزہ دار کے لئے غرغرہ اور ناک کے نرم حصہ میں پانی پہنچانے کا حکم نہیں ہے کہ روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔مراقی الفلاح میں ہے (ویسن المبالغة فی المضمضة) وهی ایصال الماء لراس الحلق والمبالغة فی (الاستنشاق) وهی ایصاله الی ما فوق المارن (لغیر الصائم) والصائم لا یبالغ فیهما خشیة افساد الصوم لقوله علیه الصلوة والسلام بالغ فی المضمضة والاستنشاق الا ان تكون صائماً (مراقی الفلاح) (قوله والمبالغة) فیهما هی سنة فی الطهارتین علی المعتمد وقیل سنة فی الوضوء واجبة فی الغسل الا ان یکون صائماً (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۹ فصل فی سنن الوضوء) لہذا جو نماز پڑھائی ہے وہ صحیح ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل کھولنا:

(سوال ۲۶۴) میرے ایک دوست کا ہوٹل ہے وہ ماہ رمضان المبارک میں دن کے وقت کھولنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جو غیر روزہ دار ہیں ان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تو دن میں ہوٹل کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ماہ مبارک کا احترام کرتے ہوئے دن کو کھانے پینے کی ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے،کھانے پینے والا چاہے کوئی بھی ہو،یہ مبارک مہینہ شعائر اللہ میں سے ہے اور اللہ کے شعائر کا احترام ضروری ہے قرآن میں ہے ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب. لہذا اگر دن کو ہوٹل کھانا کھلانے یا چائے پلانے کے لئے کھولے گا تو ماہ مبارک کی حرمت باقی نہیں رہے گی اور کھولنے والا گنہگار ہوگا۔البتہ شام کو افطاری سے کچھ پہلے لوگ افطاری کی چیزیں حلیم، فیرنی، سموسے وغیرہ خرید کر اپنے گھر لے جاتے ہوں تو اس میں کوئی خرابی نہیں کہ افطاری کا سامان ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ملازمین نماز روزہ کی پابندی نہ کریں تو مالک اس کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۵) ہوٹل میں نوکر ہوتے ہیں اگر وہ نماز نہ پڑھیں اور ماہ رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں تو ہوٹل کے مالک پر اخروی اعتبار سے ذمہ داری ہے یا نہیں؟ ان کی ڈیوٹی عین نماز کے وقت ہوتی ہے اس وقت نہ نوکر خود نماز کے لئے جائے اور نہ مالک جانے کے لئے کہے تو مالک ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہوٹل کے اوقات میں اگر نماز کا وقت آجائے تو مالک پر ضروری ہے کہ اپنے ملازمین کو نماز کے لئے کہے اگر وہ اپنے مفاد کی خاطر چشم پوشی کرے گا تو وہ بھی اخروی اعتبار سے ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا، حدیث میں ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا، لہٰذا مالک ہوٹل پر ضروری ہے کہ اخروی ذمہ داری کو مدنظر رکھے خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے ماتحتوں کو بھی نماز روزہ کی پابندی کی تاکید کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم کے حرج سے رمضان کا روزہ ترک کرنا:

(سوال ۲۶۶) ہم مسلمان نوجوان کالج میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، رمضان شریف کا روزہ ہم پر فرض ہے، نیز روزہ رکھنے پر ہم قادر بھی ہیں، لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے ہماری تعلیم کا حرج ہوتا ہے بایں طور کہ صبح ۱۱ بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک تعلیم کا وقت ہے اور ایک ماہ کے بعد ہمارا سندی امتحان ہے اس کے لئے مکمل تیاری کرنا ہوگی اور ماہ مبارک کے علاوہ تعلیم کا اور کوئی وقت ہمارے پاس نہیں ہے، ہم اگر اس امتحان میں ناکام ہوگئے تو ہمیں بڑے نقصان کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت حال میں ہم قضا رکھنے کی نیت سے ماہ مبارک کے روزے ترک کر دیں، آیا شریعت محمدیہ میں اس کی گنجائش ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں رمضان المبارک کے روزے ترک کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ قضا رکھنے کی نیت ہے مگر شرعی عذر کے بغیر ماہ مبارک کا ایک روزہ چھوڑنے سے جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی ساری عمر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افطر یوما من رمضان من غیر رخصۃ ومرض لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان صامہ.

(ترجمہ) جس نے شرعی رخصت اور مرض کے بغیر عمداً رمضان شریف کا ایک روزہ ترک کر دیا اس کے عوض عمر بھر روزے رکھے تب بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۷)

افطار کے اعذار حسب ذیل ہیں۔

(۱) مریض ہونا یا مرض کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۲) مسافر ہونا۔

(۳) اکراہ یعنی زبردستی۔

(۴) حمل والی عورت یا دودھ پلانے والی عورت کو اپنی جان یا حمل یا بچہ کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو۔

(۵) شدت بھوک اور پیاس سے ہوش وحواس جاتے رہنے یا ہلاکت کا خوف ہو۔

(۶) سخت بڑھاپا۔

(۷) حالت حیض ونفاس میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

(۸) مجاہد کو روزہ رکھ کر کفار سے مقابلہ کرنے میں ضعف لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے روزہ افطار کی گنجائش ہے وغیرہ۔

فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم وقد ذکر المصنف منها خمسة وبقی الا کراہ وخوف ھلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید ولسعة حیه (لمسافر) سفراً شرعیاً ولو بمعصیة (اوحامل او مرضع) اما کانت اوظئرا علی الظاهر (خافت بغلبة الظن علی نفسها او ولدها او مریض خاف الزیادۃ) لمرضه وصحیح خاف المرض (درمختار) قال الشامی و فی الخلاصة الغازی اذا کان یعلم یقیناً انه یقاتل العدوفی رمضان ویخاف الضعف ان لم یفطر افطر نهر(درمختار مع الشامی فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم ج۲/ص ۴۲۱ تا ص ۴۲۲. واذا حاضت المرأۃ اونفست افطرت وقضت (ھدایه ۱/۲۲۴ فصل فی افطار الصوم) فقط والله اعلم .

روزہ کی نیت کس زبان میں کرے:

(سوال ۲۶۷) روزہ کی نیت اپنی مادری زبان (جیسے اردو، گجراتی انگلش وغیرہ) میں کر سکتے ہیں؟

(الجواب) روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔ والسنة ان یتلفظ بها (ای النیة) کذا فی النهر الفائق (فتاوی ہندیه ۱/۱۹۵ کتاب الصوم) فقط والله اعلم بالصواب.

ٹیلیگراف کی خبر ہلال معتبر ہے یا نہیں:

(سوال ۲۶۸) بذریعہ خط وٹیلیگراف معلوم ہوا کہ بعض جگہ پر انتیسویں ۲۹ کے چاند کے حساب سے شنبہ کو عید منائی ہے اور ہمارے ہاں ایک روزہ کے بعد اتوار (یک شنبہ) کو عید ہوئی تو کیا عید کی فضیلت اور ثواب کے ہم حقدار ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) متذکرہ بالا صورت میں بذریعۂ خط وٹیلیگراف جو خبر پہنچی ہے وہ اس لئے ناکافی ہے کہ یہ "حجۃ شرعیہ" نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی خبروں پر اعتبار کر کے عید منانا صحیح نہیں ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ اخبرنی کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها واستهل علی هلال رمضان وانا بالشام فرأینا الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینه فی اخر الشهر فسألنی ابن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته لیلة الجمعة فقلت

رأه الناس فصاموا و صاما معاويةرضی اللہ عنه فقال لكن رأيناه ليلة السبت فلا نزول نصوم حتى نكمل ثلثين يوماً او نراه فقلت الا تكتفى برؤية معاوية وصيامه قال لا هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم باب ماجآء لكل اهلٍ بلد رؤيتهم ج. ۱ ص ۱۴۸.

خلاصہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؓ سے ماہ رمضان میں جب وہ شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو دریافت کیا کہ وہاں رویت ہلال کب ہوئی ؟ انہوں نے کہا کہ شب جمعہ کو حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا آپ نے خود دیکھا تھا ؟ عرض کیا دوسروں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم نے شنبہ کی رات کو دیکھا اور اسی حساب سے تیس ۳۰ روزے پورے کریں گے الا یہ کہ چاند دیکھ لیں! حضرت کریبؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزے پر کفایت نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۷)

واقعہ مذکورہ میں حضرت کریبؓ کا بیان بابت رویت ہلال قانون شریعت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترا لہذا حضرت ابن عباسؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اسی طرح ٹیلیفون یا خط کے ذریعے جو خبر پہنچی ہے شرعی نقطۂ نظر سے وہ ناکافی ہے۔ لہذا اتوار کے دن ہی عید ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی نقصان یا خرابی نہیں ہے۔ آپ کے یہاں جو دن طے کیا گیا ہے عند اللہ عید کا ثواب اور یوم عید کی فضیلت اسی دن کو حاصل ہوگی۔

عن ابی هريرة رضى الله عنه ان النبى عليه السلام قال الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والاضحىٰ يوم تضحون .باب ماجآء ان الفطر يوم تفطرون. الخ. ترمذی . ص۸۹

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزہ (رمضان) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا دن وہی ہے جس کو تم رمضان۔ عید یا بقر عید کا دن قرار دو۔ وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو ان دنوں میں حاصل ہوں گے جو ان کے یہاں شرعی تحقیق کے بعد طے کئے جائیں۔

لہذا شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم احتیاطاً دوشنبہ تک قربانی سے فارغ ہوجانا اولیٰ وافضل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال محرم کے لئے کتنے شاہد درکار ہیں:

(سوال ۲۶۹) ثبوت ہلال محرم کے لئے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے۔

(الجواب) دوعادل ومعتبر مرد یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ نور الایضاح میں ہے۔ وبشرط لبقية الاهلة شهادة رجلين عدلين او حرو حرتين غيرٌ محدو دين فى قذف.(نور الا يضاح ص ۱۵۰ فصل فيما يثبت به الهلال)

غروب آفتاب سے پہلے جو چاند نظر آئے وہ معتبر نہیں:

(سوال ۲۷۰) عید الفطر کا چاند دیکھا۔ آفتاب کے غروب ہونے میں ابھی دو چار منٹ کی دیر تھی۔ اس وقت زید نے کہا کہ ہلال عید نظر آیا لہذا روزہ افطار کرنا چاہئے۔ تو بکر نے انکار کیا۔ تاہم زید کے کہنے پر پندرہ بیس آدمیوں نے روزہ افطار کرڈالا تو ان مفطرین کا روزہ ہوا یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے تمہارا روزہ نہیں ہوا قضا کرنی ہوگی۔ آپ مفصل جواب دیں۔

(الجواب) غروب آفتاب سے پہلے رویت ہلال کا اعتبار نہیں وہ دن رمضان ہی کا ہے عید کا نہیں۔ (۱) اب جس نے یہ سوچ کر افطار کیا کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے اسی لئے چاند نظر آیا تو ان پر روزہ کی فقط قضا لازم ہے اور جو لوگ جانتے تھے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے اور روزہ کھول لیا ان پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تنہا آدمی انتیسواں چاند دیکھے تو؟:

(سوال ۲۷۱) ہمارے گاؤں پال کے قدیم امام مالابار سے انتیسویں چاند کے حساب سے دوشنبہ کو روزہ رکھ کر آئے ہیں۔ ہمارے تیس چاند کے حساب سے انتیس ۲۹ روزے ہوئے اور ان کے پورے تیس ہوئے۔ اب آج یہاں ہلال عید نظر نہیں آیا تو وہ صاحب آئندہ کل کیا کریں؟ روزہ رکھیں یا نہیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں آج چاند نظر نہ آئے تو وہ بھی سب کے ساتھ آئندہ کل روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے۔ (شامی ج ۲ ص ۱۲۳) (۲)

دن میں چاند نظر آئے:

(سوال ۲۷۲) ایک کتاب میں مسئلہ نظر سے گذرا کہ دن میں چاند نظر آیا اور ابھی غروب آفتاب کے لئے دو گھنٹہ کی دیر ہو اور چاند نظر آجائے وافطار کرلے۔ لہذا جواب تحریر کریں کہ روزہ افطار کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مسئلہ مذکورہ صحیح نہیں ہے۔ غروب سے پہلے چاند نظر آئے تو افطار کرنا جائز نہیں۔ ولا عبرة برؤية الهلال نهاراً سواء كان قبل الزوال اوبعده وهو الليلة المستقبلة فى المختار (نور الا يضاح ص ۱۵۰ فصل فيما يثبت الهلال وفتاوىٰ عالمگيری ج ۱ ص ۱۹۷)

ہلال عید کی خبر بذریعہ ریڈیو:

(سوال ۲۷۳) ہلال عید شوال کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچی صبح دس بجے لوگوں کے انتشار کی بناء پر اس روز نماز عید نہ ہوئی تو دوسرے دن نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اکثروں نے روزہ توڑ دیا ہے، تو ریڈیوں کی خبر سے روزہ توڑنے والے کے لئے اس کی قضا ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) اپنے یہاں مطلع صاف تھا، تب بھی چاند نظر نہیں آیا۔ پھر ریڈیوں کی خبر سے روزہ کیوں توڑا؟ صورت مسئولہ میں اس روزہ کی قضا ہے (ہاں اگر دلیل شرعی سے چاند کا ثبوت ہوجائے تو قضا ضروری نہیں) اور دوسرے روز نماز عید پڑھے یہ مناسب ہے، نماز عید الفطر عذر کی وجہ سے پہلے دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن پڑھ سکتے ہیں اور نماز

(۱) ولا عبرة برؤية الهلال نهارا سواء، كان قبل الزوال اوبعده وهو اللية المستقبلة فى المختار نور الا يضاح. حوالہ بالا
(۲) لوصام رأى هلال رمضان واكمل العدة لم يفطر الا مع الامام كتاب الصوم)

عیدالاضحی کو تیسرے دن تک مؤخر کر سکتے ہیں، اسی طرح ریڈیو، ٹیلیگراف کی خبر سے روزہ افطار کرنا اور نماز عید پڑھنی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دلیل شرعی نہیں ہے! ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؒ سے جب وہ شام سے ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ تشریف لائے، پوچھا کہ تم نے خود چاند دیکھا جواب دیا نہیں۔ دوسروں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی (ایسا ہی کیا)! حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے شنبہ کی شب کو دیکھا ہے اور اسی حساب سے تیس ۳۰ روزے پورے کریں گے یا چاند دیکھ لیں! حضرت کریبؒ نے عرض کیا آپ کے نزدیک حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا کافی نہیں؟ فرمایا نہیں! ہم کو رسول خدا ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ باب ماجاء لکل اھل بلد رؤیتھم. ج ۱ ص ۱۷۸. فقط واللہ اعلم.

رویت ہلال کے متعلق مزید تحقیقات:

(سوال ۲۷۴) ہمارے ہاں بذریعہ اخبار خبر آئی کہ بمبئی میں عید کا چاند ہوگیا۔ وہاں کے شہر قاضی نے اعلان کرادیا کہ "کل عید ہوگی" دوسرا ایک شخص خبر لایا کہ دھر اچھا میں دو تین آدمیوں نے چاند دیکھا۔ اس خبر پر گاؤں والوں نے روزہ توڑ دیا اور نماز عید ادا کرلی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی خبر پر روزہ توڑ دینا اور عید منانا کیسا ہے؟ روزہ توڑ دیا اس کا کیا؟ دو آدمی اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے روزہ افطار نہیں کیا، نہ عید کی نماز پڑھی جس مسجد میں صلوٰۃ عید پڑھی گئی اسی کے ایک کونے میں بیٹھے رہے اور دوسرے روز چکھلی جا کر نماز عید ادا کی تو ان کے لئے کیا حکم ہے۔ بالتفصیل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔ جزاکم اللہ عنا۔

(الجواب) ھو الموفق للصواب! رمضان المبارک، عیدالفطر اور عیدالاضحی دوسری اقوام کے تیوہار کی طرح محض قومی تیوہار نہیں بلکہ عبادات بھی ہیں اور ان کے اوقات بھی متعین ہیں۔ قبل از وقت ادا کرنا درست نہیں اور اوقات کا مدار "رویت ہلال" پر ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو جب تک (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو، اگر چاند ابر وغبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو حساب لگا لو یعنی تیس دن پورے کرلو! (صحیح بخاری شریف پ ۷ ج ۱ ص ۲۵۶ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الھلال فصوموا الخ)

فقہی مسئلہ ہے کہ کچھ لوگ اندھیرے میں کسی نامعلوم جگہ میں قرائن وتحری سے کعبہ شریف کی سمت متعین کریں، چار آدمی میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ مختلف سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک عقیدہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہی ہے جس طرف رخ کرکے وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے۔

فاذا کان اربعۃ انفس یصلی کل واحد بطائفۃ الی اربع جہات لا عتقادھم ان الکعبۃ ذالک فان صلوۃ الاربعۃ صحیحۃ الخ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۰۲)

غرض کہ شرعی فیصلہ کے مطابق جس دن آپ لوگ روزہ رکھیں گے اور عید کریں گے وہی دن آپ لوگوں کے حق میں رمضان اور عید کا دن ہوگا، جو ثواب وبرکات خداوند قدوس نے رمضان کے ایام اور عید کے دن میں رکھے

ہیں وہ آپ لوگوں کو بھی حاصل ہوں گے، ذرہ برابر کمی نہ ہوگی پھر افواہوں پر پریشان ہونے اور بے صبر بننے کی کیا ضرورت؟

بناءً علیہ اگر امسال سعودی عربیہ میں بطریق موجب جمعہ کو عید ہوئی اور بغداد میں شنبہ کو اور پاکستان میں اتوار کو اور ہندوستان میں اکثر جگہ پیر (دوشنبہ) کو عید ہوئی تو اس کی سب صحیح اور عند اللہ مقبول ہیں اور جن لوگوں نے شرعی ضابطۂ شہادت کی پرواہ کئے بغیر اور حجت شرعیہ کے خلاف عید منائی ہو مشکوک ہوگی (والعلم عند اللہ)

اس مختصر تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات یہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اخباری اطلاع اور ایک شخص کا خبر دینا کہ "دھر اچھا" میں دو تین آدمیوں نے چاند دیکھا ہے! طریق موجب اور شہادت کی قسم میں داخل نہیں ہے اور نہ اسے خبر مستفیض کہا جاسکتا ہے۔

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کلھم منھم یخبر عن تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ الخ (شامی ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الصوم)

علامہ رحمتی کی تحقیق یہ ہے کہ استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر میں چاند دیکھا گیا ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں، ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر کے مسلمانوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض خبر کا پھیل جانا اور یہ بھی پتہ نہ ہو کہ اس خبر کا راوی کون ہے استفاضہ نہیں ہے! لہٰذا مطلع صاف ہوتے ہوئے چاند نہ دیکھے جانے کے باوجود غیر معتبر خبروں کی بنا پر روزہ نہ رکھنا یا رکھا ہوا روزہ توڑ دینا اور عید منا ڈالنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ایسی صورت میں جم غفیر اور مجمع کثیر کی گواہی ضروری ہے کہ جس کی بنا پر قاضی یا مفتی کو چاند ہونے کا یقین یا غلبۂ ظن پیدا ہوجائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے۔ ہدایہ میں ہے۔

وان لم یکن بالسماء علۃ لم تقبل الا شھادۃ جماعۃ یقع العلم بخبرھم.

یعنی مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک ایسی جماعت کی شہادت قبول ہوسکتی ہے جس کی شہادت سے اطمینان حاصل ہوجائے (ہدایہ ج ۱ ص ۱۹۶ قبیل باب مایوجب القضاء والکفارۃ) الجم الغفیر یقع بہ العلم فی ھلال الصوم والفطر والاضحی (رسائل الارکان ص ۲۰۷ فصل یفترض علی المکلف الخ) اور مالا بدمنہ میں ہے۔ "واگر مطلع صاف باشد در رمضان وشوال جماعت عظیم مے باید" یعنی اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید الفطر کے چاند کے لئے بڑی جماعت کی شہادت درکار ہے! جن کا متفقہ طور پر جھوٹ بولنا عقل تسلیم نہ کرے۔ (ص ۹۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان لم یکن بالسماء علۃ لم تقبل الا شھادۃ جمع عظیم یقع العلم بخبرھم الخ. یعنی اگر مطلع غبار وابر آلود نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی گواہی مقبول ہوگی جس کے بیانات سے یقین حاصل ہوجائے۔ (ج ۱ ص ۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال)

لہٰذا صورت مسئولہ میں روزہ کی قضا لازم ہے، اگر بعد میں بطریق موجب چاند کا ہونا ثابت ہوجائے تو پھر روزہ کی قضا نہیں ہے۔

جن دو صاحبوں نے روزہ نہیں توڑا اور اعتکاف بھی نہیں چھوڑا وہ مبارک بادی کے مستحق ہیں جب تک جہت شرعیہ سے چاند ثابت نہ ہو جائے روزہ چھوڑنا اور اعتکاف توڑنا جائز نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت کریبؓ شام کے سفر سے مدینہ طیبہ رمضان المبارک میں آئے حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھا کہ وہاں چاند کب دیکھا گیا؟ حضرت کریبؓ نے عرض کیا کہ شب جمعہ کو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے دیکھا تھا؟ حضرت کریبؓ نے کہا لوگوں نے دیکھا اور روزہ بھی رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا (بعض روایات میں خود کا دیکھنا بھی بیان کیا گیا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم نے شنبہ کی شب کو دیکھا ہے اور اسی حساب سے روزے پورے کریں گے یا چاند دیکھ کر ختم کردیں گے۔ حضرت کریبؓ نے عرض کیا آپ کے نزدیک حضرت معاویہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے (ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۷ باب ماجآء لکل بلد رؤیتھم)

چونکہ حضرت کریب نے غیر کی شہادت پر شہادت نہیں دی، نہ حکم حاکم پر شہادت دی۔ نہ لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دی۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو چونکہ ایک شخص کی گواہی سے وجوب القاضی علی القضاء ثابت نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؓ کی خبر پر عمل نہیں فرمایا۔

لانہ لم یشھد علی شھادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم ولئن سلم فلانہ لم یأت بلفظ الشھادۃ ولئن سلم فھو واحد لا یثبت بشھادتہ وجوب القضاء علی القاضی. (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷ کتاب الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب.

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنا اور عید منانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۷۶) ہلال شوال کی خبر پاکستان ریڈیو نے دی اس کے بھروسے پر دو تین مقام میں بعض لوگوں نے تیسواں ۳۰ روزہ نہیں رکھا اور بعض نے رکھ کر توڑ دیا اور عید کی تو کیا ان کی عید معتبر ہے؟ اور روزہ کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں عید معتبر نہیں اور روزہ کی قضا لازم ہے۔ بعض صورتوں میں روزہ کا کفارہ بھی ہے، یہاں ہندوستان میں مطلع صاف تھا چاند ہوا ہوتا تو یہاں بھی نظر آتا۔ بڑے بڑے شہروں میں بھی چاند نظر نہیں آیا اور نہ عید کی خبر پہنچی۔ لہذا گاؤں والوں کا یہ عمل جاہلانہ اور خلاف قانون ہے ان کو توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ ریڈیو کی خبر ہلال شوال و رمضان کے لئے چند شرائط معتبر ہے مگر یہ شرائط عموماً ریڈیو میں مفقود ہیں اور ہونا بھی مشکل ہیں۔ لہذا عام ریڈیو کی خبر سے نہ عید کی جاسکتی ہے اور نہ رمضان کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال رمضان و عید الفطر کی تفصیل۔ (برائے انگلینڈ):

(سوال ۲۷۷) ہمارے یہاں انگلینڈ میں آسمان پر ابر و غبار رہتا ہے۔ سورج، چاند، دکھائی نہیں دیتے۔ جس بناء پر اسلامی مہینے پورے تیس ۳۰ دن شمار ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہلال رمضان و عید الفطر کی تعیین کے لئے کیا کریں۔ عموماً بعض لوگ کارخانہ میں ہوتے ہیں اور بعض فیکٹریوں میں ہوتے ہیں۔ چھٹی کے لئے ایک ہفتہ پہلے

رپورٹ دینی ہوتی ہے ایک مولوی صاحب آتے ہیں۔ جو "مراکو" (MOROCCO) سے بذریعہ فون چاند کی خبر معلوم کرتے ہیں تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ اس طرح اتفاقیہ ہونے پر چھٹی نہیں ملتی اور قانون ہے کہ مہینہ کے اخیری دن اور دوسرے ماہ کے شروع دن کی چھٹی ایک ساتھ نہیں دیتے۔ اگر چھٹی کرلیں تو ملازمت چھوٹ جاتی ہے تو جب چاند نظر نہ آئے تو تیس دن کا حکم ہے اس لئے انتیس ۲۹ دن کے اعتبار سے رمضان، عید الفطر اور عید الضحیٰ کی تعیین کی جائے تو کیا حرج ہے؟

(الجواب) دوسرے ممالک سے چاند کی خبر منگا کر خود کو اس کے تابع بنانا شرعاً ضروری نہیں، تیسویں دن چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے عمل کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ جب تک ہلال رمضان نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور جب تک ہلال شوال نہ دیکھو افطار نہ کرو۔ (روزے ختم نہ کرو) اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ عن ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ. وفی روایۃ قال الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۴ باب رؤیۃ الھلال) انتیسویں دن چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے عمل کریں۔ ایک دن کم ہو تو ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ انشاء اللہ پورا اجر و ثواب اور برکت کے حق دار ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون. مطلب یہ ہے کہ (شرعی تحقیق کے مطابق) جس دن یا جس تاریخ کو روزہ رکھو یا روزہ پورا کرو یا قربانی کرو۔ تو خدا کے نزدیک بھی وہی تاریخ اور عید کا وہی دن اور قربانی کی وہی تاریخ ہے۔ یعنی ثواب کامل ملے گا۔ (ترمذی شریف ص ۸۸ ج ۱ باب ماجآء ان الفطر یوم تفطرون الخ) لیکن جبکہ یہاں ہمیشہ ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہیں آتا ہے اور سب چاند تیسواں شمار کرتے ہیں۔ تو اس میں بڑا تفاوت ہوگا۔ جب دوسری جگہ سے ریڈیو یا ٹیلی فون سے چاند کی خبر لوگ سنیں گے۔ تو وہ لوگ اپنے خیالات اور ارادے میں مذبذب ہوں گے اور عبادات، تراویح، روزہ، عید، قربانی، وغیرہ کے بارے میں خلجان پیدا ہوگا، اور نتیجۃً اختلاف رونما ہوگا اور بدنظمی پیدا ہوگی۔ ایسے وقت میں اپنے نزدیک کے ممالک جہاں پر طلوع وغیرہ میں زیادہ تفاوت نہ ہو اور انتیسویں کا چاند نظر آتا ہو۔ ایسے ملک سے رابطہ اور تعلق رکھنا چاہئے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہلال رمضان کے بارے میں وہاں کے تین چار دیندار اور معتمد آدمیوں کے فون کی خبر پر جب تم ان کی آواز اچھی طرح پہچان سکو اور تمہیں چاند نظر آنے کا یقین پیدا ہو جائے تو رمضان کا فیصلہ کردو۔ لیکن ہلال عید کے لئے شہادت شرط ہے اس کے لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ وہاں کے دو دیندار معتمد آدمی خود چاند دیکھ کر بذریعہ طیارہ (ہوائی جہاز) آکر شہادت دیں یا یہاں سے دو دیندار معتمد آدمی وہاں جاکر خود چاند دیکھنے والوں کی گواہی لیں۔ یا وہاں کے مفتی، قاضی، خطیب، یا ہلال کمیٹی کے صدر معتمد علیہ کا سندی فرمان لے آئیں جس کو یہاں کی معتمد علماء قبول کرلیں تو اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ رہا تعطیل اور رخصت کا مسئلہ تو پہلے ہی سے ایک دن کے بدلے دو دن کی رخصت منظور کرالیں۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ممکن ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال رمضان کے شرعی ثبوت کے بغیر روزہ اور تراویح کا حکم:

(سوال ۲۷۸) ایک غیر مقلد ہمارے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس رمضان کے موقعہ پر اس نے ایک ہنگامہ برپا کیا ہے ،انتیسویں شعبان کو مطلع ابر آلود تھا، اس نے اعلان کیا کہ آج چاند نظر آئے یا نہ آئے تراویح پڑھ لی جائے اور روزہ بھی رکھ لیا جائے ، اگر چاند ثابت ہوگیا تو رمضان کا روزہ ہوگا ورنہ نفل روزہ ہوگا اور تراویح بھی نفل ہوگی ، دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ ایک شخص نے منفرداً نماز پڑھ لی پھر مسجد آیا تو جماعت ہو رہی تھی اس میں وہ شریک ہوگیا اس صورت میں جماعت والی نماز نفل شمار ہوتی ہے تو جب ایک فرض بدل کر نفل ہوجاتا ہے، تراویح تو سنت ہے اس کے نفل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی، ہم نے فتاویٰ رحیمیہ اور بہشتی زیور کا مسئلہ دکھلایا تو کہنے لگا کہ میں صحاح ستہ کے سوا کسی کو نہیں مانتا، اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعی ثبوت کے بغیر تراویح پڑھنا اور روزہ رکھنا اور یہ کہنا کہ کیا مضائقہ ہے چاند ثابت نہ ہوا تو ہماری عبادت نفل ہوجائے گی کیا یہ صحیح ہے؟ اور اس کی بات پر عمل کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص کم علم اور کج فہم معلوم ہوتا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے: لاتصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له الخ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو اور فطار نہ کرو جب تک (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو پس اگر چاند ابر و غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو حساب لگالو یعنی تیس دن پورے کرلو (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۶ باب قول النبی صلی الله علیه وسلم اذا رأیتم الهلال فصوموا) اس شخص کا قول و عمل مردود ہے اس لئے کہ صراحۃً فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے، نیز بخاری شریف میں ہے "باب لا یتقدم رمضان بصوم یوم او یومین عن ابی هریرة رضی الله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یتقد من احد کم رمضان بصوم یوم اویومین الا ان یکون رجل کان یصوم صومه فلیصم ذلک الیوم". یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھے، ہاں اگر کوئی شخص کسی خاص معین دن کا روزہ رکھتا ہو اور وہ اسی دن آجائے تو روزہ رکھ لے (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۶) رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت اس حدیث سے ثابت ہوئی۔ ایسی تاریخ اور ایسے دن کو یوم الشک کہا جاتا ہے، اس دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔ لقوله علیه السلام لا یصام الیوم الذی یشک فیه (او کما قال علیه السلام) وهذه المسئلة علی وجوه احدها ان ینوی صوم رمضان مکروه لما رویناه ولا نه تشبه باهل الکتاب لانهم زادوا فی مدة صو مهم (هدایه اولین ص ۱۹۳ کتاب الصوم) اور اگر اس نیت سے روزہ رکھا کہ رویت ہوگئی تو رمضان کا ورنہ نفل، یہ بھی بوجہ تردد نیت مکروہ ہے، ہاں قطعی طور پر نفل کی نیت ہو تو مضائقہ نہیں مگر یہ اہل علم کا کام ہے عوام کو اس کی اجازت نہیں پھر اگر اتفاقاً رویت کا تحقق ہوگیا تو یہ نفل روزہ فرض کے قائم مقام ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جدہ میں روزہ رکھنا شروع کیا پھر راندیر آگیا تو کیا کرے؟:

(سوال ۲۷۹) ایک شخص جدہ میں کام کرتا ہے وہاں اس نے رمضان کے روزے رکھنا شروع کئے (وہاں رمضان کا پہلا روزہ جمعہ کو ہوا اور ہمارے یہاں ہندوستان میں سنیچر کو پہلا روزہ ہوا) پھر وہ شخص راندیر آگیا اور یہاں سنیچر کو انتیسواں چاند نظر نہیں آیا اور سنیچر کو اس کے تیس روزے پورے ہوگئے تو اب اس پر اتوار کو (جو اس کا اکتیسواں روزہ ہوگا) سب لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنا چاہئے یا وہ روزہ نہ رکھے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص اتوار کو یہاں والوں کے ساتھ روزہ رکھے چاہے اس کے اکتیس روزے ہوجائیں، جس طرح کسی نے تنہا رمضان کا چاند دیکھا اور اس کی گواہی قبول نہ کی گئی تو اس کو اپنی رویت کے اعتبار سے رمضان کا روزہ رکھنا چاہئے اور اتفاق سے تیس روزے پورے کرنے کے بعد چاند نظر نہ آئے تو اس کو تنہا افطار کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے۔ شامی میں ہے (تنبیه) لوصام رائی هلال رمضان واکمل العدة لم یفطر الا مع الامام لقوله علیه الصلوة والسلام صومکم یوم تصومون وفطر کم یوم تفطرون رواه الترمذی وغیره والناس لم یفطر وافی مثل هذا الیوم فو جب ان لا یفطر نهر (شامی ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الصوم) فقط والله اعلم بالصواب.

بمبئی میں روزے رکھنا شروع کئے پھر مکہ معظمہ گیا:

(سوال ۲۸۰) ایک شخص نے بمبئی میں روزے رکھنا شروع کئے اور پھر وہ شخص رمضان میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ گیا ،وہاں والے ایک دو دن آگے تھے تو اب وہ شخص وہاں والوں کے ساتھ عید منانے اور اس کے بعد اپنے روزے مکمل کرے یا اپنے روزے مکمل کر کے اپنی عید الگ منائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص وہاں والوں کے ساتھ عید کرے، بعد میں باقی ماندہ روزوں کی قضا کرے، یعنی اگر اس کے ۲۷ روزے ہوئے تو دو روزے رکھے، ۲۸ ہوئے تو ایک روزہ رکھے کہ مہینہ ۲۹ دن سے کم کا نہیں ہوتا[1]۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ثبوت ہلال کے معتبر طرق:

(سوال ۲۸۱) ثبوت رویت ہلال کے معتبر طرق کیا ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) رویت عامہ (یعنی عام لوگوں کا یا جم غفیر کا چاند دیکھنا) یہ رمضان و عید الفطر کے چاند کے ثبوت کا قطعی فیصلہ ہے، اس کے بعد قانونی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی (وقبل بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض الی رأی الا مام من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب (درمختار ج ۲ ص ۱۲۶ کتاب الصوم)

(۱) اهل مصر صا موا رمضان بغیر رؤیة وفیهم رجل لم یصم حتی رأی الهلال من الغد فصام اهل المصر ثلاثین یوما وهذا الرجل تسعة وعشرین ثم افطر واجمیعا فان کان اهل المصر رأو الهلال شعبان وعدوا شعبان ثلاثین یوما کان علی هذا الرجل قضاء یوم الا ول الخ (فتاویٰ تاتارخانیة . الفصل الثانی فیما یتعلق برؤیة الهلال ج ۲ ص ۳۵۴)

(٢) شہادت:

اگر مطلع ابر آلود ہو اور اس وجہ سے رؤیت عامہ نہ ہو سکے تو ثبوت رمضان کا فیصلہ ایک دیندار پابند شریعت مسلمان مرد یا عورت کے بیان پر کیا جاسکتا ہے (وللصوم مع علة کغیم) وغبار (خبر عدل) ولو کان العدل قناً او انثیٰ او محدوداً فی قذف تاب (درمختار ج ٢ ص ١٢٣، ١٢٤ کتاب الصوم) وبرائے شہادت ماہ رمضان اگر آسمان ابر یا مانند آں دارد یک مرد یا زن عادلی کافی است حر باشد یا رقیق (مالابد منہ ص ٩٣) (نور الایضاح ص ١٤٩)

البتہ ہلال عید کے لئے باقاعدہ شہادت کی ضرورت ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں (جو مسلمان اور بظاہر پابند شریعت ہوں) اور قاضی شرعی یا مفتی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور قاضی و مفتی اس کی شہادت قبول کرلیں تو اس سے بھی چاند ثابت ہوجاتا ہے۔ (وشرط للفطر) مع العلة والعداله (نصاب الشهادة ولفظ اشهد) (درمختار ج ٢ ص ١٢٤ ایضاً) وبرائے شہادت شوال دریں چنیں حال دو مرد حر عادل یا یک مرد و دو زن احرار عدول بالفظ شہادت شرط است (مالابد منہ ص ٩٣) (نور الایضاح ص ١٤٩)

(٣) شہادت علی الشہادت:

(گواہی پر گواہی دینا) جب کہ اصل شاہدین کسی وجہ سے مجلس قضا میں یا کمیٹی کے سامنے حاضر ہونے سے قاصر ہوں تو اصلی گواہ اپنی طرف سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنا کر مجلس قضا یا مفتی (جن کے فتاویٰ وفیصلوں پر لوگوں کا اعتماد ہو) یا کمیٹی کے سامنے شہادت کا فریضہ انجام دینے کے لئے نہ بھیجیں وہ دونوں گواہ قاضی، مفتی یا کمیٹی کے سامنے حاضر ہوکر شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں آدمی نے شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے اور انہوں نے ہمیں گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ ہم آپ تک ان کی گواہی پہنچادیں یہ شہادت علی الشہادۃ کی صورت ہے، یہ ثبوت ہلال رمضان وعید کے لئے معتبر ہے۔ اور اگر چہ شاہدان اصل کے لئے دو گواہوں کا الگ الگ ہونا (یعنی چار ہونا) شرط نہیں ہے، دو گواہ دونوں کے گواہ بن سکتے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ ہر گواہ اپنی طرف سے دو گواہ الگ الگ بنائے یعنی اصل گواہ دو ہیں تو ان کے قائم مقام (فرع) چار ہوں، درمختار میں ہے۔ باب الشهادة علی الشهادة (وهی مقبولة) لکن لا تقبل الا بشرط تعذر حضور الا صل (درمختار) اشار الی ان المراد بالمرض مالا یستطیع معه الحضور الی مجلس القاضی کما قیده فی الهداية الخ (شامی ج ٤ ص ٥٤٤ باب الشهادت علی الشهادة) وکیفیتها ان یقول الا صل مخاطباً للفرع ولو ابنه بحر (اشهد علی شهادتی انی اشهد بکذا. الی قوله. (ویقول الفرع اشهد ان فلا ناً اشهد نی علیٰ شهادته بکذا وقال لی اشهد علی شهادتی بذلک) (درمختار) (قوله وذالک) یعنی بان یکون لکل شاهد شاهدان متغایران بل یکفی شاهدان علی کل اصل (شامی ج ٤ ص ٥٤٥ باب الشهادۃ علی الشهادہ)

(٤) شہادت علی قضاء القاضی:

قاضی یا مفتی کی مجلس میں شرعی شہادت پیش ہو اور مجلس میں دو دیندار پابند شرع مسلمان شروع سے آخر تک

حاضر ہوں اور پھر وہ کسی دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے سامنے حاضر ہوکر شہادت دیں کہ فلاں مقام پر قاضی یا مفتی کی مجلس میں ہمارے سامنے رویت ہلال کی شہادتیں پیش ہوئیں اور ان کی شہادتوں کی سماعت کے بعد قاضی یا مفتی نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا، تو یہ بھی ثبوت ہلال رمضان وعید کے لئے معتبر ہے اور ان کی شہادت پر رویت ہلال کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (شهدوا انه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدان بروية الهلال) فی لیلة کذا (وقضی القاضی (به ووجد استجماع شرائط الدعوی قضی) ای جاز لها (القاضی) ان یحکم (بشهادتهما) لان قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا بروية غیر هم لا نه حکاية (درمختار ج ٢ ص ١٢٨ کتاب الصوم)

(٥) کتاب القاضی الی القاضی:

ایک جگہ کے قاضی یا مفتی کے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی اور اس نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا اب وہ دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے نام دو دیندار مسلمانوں کے سامنے خط لکھے کہ میرے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی جس کی بنا پر میں نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا اور اس پر اپنے دستخط ومہر لگائے اور ان کو سنا کر بند کر کے مہر لگا کر ان کے حوالہ کردے، وہ دونوں شخص وہ خط لے کر دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے پاس جائیں اور گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی یا مفتی کا مکتوب ہے، اس نے ہمارے سامنے لکھا اور پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے کہ ہم آپ تک یہ مکتوب پہنچادیں تو دوسری جگہ کا قاضی یا مفتی اس کو منظور کر کے اعلان کراسکتا ہے یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے مگر یہ حجت اسی قدر ہے جب کہ وہ دونوں شخص گواہی دیں کہ فلاں نے یہ مکتوب ہمارے سامنے لکھا پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے اور اگر اس طرح شہادت نہیں دیتے محض ایک خط (چٹھی، رقعہ) کی حیثیت سے پہنچادیتے ہیں تو اس کی حیثیت ایک معمولی خط جیسی ہوگی اور جو حکم کسی عام مسلمان کے خط کا ہوسکتا ہے وہی اس کا ہوگا (رویت ہلال کے مسائل ودلائل)

(٦) خبر مستفیض:

یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے، خبر مستفیض کے متعلق علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔ اعلم ان المراد بالا ستفاضة تواتر الخبر من الواردین من بلدة الثبوت الی البلدة التی لم یثبت بها لا مجرد الا ستفاضة یعنی، جان لو کہ استفاضہ سے مراد وہ خبر ہے جس کو بکثرت اس شہر سے آنے والے بیان کریں جہاں رویت ہوچکی ہے اور ایسی جگہ آکر بیان کریں جہاں ہنوز رویت ثابت نہیں ہوئی محض افواہ کافی نہیں (حاشیه بحر الرائق ج ٢ ص ٢٧٠ قبیل باب ما یفسد الصوم الخ)

علامہ رحمتی خبر مستفیض کے متعلق فرماتے ہیں۔ (تنبیه) قال الرحمتی معنی الا ستفاضة ان تأتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه'. استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چاند ہوا ہے، وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں، ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر کے مسلمانوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض خبر کا پھیل جانا یہ بھی

معلوم نہ ہو کہ کون اس کا راوی ہے، کس نے یہ بات چلائی ہے خبر مستفیض نہیں (شامی ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الصوم)

بہر حال خبر مستفیض سے بھی ہلال رمضان وعید کا ثبوت ہوجاتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ خبر کی نوعیت ایسی ہو کہ صاحب بصیرت، معاملہ فہم اشخاص کو اس کی صداقت کا یقین ہوجائے محض افواہ اور شہرت ہوجانا جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اصل خبر دینے والا کون ہے۔ کافی نہیں۔

ریڈیو:

شرعی قاضی، یا مستند علماء کرام کی مجلس یا وہ چاند کمیٹی جن کا فیصلہ مسلمان تسلیم کرتے ہوں، یہ لوگ باقاعدہ شہادت لے کر چاند کا فیصلہ کریں اور اس فیصلہ کو شرعی قاضی یا علماء کی مجلس یا چاند کمیٹی کا صدر یا ان کا معتمد نمائندہ بذریعہ ریڈیو نشر کرے اور دوسری جگہ کے علماء کرام اسے منظور رکھیں تو اس پر عمل کرنا درست ہے، عوام کی منظوری کافی نہیں بلکہ ان کی دخل اندازی اور اہل علم سے الجھنا روا نہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ، فرماتے ہیں...... "غرض آج کل ہر شخص مفسر ومترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے، جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے (وعظ الباب ص ۱۸)

"ریڈیو کی خبر کے متعلق ہندوستان کے مستند علماء کا فیصلہ"

"ریڈیو کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھتی ہے، یہ اعلان اگر رویت ہلال کی باضابطہ کمیٹی کی جانب سے ہو جو چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا فیصلہ کرتی ہے یا کسی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کو وہاں کے مسلمانوں نے قاضی یا امیر شریعت کی حیثیت سے مان رکھا ہے اور وہ باضابطہ شہادت لے کر فیصلہ کیا کرتا ہے اور اعلان کرنے والا خود قاضی یا امیر شریعت یا رویت ہلال کمیٹی کا صدر یا کمیٹی کا معتمد مسلم نمائندہ ہو تو مقامی کمیٹی، یا قاضی یا امیر کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس پر اعتماد کر کے رویت ہلال کا فیصلہ کردے (رویت ہلال رمضان وعید کے مسائل ودلائل ص ۹۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹیلیفون یا خط سے رویت ہلال کی خبر:

(سوال ۲۸۲) بے شک ٹیلیفون پر رویت ہلال کی شہادت شرعاً غیر معتبر اور نا قابل قبول ہے، لیکن کسی مقام پر پورے احتیاط اور شہادت شرعیہ کے جملہ اصول وقیود وشرائط کی رعایت کے ساتھ رویت ہلال کا فیصلہ کردیا گیا اب اس فیصلہ کی خبر یا مثلاً کسی مقام پر عام رؤیت ہوجانے کی خبر ٹیلیفون کے ذریعہ موصول ہورہی ہے یا اسی مقام پر دو تین اشخاص سے فون کے ذریعہ تحقیق کرنے سے اس رؤیت کے مذکورہ فیصلہ یا اس مقام پر رؤیت ہوجانے کی خبر کی تصدیق ہوجاتی ہے اور سامع کو بولنے والے کی آواز کی بہ خوبی شناخت ہوجائے کہ یقیناً فلاں صاحب ہی کی آواز ہے۔

نیز اگر دو تین الگ الگ مقامات سے اپنے یہاں رؤیت ہلال کے فیصلہ کی خبر ٹیلیفون سے موصول ہو اور اس صورت میں بھی سامع فون پر بولنے والے کی آواز کو بخوبی جانتا ہو کہ فلاں صاحب ہی کی آواز ہے اور بولنے

والا شخص مسلمان عادل یا مستور الحال ہے اور دوسرے قرائن وشواہد سے ان خبروں کے صحیح اور سچ ہونے کا غلبہ ظن ہوجائے تو کیا اس پر ہلال رمضان کے عام ثبوت کا فیصلہ اور حکم کیا جاسکتا ہے؟

۲۔ بعینہ مذکورہ بالا فیصلہ رُؤیت، یا عام رؤیت ہوجانے کی خبر خط کے ذریعہ ایک مقام سے یا دو تین مقام سے آتی ہے اور مکتوب الیہ کو خط کی بخوبی شناخت ہوجائے کہ فلاں شخص کا لکھا ہوا خط ہے اور وہ خط لکھنے والا مسلمان عادل یا مستور الحال ہے، نیز قرائن خارجیہ وشواہد سے ان خبروں کی صحت وصداقت کا ظن غالب ہو تو کیا اس صورت میں بھی رؤیت ہلال رمضان کے عام ثبوت کا حکم اور فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

۳۔ کیا مذکورہ بالا ذرائع سے موصول شدہ خبروں پر ہلال عید کے ثبوت کا بھی عام حکم اور فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

(جواب وباللہ التوفیق) حضور ﷺ کا فرمان ہے صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته. چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو مدار رویت ہلال پر ہے، اور عدم رؤیت کی صورت میں نصاب شہادت کو رؤیت کا حکم دے دیا گیا ہے، ہلال عید کا ثبوت شرعی گواہوں کی شہادت سے ہوگا اور اگر مطلع صاف ہے تو جم غفیر کی شہادت ضروری ہے۔

جب مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ایک دیندار مسلمان کی خبر رؤیت ہلال رمضان میں معتبر ہے تو اگر کسی دیندار مسلمان کے خط یا فون سے جب کہ وہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرے یا یہ کہے کہ فلاں معتبر اور دیندار شخص نے مجھ سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا ہے یا میرے سامنے قاضی صاحب نے یا مفتی صاحب نے یا کمیٹی کے صدر نے شرعی طور پر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے اور اس سے یقین یا غلبہ ظن حاصل ہوجائے کہ یہ فلاں شخص کا خط یا آواز ہے تو اس پر خود عمل کرسکتا ہے اور اگر دوسرے متعدد خطوط یا فون سے اس خبر کی تصدیق ہوجائے تو قاضی یا مفتی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو اعلان کرنے کا حق حاصل ہوجائے گا (اور اگر مطلع صاف ہے تو یہ تمام صورتیں ثبوت ہلال کے لئے ناکافی ہوں گی تا آنکہ شرعی شہادت یا خبر استفاضہ کی صورت نہ ہوجائے)

عید کے چاند کے ثبوت کے لئے چونکہ شہادت ضروری ہے اور شہادت کے لئے شاہد کی حاضری ضروری ہے اس لئے اس میں فون یا خط کی خبر کافی نہ سمجھی جائے گی اگرچہ آواز پہچان لی جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابل شہادت ہو۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہوجائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔ ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۸)

ہاں جب متعدد جگہوں سے یا کسی ایک ایسے شہر سے کہ جہاں نامور علماء اور مفتیان کرام ہوں مختلف ثقہ لوگوں کے یہ بیانات موصول ہوں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا مفتی یا معتمد علیہ شخصیت نے شہادت سن کر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے، اور جب ایسا بیان دینے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہوجائے کہ عقلاً ان کے جھوٹ ہونے کا کوئی احتمال باقی نہ رہے اور خبر مستفیض کے درجہ میں آجائے اور ان خبروں کے صحیح ہونے کا یقین یا غلبہ ظن مقامی قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو حاصل ہوجائے تو ان کو

عید کے چاند کا اعلان کرنے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا۔ ایک دو فون کافی نہ ہوں گے۔ وان لم تکن فی السماء علة لا یقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبر هم واختلفوا فی مقدار ذلک فقیل لا بد من اهل محلة وقیل لا بد عن خمسین رجلاً وعن محمد لابد ان یتواتر الخبر من کل جانب والصحیح انه مفوض الیٰ رای الحاکم لا ن المراد بالعلم الحاصل بخبر هم العلم الشرعی الموجب للعمل وهو غلبة الظن لا العلم بمعنی التیقن (مجالس الابرار ص ۲۲۱ مجلس نمبر ۳۲) یہی حکم خط کا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

دوسری جگہ سے چاند کی خبر آئے تو اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸۳) اپنے مقام پر چاند نہیں دیکھا گیا لیکن اس مقام کے قاضی مفتی یا ہلال کمیٹی کے صدر کے پاس دوسرے مقامات سے فون یا خط کے ذریعہ عام رؤیت یا رؤیت کے فیصلہ وغیرہ کی اطلاع آتی ہے یا شہر یا بستی کے لوگ خود ان کو آ کر خبر دیتے ہیں کہ فلاں جگہ سے فون یا خط وغیرہ کے ذریعہ رؤیت کی اطلاع موصول ہوئی ہے لہذا اب ہمیں کیا عمل کرنا چاہئے، ہم روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ عید منائیں یا نہ منائیں؟ قرائن خارجیہ اور شواہد سے موصولہ خبر کے صحیح ہونے کے امکانات اور ظن بھی ہو تو کیا اس صورت میں اس رؤیت ہلال کمیٹی، یا مستند عالم دین، مفتی، قاضی وغیرہ کہ جن کے فیصلہ رؤیت پر اہل شہر اور بستی والے عام طور پر اعتماد کرتے ہیں، شرعاً ان کے ذمہ اس کی تحقیق کر کے عوام کو صحیح فیصلہ اور حکم سے آگاہ کرنا مناسب اور بہتر ہے؟ یا وہ خاموش بیٹھے رہیں اور یہ کہہ دیں کہ یہاں رؤیت نہیں ہوئی اس لئے باہر سے چاہے جتنی صحیح اور معتبر خبر موصول ہو رہی ہو، ہم ہرگز اس کی تحقیق کے لئے تیار نہیں، مقامی فیصلہ صحیح ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور اکابر امت کا اس بارے میں سلفاً وخلفاً کیا معمول رہا ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔ (بڑودہ)

(الجواب) قاضی، مفتی، معتمد علیہ شخصیت اور ہلال کمیٹی کے صدر کو لازم ہے کہ اپنے مقام پر برقرار رہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ ان کے دربار میں اور مجلس میں جا کر اپنی رؤیت پیش کریں۔

قاضی وغیرہ پر لازم نہیں کہ چاند کی تلاش میں نکلے اس میں یہ بھی خرابی ہے کہ لوگ پھر کس کے سامنے گواہی دیں گے، اور اپنے یہاں عدم رؤیت کی صورت میں خواہ مخواہ دوسرے مقامات پر تحقیق کے لئے جانا خالی از تکلف نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں ریڈیو، تار ٹیلیفون وغیرہ سے خبریں پھیل جاتی ہیں اور لوگوں میں عام انتشار اور پریشانی پیدا ہو جاتی ہے اور فتنہ کا ذر لاحق ہو جاتا ہے اس سے بچنے کے لئے قاضی وغیرہ اپنے نائب کو جہاں سے چاند کی خبر آئی ہے وہاں تحقیق کے لئے بھیجے تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ مستحسن اور بعض صورتوں میں ضروری ہوگا، شہادت علی قضاء القاضی اور مکتوب قاضی بنام قاضی اس کی بین دلیل ہے، اور اس کی تائید اکابرین کے عمل سے ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا رسالہ۔ (''رؤیت ہلال'' رمضان وعید کے مسائل و دلائل ص ۳۷، ص ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۔ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

رؤیت ہلال ٹیلیفون سے معتبر ہے یا نہیں:

(سوال ۲۸۴) امسال دہلی میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک کا انتیسواں چاند نظر نہ آ سکا تھا، لکھنؤ سے بذریعہ ٹیلیفون آئی ہوئی خبر سے روزہ رکھا گیا تھا۔ یہ خبر ''اخبار الجمعیۃ'' میں شائع ہوئی ہے حالانکہ آج تک علماء ٹیلیفون کی خبر کو من وراء الحجاب ہونے کے سبب سے قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شاہد کی حضوری ضروری ہے لہذا خلاصہ مطلوب ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) بلاشبہ شہادت من وراء الحجاب معتبر نہیں شاہد کا حاضر ہونا ضروری ہے مگر یہ شہادت نہیں خبر ہے۔ ہلال رمضان کے وقت مطلع صاف نہ ہو اور ایک معتبر آدمی مرد ہو یا عورت چاند ہونے کی خبر دے اور قاضی یا اس کے نائب کو چاند ہونے کا یقین آ جائے تو تراویح اور روزہ رکھنے کا حکم دے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے وقبل بلادعویٰ وبلا لفظ اشهد وبلا حکم وبلا مجلس قضاء لانه خبر لاشهادة. یعنی آسمان پر گرد و غبار ہو یا ابر ہو تو ہلال رمضان کے لئے ایک معتبر آدمی کی خبر بلادعویٰ وبلا لفظ اشهد اور بلا حکم و مجلس قضا قبول کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ خبر ہے شہادت نہیں۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الصوم)

دہلی کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے ابر کی بناء پر چاند نظر نہ آ سکا ریڈیو سے بہت سے مقامات سے چاند ہونے کی خبر پہنچی مگر یقین نہ ہو سکا بالآخر لکھنؤ سے ایک معتبر عالم نے ٹیلیفون سے خبر دی مفتی صاحب اور علماء نے بیان سن کر آواز پہنچان کر پورے اطمینان کے بعد چاند ہونے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ درست ہے۔ یہ نیا فیصلہ یا نیا فتویٰ نہیں آج سے چالیس برس پہلے حضرت تھانویؒ نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔

(سوال) ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رؤیت ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا۔ اور وہ اس رؤیت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعہ آلہ ٹیلیفون کے کرے۔ جس میں خبر دہندہ اور مخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہنچاتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، اور مخبر الیہ کو اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شبہ بھی نہیں رہتا تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔ ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۸)

غرض کہ بذریعہ ٹیلیفون رمضان کے چاند کی خبر معتبر ہے بشرطیکہ مخبر معتبر ہو، کلام پوری طرح سنایا گیا ہو۔ سمجھا گیا ہو آواز برابر پہچانی گئی ہو اور قرائن سے پورا یقین ہو گیا ہو کہ چاند ہوا ہے اور مستند علماء اس کو قبول کریں۔ واقعہ دہلی ان شروط کے مطابق تھا۔ لیکن یہ صرف رمضان کے متعلق ہے عید کے چاند کا یہ حکم نہیں ہے۔

ریڈیو کی خبر سے ہلال رمضان وعید کا ثبوت:

(سوال ۲۸۵) ہلال عید الفطر کی خبر ریڈیو پاکستان نے دی تھی۔ جس بناء پر چند دیہاتوں میں بعض لوگوں نے تیسواں روزہ نہ رکھا۔ بعض نے رکھ کر توڑ دیا اور عید کرلی تو یہ عید معتبر ہے؟ کیا روزہ کی قضاء آئے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں عید معتبر نہیں روزہ کی قضا لازم ہے۔ بعض صورتوں میں قضاء کے ساتھ کفارہ بھی ہے۔ یہاں ہندوستان میں مطلع صاف تھا چاند ہوتا تو ضرور نظر آتا بڑے بڑے شہروں میں بھی چاند نظر نہیں آیا اور نہ عید کی خبر آئی۔ لہذا دیہاتیوں کا یہ فعل نادانی اور غیر قانونی شمار ہوگا۔ ان کو چاہئے کہ توبہ استغفار کریں۔ ریڈیو کی خبر ہلال رمضان وغیر الفطر میں بچند شرائط معتبر ہے۔ مگر وہ شرائط عام ریڈیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے ریڈیو کی خبر پر عید کرنا صحیح نہیں ہے۔ نہ اس سے رمضان کا ثبوت ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

قمری مہینوں کے اثبات میں اہل حساب کی تحقیق پر عمل کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸۶) ہمارے یہاں (ساؤتھ افریقہ میں) مصر سے ایک فتویٰ آیا ہے اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر کسی وقت ۲۹ ویں شعبان کی رؤیت ہلال نہ ہو، البتہ اہل حساب یقین کے ساتھ یہ بات کہیں کہ چاند ۲۹ ویں شعبان کو پیدا ہوگا اور افق پر غروب شمس کے بعد اتنی دیر تک رہے گا کہ اس کی رؤیت ممکن ہو، اس صورت میں اہل حساب کے قول پر عمل کیا جائے گا اور رمضان کا دخول ثابت ہوجائے گا۔ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ایسی صورت میں اہل حساب کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"اما اذا قطع اهل الحساب بان الهلال يولد ۲۹ شعبان ويمكث فوق الا فق بعد غروب الشمس هذا اليوم مدة يمكن رؤيته فيها فانه فى هذه الحالة يعمل بقول اهل الحساب ويثبت دخول شهر رمضان بناء علىٰ قولهم طبقا لما ذهب اليه بعض الفقهاء من جواز العمل بحسابهم فى مثل هذا" ص ۲.

سوال یہ ہے کہ ۲۹ شعبان کو رؤیت ہلال نہ ہو تو کیا صرف اہل حساب کی تحقیق کی بنا پر رمضان کے چاند کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ اور فتویٰ کے مذکورہ اقتباس کے مطابق عمل ہوسکتا ہے؟ اس بارے میں تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

(۲) ہمارے ساؤتھ افریقہ میں عموماً چاند نظر آتا ہے گاہے مطلع ابر آلود رہتا ہے، ہمارے یہاں بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ سعودی عرب کے ساتھ منائی جائے آنجناب کا فتویٰ اس مسئلہ میں مطلوب ہے، ذی الحجہ بہت قریب ہے امید ہے کہ جواب جلد از جلد تیار ہوجائے گا۔ بینوا توجروا۔ (از ساؤتھ افریقہ ۶ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ)

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحيم، حامداً و مصلياً ومسلماً وهو الموفق.

(۱۔۲) رمضان اور عید وغیرہ کا دارومدار رؤیت ہلال پر ہے، حدیث میں ہے۔

لا تصوموا حتىٰ تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروه فان غم عليكم فاقدروا له (بخارى

شریف ص ۲۵۶ ج ۱) (مسلم شریف ص ۳۴۷ ج ۱) (مشکوۃ شریف ص ۱۷۴) باب (رویة الهلال)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو، اور جب تک ہلال شوال نہ دیکھو افطار نہ کرو (روزے ختم نہ کرو) اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو حساب لگالو (یعنی تیس دن پورے کرلو)

اور ایک روایت میں ہے۔

الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين (بخارى شريف ص ۲۵۶ ج ۱) (مسلم شريف ص ۳۴۷ ج ۱) (مشكوة شريف ص ۱۷۴)

مہینہ (یقیناً انتیس راتوں کا ہے اس لئے روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو پھر اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو (شعبان کی) گنتی تیس دن پورے کر کے رمضان سمجھو۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مہینہ کی آمد کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھا ہے۔ نئے چاند کے افق پر موجود ہونے یا اس کے نظر آنے کے صرف عقلی اور حسابی امکان کو دارومدار نہیں بنایا، چنانچہ اس کے بعد ارشاد فرمایا کسی رکاوٹ (ابر، غبار) کی وجہ سے ۲۹ ویں شب کو چاند نظر نہ آئے تو اس وقت تیس دن پورے کر کے اگلا مہینہ شروع کرو۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ مفتی اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں: یہ دونوں حدیثیں (جو اوپر نقل ہوئیں) حدیث کی دوسری سب مستند کتابوں میں بھی موجود ہیں جن پر کسی محدث نے کلام نہیں کیا اور دونوں میں روزہ رکھنے اور عید کرنے کا مدار چاند کی رؤیت پر رکھا ہے، لفظ رؤیت عربی زبان کا مشہور لفظ ہے جس کے معنی کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھنے کے ہیں اس کے سوا اگر کسی دوسرے معنی میں لیا جائے تو وہ حقیقت نہیں مجاز ہے اس لئے حاصل اس ارشاد نبوی کا یہ ہوا کہ تمام احکام شرعیہ جو چاند کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق ہیں ان میں چاند کا ہونا یہ ہے کہ عام آنکھوں سے نظر آئے، معلوم ہوا کہ مدار احکام چاند کا افق پر وجود نہیں بلکہ رویت ہے، اگر چاند افق پر موجود ہو مگر کسی وجہ سے قابل رؤیت نہ ہو تو احکام شرعیہ میں اس وجود کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حدیث کے اس مفہوم کو اسی حدیث کے آخری جملہ نے اور زیادہ واضح کردیا جس میں یہ ارشاد ہے کہ اگر تم سے چاند مستور اور چھپا ہوا رہے یعنی تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر تو اس کے مکلف نہیں کہ ریاضی کے حسابات سے چاند کا وجود اور پیدائش معلوم کرو اور اس پر عمل کرو، یا آلات رصدیہ اور دوربینوں کے ذریعہ اس کا وجود دیکھو بلکہ فرمایا۔ فان غم عليكم فاكملوا عدة ثلاثين یعنی اگر چاند تم پر مستور ہوجائے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم سمجھو الخ (رویت ہلال ص ۱۵، ۱۶ ادارۃ المعارف کراچی)

مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی زادہ مجدہ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنے ایک مقالے (۱) میں

---

(۱) موصوف نے یہ مقالہ ایک سیمینار میں پیش کیا تھا، یہ سیمینار ۷ تا ۱۰ جون ۱۹۸۸ء مطابق ۲۱ تا ۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ کو ملیشیا کے مشہور شہر پنانگ (PENANG) میں منعقد ہوا تھا جس میں ۲۵ ملکوں کے تقریباً ۷۰ ممتاز افراد نے حصہ لیا تھا موصوف کا یہ مقالہ پسند کیا گیا تھا۔

تحریر فرماتے ہیں۔

ان الفاظ حدیث سے اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں نکل سکتا کہ اگر چاند افق پر موجود ہے مگر اس کے عین آنکھوں سے نظر آنے میں بادل یا اور کوئی چیز حائل ہوگئی ہو اور چاند نظر نہ آسکا ہو، تو ایسی صورت میں بھی شریعت کا حکم یہی ہے کہ تیس دن پورے کرلئے جائیں اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ مہینہ کی آمد ورفت کا دارومدار شرعاً رویت پر، یعنی نئے چاند کے دیکھ لینے پر ہے، اس کے افق پر موجود ہونے یا امکان رویت پر نہیں ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم، بلکہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حسابی طریقہ، یا آلات رصدیہ کے ذریعہ ثابت ہونے والا نیا چاند شرعی احکام کے لئے بنیاد نہیں بن سکتا، کیونکہ آلات اور حسابی قواعد کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نئے چاند کا امکان معلوم ہوسکتا ہے جس کے لئے عموماً فقہی کتابوں میں تولید ہلال یا ولادت قمر وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور انگریزی میں اسے نیو مون (NEW MOON) کہا جاتا ہے، درحقیقت چاند اپنی رفتار کے خاص مرحلہ میں سورج کے بالکل محاذ میں آجاتا ہے (اسی لئے یہ حالت قرآن شمس وقمر بھی کہلاتی ہے) اور چاند کا ظاہری وجود قطعاً چھپ جاتا ہے، گویا وہ سورج کے روشن جسمانی دائرہ کے اندر غائب ہوجاتا ہے، یہ کیفیت دو تین منٹ رہتی ہے اس کے بعد تدریجاً دونوں کے درمیان دوری ہوتی ہے تو پھر چاند کا ظاہری وجود نمایاں ہونے لگتا ہے اور تقریباً بیس گھنٹہ بعد قابل رویت بن جاتا ہے، ظاہر ہے کہ چاند کی مذکورہ بالا حالتیں، ولادت سے لے کر قابل رویت ہونے تک، شرعی احکام کے لحاظ سے ناقابل التفات ہیں، البتہ جب رویت ثابت ہوجائے تب وہ مدار حکم بنے گی، اس سے پہلے نہیں۔ الی قولہ۔ یہ بات اگرچہ احادیث بالا سے بداہۃً وصراحۃً ثابت ومعلوم ہورہی ہے کہ پھر مزید کسی تائید کی ضرورت نہیں رہتی لیکن مزید اطمینان کے لئے یہاں ایک مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدینؒ صاحب ردالمحتار کا بیان نقل کیا جارہا ہے۔

صرح به علماء نا من عدم الا عتماد على قول اهل النجوم فى دخول رمضان لان ذلك مبنى علىٰ ان وجو ب الصوم معلق برؤية الهلال لحديث" صوموا لرويته" وتوليد الهلال ليس مبنياً على الرؤية بل على قواعد فلكية وهى وان كانت صحيحة فى نفسها لكن اذا كانت ولادته فى ليلة كذا فقد يرى فيها الهلال وقد لا يرى والشارع علق الوجوب على الرؤ ية لا على الولادة (ج ا ص ۲۸۹ مكتبه نعمانيه ديو بند) بحواله " بحث ونظر " (ص ۷۹۔۸۰ کتاب الصوم پھلواری شریف پٹنہ، شمارہ نمبر ۴ جنوری فروری مارچ ۱۹۸۹ء)

اسی طرح جمہور علماء کے قول کے مطابق حساب کو دارومدار بنانا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، چنانچہ حدیث میں ہے عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الخ (بخاری شریف ص ۲۵۶ ج ا) (مسلم شریف ص ۳۴۷ ج ا) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۴ باب رؤیۃ الھلال)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ان الا ستقصاء فى معرفة الشهر لا الىٰ الكتاب والحساب كما عليه اهل النجامة (مرقاة شرح مشكوة ص ۲۴۴ ج ۴، باب رؤية الهلال مكتبه امداديه ملتان)

مہینے کی معرفت میں آخری مدار حساب وکتاب نہیں ہے جیسا کہ حساب دان سمجھتے ہیں۔

15

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الحمل على ما يعتاده المنجمون ليس من هدينا وسنتنا بل علمها يتعلق برؤية الهلال فانا نراه مرة تسعا وعشرين ومرة ثلثين (مرقاة شرح مشكوة ص ۲۴۴ ج ۴، باب رؤية الهلال مطبوعه ملتان)

حساب دانوں کا جو طریقہ ہے اس پر عمل کرنا ہمارا (اسلام کا) طریقہ نہیں ہے بلکہ نئے مہینے کی آمد کے علم کا تعلق رویت ہلال سے ہے چنانچہ کبھی ہم ۲۹ویں کو چاند دیکھتے ہیں اور کبھی تیسویں کو۔

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے۔

هل يعتبر قول المنجم ؟ لا عبرة بقول المنجمين فلا يجب عليهم ولا على من وثق بقولهم ، لان الشارع علق الصوم على امارة ثابتة لا تتغير ابداً ، وهى رؤية الهلال او اكمال العدة ثلاثين يوماً اما قول المنجمين فهو ان كان مبنياً على قواعد رقيقة فانا نراه غير منضبط بدليل اختلاف ارائهم فى اغلب الاحيان وهذا هو رأى ثلاثة من الائمة وخالف الشافعية فانظر مذهبهم تحت الخط ، وهو هذا.

"الشافعية قالوا يعتبر قول المنجم فى حق نفسه وحق من صدقه ولا يجب الصوم على عموم الناس بقوله على الراجح (الفقه على مذاهب الاربعة ص ۵۱۱ الجز الثانى كتاب الصيام)(تاليف عبد الرحمن الجزيرى، مطبوعه استنبول تركى)

حساب دانوں کی بات معتبر نہیں ہے پس ان پر اپنے حساب کے مطابق روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور نہ اس شخص پر جو ان کی بات پر اعتماد کرتا ہو اس لئے کہ شارع علیہ السلام نے روزے کو ایسی امارت (نشانی) سے متعلق کیا ہے جو کبھی بھی بدل نہیں سکتی اور وہ رویت ہلال ہے۔ یا تیس دن پورے کرنا ہے رہی حساب دانوں کی بات اگرچہ (ان کے نزدیک) ان کا حساب دقیق قواعد پر مبنی ہے مگر پھر بھی وہ منضبط نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات خود ان ہی کے درمیان اختلاف ہوتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام احمدؒ) کا قول ہے بعض شوافع نے کہا ہے کہ منجم کی بات خود اس کی ذات اور جو ان کی بات کی تصدیق کرے اس کے حق میں معتبر ہے۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ عام لوگوں پر ان کے حساب کی وجہ سے روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔

درمختار اور شامی میں ہے۔

ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدولاً على المذهب (درمختار) (قوله ولا عبرة بقول الموقتين) اى فى وجوب الصوم على الناس بل فى المعراج لا يعتبر قولهم بالا جماع ولا يجوز للمنجم بحساب نفسه وفى النهر فلا يلزم بقول المؤقتين انه اى الهلال يكون فى السماء ليلة كذا وان كانوا عدولاً فى الصحيح كما فى الصحيح وللامام السبكى الشافعى تاليف مال فيه الى

اعتماد قولهم لان الحساب قطعي اه ومثله في شرح الوهبانية قلت ما قاله السبكي رده متاخرو اهل مذهبه ومنهم ابن حجر والرملي في شرحي المنهاج . الى قوله . ووجهه ماقلناه ان الشارع لم يعتمد الحساب بل الغاه بالكلية بقوله نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا هكذا (درمختار و شامي ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶) تحت مطلب لا عبرة بقول الموقتين في الصوم وتحت مطلب ماقاله السبكي من ان الاعتماد على قول الحساب مردود)

موقتین (حساب داں) کی بات معتبر نہیں ہے یعنی ان کے حساب کی وجہ سے عوام الناس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، معراج میں تو یہاں تک ہے کہ بالاجماع ان کی بات معتبر نہیں ہے اور نہ خود حساب دانوں پر ان کے حساب کی وجہ سے روزہ رکھنا جائز ہے اور نہر میں ہے، موقتین کے قول سے کہ فلاں رات میں چاند آسمان پر ہوگا ان کے قول کی وجہ سے اس رات میں چاند کا ہونا (جب کہ دیکھا نہ جائے) لازم نہیں ہوگا اگر چہ موقتین عادل ہوں صحیح قول کے مطابق، ایضاح میں بھی اسی طرح ہے اس مسئلہ میں امام سبکیؒ شافعی کی ایک تصنیف ہے ان کا میلان یہ ہے کہ حساب دانوں کی بات معتبر ہے اس لئے کہ حساب قطعی ہوتا ہے اور اسی طرح شرح وہبانیہ میں ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ قلت ۔ میں کہتا ہوں کہ جو بات علامہ سبکی نے کہی ہے ان کے ہی ہم مذہب متاخرین علماء نے اسے رد کر دیا ہے ان میں سے علامہ ابن حجرؒ اور علامہ رملیؒ ہیں جیسا کہ شرح منہاج میں ہے۔ الی قولہ۔ ہم نے جو بات کہی ہے کہ موقتین کی بات معتبر نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس پر اعتماد نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس قول نحن امة ...... الخ سے اسے بالکل لغو قرار دیا (شامی ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶ کتاب الصوم)

فتویٰ تتارخانیہ میں ہے۔

وذكر السرخسي رحمه الله في كتاب الصوم وقول من قال يرجع الى قول اهل الحساب عند الاشتباه بعيد فان النبي صلى الله عليه وسلم قال من اتى كاهنا او عرافاً فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم .

علامہ سرخسیؒ نے کتاب الصوم میں بیان کیا ہے کہ جو شخص کہے کہ اشتباہ کے وقت اہل حساب کے قول کی طرف رجوع کیا جائے تو اس کا یہ قول بعید ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے ان باتوں کی تکفیر کی جو محمد ﷺ پر نازل ہوئیں۔

ذكر في التهذيب في كتاب الصوم : يجب صوم رمضان برؤية الهلال او باستكمال شعبان ثلاثين ولا يجوز تقليد المنجم في حسابه لافي الصوم ولا في افطار وهل للمنجم ان يعمل بحساب نفسه، ففيه وجهان احدهما انه يجوز والثاني لا يجوز. (الفتاویٰ التاتاخانية ص ۳۵۶ ج ۲ كتاب الصوم باب رؤية الهلال)

تہذیب میں کتاب الصوم میں فرمایا ہے رمضان کا روزہ رویۂ ہلال سے یا شعبان کے تیس دن پورے کرنے سے واجب ہوگا اور منجم کی بات کی پیروی کرنا نہ روزہ رکھنے میں جائز ہے نہ روزہ ختم کرنے میں، اور منجم اپنے حساب پر خود

عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول جواز کا اور دوسرا عدم جواز کا۔ (۱)

نیز صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہینہ یا انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا۔ ۲۸، یا ۳۱ دن کا نہیں ہو سکتا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا وعقد الابهام في الثالثة ، ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا يعني تمام الثلثين.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہماری امت ان پڑھ ہے، ان کی اکثریت نہ لکھنا جانتی ہے نہ حساب، مہینہ انتیس دن کا ہوگا اور کبھی تیس دن کا ہوگا، اور آپ ﷺ نے انگلیوں کے اشارے سے اس کی تفصیل فرمادی (بخاری شریف ص ۲۵۶ جلد اول) (مسلم شریف ص ۳۴۷ جلد اول) (مشکوۃ شریف ص ۱۷۴ باب رویۃ الہلال)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان جنوری ۱۹۹۲ء مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کا ایک قابل قدر مقالہ اس موضوع پر شائع ہوا ہے اس سے ایک اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

رویت کا پیشگی تعین ناممکن

جیسا کہ اوپر متعدد بار ذکر آیا "رویت ہلال" کا ثبوت آلات وحسابی قواعد سے نہیں ہو سکتا اگرچہ مذکورہ بالا دلائل سے یہ حیثیت پوری طرح ثابت ومعلوم ہو جاتی ہے مگر خدا کی شان دیکھئے کہ اس کے علاوہ جدید ترین ذرائع معلومات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، پاکستان کے ایک مشہور صاحب قلم عصری تعلیم یافتہ ضیاء الدین صاحب جن کے متعدد قابل قدر مقالات "رویت ہلال" کے موضوع پر شائع ہو چکے ہیں اور ان سب کا مجموعہ "رسالہ" کی شکل میں لندن میں شائع ہوا ہے، موصوف نے یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری کے شعبۂ فزکس وعلوم فلکیات کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر سے اس موضوع پر خط وکتابت کر کے معلومات حاصل کیں، ڈاکٹر مذکور نے جو اس کا جواب دیا اس کا خلاصہ ضیاء الدین صاحب موصوف کے ہی الفاظ میں یہاں مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔

"آپ (ضیاء صاحب) کے ـــــ استفسار کے متعلق کہ آیا رصدگاہی سائنسداں کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے قابل ہو چکے ہیں جس سے نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیش گوئی کی جاسکے، مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے"

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں۔

درحقیقت رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جا سکتا، مجھے افسوس ہے کہ میرے خیال میں کوئی ایسا سائنسی طریقہ نہیں ہے جس سے اس موقع پر اسلام کی ضروری شرائط (آنکھ سے نیا چاند دیکھنے کی بابت) پوری کی جاسکیں۔"

(رویت ہلال ص ۱۵ "موجودہ دور میں، از ضیاء الدین مجمع لندن)

ضیاء الدین صاحب نے اپنے اسی رسالے میں مشہور عالم رصدگاہ گرین وچ کی سائنسی ریسرچ کونسل کے فلکیاتی قرطاس نمبر ۶ کا ترجمہ بھی دیا ہے، یہاں اس کا ایک حصہ نقل کیا جارہا ہے۔

"ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے والی تاریخوں کے متعلق پیش گوئی کرنا ممکن نہیں۔" کیونکہ ایسے کوئی قابل اعتماد اور مکمل طور پر مستند مشاہدات موجود نہیں ہوتے جنہیں ان شرائط کو متعین کرنے میں استعمال کیا جا سکے جو چاند کے اول بار نظر آجانے کے لئے کافی ہوں۔"

مزید لکھتے ہیں۔ "یہ امر واضح ہے کہ رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی پیش گوئی غیر یقینی ہوتی ہے" ان سب تفصیلات کے پیش نظر صادق ومصدوق (ﷺ) کے ارشاد انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا مرة تسعا وعشرين ومرة ثلاثين (بخاری ج ۱ ص ۲۵۶، ج ۱ ص ۳۴۷) کی معنویت وصداقت اور بھی زیادہ واضح ومدلل ہو جاتی ہے۔ الی قولہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شریعت کے احکام کا مدار ظاہری امور (علامات) پر رکھا گیا ہے، [illegible] اور حسابات پر نہیں رکھا گیا بلکہ شریعت [illegible] نہ تو حسابات وغیرہ (شرعی احکام کا) دارومدار رکھنے کی کوششوں سے بھی روکا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۱) (از ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۲۰، ص ۲۱ جنوری ۱۹۹۲ء مطابق جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ جلد نمبر ۶۰ شمارہ نمبر ۱) ۱۲۔

اختلاف مطالع

ظاہر روایت یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولاعبرة لا ختلاف المطالع فی ظاهر الروایة کذا فی فتاوی قاضی خان و علیه فتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی قال لو رأی اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علی اهل مشرق کذا فی الخلاصة (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۱ باب رویة الهلال)

فتح القدیر میں واذاثبت فی مصر لزم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل مغرب فی ظاهر المذهب. الی قوله. وجه الاول عموم الخطاب فی قوله علیه السلام صوموا لرؤیته الخ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۳، ۳۱۴ باب رویة الهلال)

علم الفقہ میں ہے:۔ ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتداء مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا (درمختار ردالمحتار وغیرہ) (علم الفقہ حصہ ۳ ص ۱۷، ۱۸)

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) اگر کسی دور کے شہر سے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو معتبر ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) چاہے کتنی ہی دور سے خبر آئے معتبر ہے مثلاً برہما والوں نے چاند نہیں دیکھا، اور کسی بمبئی کے شخص نے ان کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو ان پر ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی ہاں یہ شرط ہے کہ خبر ایسے طریقہ سے آئے جس کا شریعت میں اعتبار ہے تار کی خبر معتبر نہیں (تعلیم الاسلام ص ۵۶ حصہ چہارم)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''انبیاء کی شان ہی تیسیر و تسہیل ہے ان کے کلام میں کسور کا نہ ہونا اولیٰ ہے اسی لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اگر مکہ یا مدینہ سے شرعی ثبوت کے ساتھ خبر آجائے کہ وہاں یہاں سے پہلے چاند ہوا ہے تو ہندوستان والوں پر اس خبر کی وجہ سے ایک روزہ رکھنا فرض ہوگا۔ الی قولہ۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کا (یعنی اختلاف مطالع کا) اعتبار نہیں کیا، اور ان کا قول عقل و نقل دونوں کے مطابق ہے نقل کے مطابق تو اس لئے کہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب جس سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار ایسے دقیق قواعد حساب و ہیئت پر نہیں جس میں مہارت فن کی ضرورت ہو، تو چاہئے کہ اس قسم کے دقائق ریاضیہ جن کی اطلاع ہر شخص کو آسانی سے نہیں ہو سکتی شریعت میں معتبر نہ ہوں۔ اور عقل کے مطابق اس لئے کہ احکام شرعیہ تمام عالم کے لئے عام ہیں جس میں عالم و جاہل، فلسفی و غبی، محاسب و غیر محاسب سب قسم کے آدمی ہیں تو احکام شرعیہ میں ایسی بات نہ ہونی چاہئے جو صرف فلسفی و محاسب ہی معلوم کر سکے اور ظاہر ہے کہ اختلاف مطالع ایک خاص مقدار مسافت پر ہوتا ہے، یہ نہیں کہ یہاں سے دہلی تک اختلاف مطالع ہو جائے بلکہ اس کے لئے ایک خاص مقدار معین ہے جس کو اہل حساب ہی جانتے ہیں اور رویت و شہادت ایسی چیزیں ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، پس ہلال (چاند) کا مدار رویت

شہادت ہی پر ہونا چاہئے نہ کہ اختلاف مطالع پر، پس امام ابوحنیفہ کا قول اصول شریعت کے بھی زیادہ موافق ہے اور اصول عقل کے بھی۔ (وعظ العشر ص ۸۷۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نعم فینبغی ان یعتبر اختلافها ان لزم منه التفاوت بین البلدتین باکثر من یوم واحد لان النصوص مصرحة بکون الشهر تسعة وعشرین او ثلاثین فلا تقبل الشهادة ولا یعمل بهما فیما دون اقل العدد ولا ازید من اکثره.

یعنی اختلاف مطالع کا اعتبار اس جگہ ہو سکتا ہے کہ دو شہروں کے درمیان ایک دن یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو اس لئے کہ نصوص میں تصریح ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا اس لئے انتیس دن سے کم کی صورت میں (یعنی اٹھائیس دن کا مہینہ لازم آتا ہو) یا تیس سے زیادہ کی صورت میں (اکتیس دن کا مہینہ لازم آتا ہو) نہ شہادت قبول کی جائے گی اور نہ اس پر عمل ہوگا۔ (فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص ۱۱۳)

مجموعہ روایات بالا سے امور ذیل مدلل ثابت ہوئے۔

(۱) نئی ماہ کی آمد کا مدار رویت ہلال یا تیس دن کی تکمیل ہے، افق پر چاند کا پیدا ہو جانا نئے ماہ کی آمد کے لئے کافی نہیں۔

(۲) منجمین اور موقتین (حساب دان) کے حساب کو مدار نہیں بنایا جا سکتا۔

(۳) مہینہ انتیس ۲۹ تیس ۳۰ کے درمیان دائر رہتا ہے اٹھائیس یا اکتیس دن کا نہیں ہو سکتا۔

(۴) ظاہر روایت کے مطابق اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔

(۵) کسی جگہ کی شہادت (یا شرعی طریقہ کے مطابق موصول ہونے والی خبر) اسی وقت مقبول ہو سکتی ہے جب کہ مہینہ انتیس تیس کے درمیان دائر رہتا ہو۔ اور اگر اس شہادت یا خبر سے مہینہ اٹھائیس دن یا اکتیس دن کا لازم آتا ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

ان امور کے پیش نظر آپ نے سوال میں مصر کے فتویٰ سے جو اقتباس پیش فرمایا ہے وہ اقتباس احادیث منقولہ اور جمہور فقہاء کے قول کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

صورت مسئلہ میں جب آپ کے یہاں (جنوبی افریقہ میں) پورے سال مطلع ابر آلود اور غبار آلود نہیں رہتا، چاند دیکھا بھی جاتا ہے اور آج تک چاند دیکھنے کے اصول پر عمل ہوتا رہا ہے تو اب بھی اسی اصول کے مطابق ہر ماہ چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے اگر کسی مہینہ مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آسکے تو اقرب البلاد یا سعودی عربیہ سے ثبوت شرعی فراہم ہو جانے پر عمل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ مہینہ انتیس تیس کے درمیان دائر رہتا ہو اور اس شرط کے ساتھ جب کہ یہ ثابت ہو کہ سعودی عرب والے حساب کو دارومدار نہیں بناتے بلکہ شرعی ثبوت کے بعد اعلان کرتے ہیں (ثبوت ہلال کے معتبر طرق کیا ہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۰، ص ۱۸۱ اسے ضرور ملاحظہ فرمالیں) جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۲۱۵ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سعودی عرب سے اگر چاند کا اعلان ریڈیو پر نشر ہو تو اس کی حیثیت ایک اعلان کی ہوگی، اسے شہادت یا

شہادت علی الشہادت نہیں کہا جاسکتا، جو لوگ سعودی عرب کے دائرہ اثر کے اندر رہتے ہوں یا جن لوگوں نے خود کو ان کی ماتحتی میں شامل کر لیا ہو وہ لوگ مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کرتے ہوئے عمل کر سکتے ہیں (ریڈیو پر یہ اعلان کون نشر کرے اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۵، ۱۸۶ پر جو مضمون ہے وہ بھی اس موقعہ پر پیش نظر رہے)[۱] اور جو ان کے دائرہ اثر سے باہر ہوں ان کے حق میں اس کی حیثیت ایک اعلان کی ہوگی، اس اعلان کی وجہ سے ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوگا۔ فتح القدیر میں ہے۔

لایقبل اخباره (القاضی) قاضیاً آخری فی غیر عمله اوغیر عملهما ولو کان علی قضائه لانه بالنسبة الی العمل الآخر کواحد من الرعایا غیر ان الکتاب من ذلک بالا جماع (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۷ مطبوعه بیروت لبنان) هدایه اخیرین ص ۱۲۴ ج ۳ کتاب القاضی الی القاضی)

ایک قاضی دوسرے قاضی کو اس کے حدود قضا یا دونوں کے دائرہ عمل کے باہر کسی شہر میں اطلاع دے تو اس کی خبر کو قبول نہ کرے اگر چہ وہ منصب قضا پر فائز ہو، کیونکہ دوسرے قاضی کی عمل گاہ میں اس کی حیثیت عام آدمی سے زیادہ نہیں رہا خط (کتاب القاضی الی القاضی) کا قبول کرنا سو وہ بالاجماع اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

ٹیلیفون کے ذریعہ اگر خبر آئے تو کیا حکم ہوگا اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ میں ہے حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہو جائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ص ۸۷ ج ۲)

ہاں جب متعدد جگہوں سے یا کسی ایک ایسے شہر سے کہ جہاں نامور علماء اور مفتیان کرام ہوں مختلف ثقہ لوگوں کے بیانات موصول ہوں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا مفتی یا معتمد علیہ شخصیت نے شہادت سن کر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے اور جب ایسا بیان دینے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہو جائے کہ عقلاً ان کے جھوٹ ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور خبر مستفیض کے درجہ میں آ جائے اور ان خبروں کے صحیح ہونے کا یقین یا غلبہ ظن مقامی قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو حاصل ہو جائے تو ان کو عید کے چاند کا اعلان کرنے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا۔" (فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۸) جدید ترتیب کے مطابق ص ۲۱۸ ج ۷ پر۔ واللہ اعلم بالصواب

(نوٹ) سعودی عرب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چاند کے معاملہ میں شرعی ثبوت کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ آلات رصدیہ اور حساب کے ذریعہ رمضان اور عیدین کی تعیین کرتے ہیں، اگر یہ صحیح ہو تو یہ طریقہ شرعاً معتبر نہیں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھی جائے ۱۲۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ راندیر مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ۔

(۱) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان ثبوت ہلال کے معتبر طرق سے ملاحظہ کریں

ٹیلیفون کی خبر اور افواہوں پر عید الفطر کا فیصلہ کرنا درست نہیں؟:

(سوال ۲۸۷) بھروچ وغیرہ میں ۲۹ ویں چاند کے حساب سے عید الفطر منائی گئی، جب کہ راندیر سورت میں تیس روزے پورے کر کے عید الفطر منائی گئی، بعض لوگوں کو اشکال ہے کہ علماء راندیر کے پاس چاند کی اطلاع پہنچی تھی پھر بھی علماء راندیر نے قبول نہیں کیا جس بنا پر لوگوں میں انتشار اور شکوک وشبہات پیدا ہوئے، آپ سے عرض ہے کہ اس کی وضاحت فرمائیں کہ چاند کی اطلاع کیوں قبول نہیں کی گئی کہ لوگوں کو اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید الفطر کا چاند ثابت ہونے کے جو شرعی طرق ہیں (جن کی تفصیل فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۶[۱] پر ہے ان میں سے کسی ایک طریقہ کے بھی مطابق ہمارے یہاں چاند ثابت نہیں ہوا تھا، ہمارے یہاں نہ عینی شہادت پیش ہوئی تھی نہ شہادت علی الشہادت کی صورت ہوئی نہ کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر کوئی خط وصول ہوا تھا، نہ خبر مستفیض کی صورت تھی، صرف بذریعہ ٹیلیفون خبر ملی تھی اور اس کے علاوہ افواہیں تھیں اور عید الفطر کے چاند کے فیصلہ کے لئے صرف خبر مل جانا کافی نہیں ہوتا، لہذا عید الفطر کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جاتا؟ ہر کام شرعی اصولوں کے مطابق کرنا چاہئے ہم نے الحمد للہ شرعی اصولوں کو پیش نظر رکھا تھا لہذا لوگوں کو شکوک وشبہات میں نہ پڑنا چاہئے، اور یہ کام علماء کے حوالہ کر دینا چاہئے اور ان کے فیصلوں پر عمل کرنا چاہئے، اس میں عوام کی دخل اندازی بالکل مناسب نہیں۔

چاند کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے اس میں ہر وقت شرعی اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اطمینان کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

فتویٰ نمبر (۱):

شاہد کے لئے ضروری ہے کہ قاضی (یا مفتی) کی مجلس میں خود حاضر ہو کر شہادت دے، پس پردہ یا دور سے بذریعہ خط یا ٹیلیفون یا وائرلیس، ریڈیو وغیرہ جدید آلات کے ذریعہ کوئی شخص شہادت دے تو وہ شہادت نہیں۔ اگر چہ آواز پہچانی جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابل شہادت ہو۔ (رویت ہلال ص ۴۰)

فتویٰ نمبر (۲):

ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقر عید یا کسی دوسرے مہینہ کے لئے ثبوت ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور شہادت کے لئے حاضر ہونا لازمی ہے، غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہو سکتی خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی خط وغیرہ ہو یا جدید طرز کے ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ (ایضاً ص ۵۰)

فتویٰ نمبر (۳) خبر صادق اور شہادت میں فرق:

کسی معاملہ کے متعلق ایک ثقہ معتبر زبانی خبر دے یا ٹیلیفون پر بتائے اور اس کی آواز پہچانی جائے یا خط میں

(۱) جدید ترتیب کے مطابق بعنوان "ثبوت ہلال کے معتبر طرق" سے ملاحظہ فرمائیں۔

لکھے اور خط پہچانا جائے، تو مخاطب کو اس خبر کے سچا ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا، بجائے خود اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اپنی حد تک اس کے لئے جائز بھی ہے اور تمام معاملات میں ساری دنیا اس پر عمل بھی کرتی ہے لیکن اگر وہ اپنے اس یقین کو دوسروں پر لازم اور مسلط کرنا چاہے اور چاہے کہ سب اس کو تسلیم کریں تو شریعت اور موجودہ قانون میں اس کے لئے ضابطۂ شہادت قائم ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی قاضی یا حاکم اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتا۔

ایک جج کو ذاتی طور پر کسی مقدمہ کے متعلق ایک امر پر کتنا ہی یقین بلکہ مشاہدہ ہو مگر وہ اپنے یقین کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک باقاعدہ شہادت کی شرائط پوری کر کے اسے ثابت نہ کرے اور اس شہادت میں کسی عدالت کے نزدیک ٹیلیفون پر کسی خبر کا بیان کرنا کتنا ہی قابل اعتماد ہو شہادت کے لئے کافی نہیں۔

(پاکستان میں) حالیہ واقعہ میں مرکزی ہلال کمیٹی کا فیصلہ علماء کے نزدیک اسی لئے ناقابل قبول ٹھہرا کہ مرکزی کمیٹی نے صرف ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کر کے اعلان کر دیا، اس کی کوشش نہیں کی کہ گواہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر گواہی دیتے یا کمیٹی کا کوئی معتمد عالم وہاں جا کر ان سے روبرو گواہی لیتا اور پھر شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر لیتا، اگر ایسا کر لیا جاتا تو کسی عالم کو اس سے اختلاف نہ ہوتا (جواہر الفقہ ۱/ ۳۹۸، ۳۹۹) یہ اسلامی حکومت کا حال ہے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

فتویٰ نمبر (۴):

سرکاری حلقوں کے حضرات اس کو ایک خاص تہوار اور انتظامی معاملہ سمجھتے ہیں جس میں علماء کی مداخلت ان کو گوارہ نہیں، دوسرے یہ کہ وہ اس معاملہ میں صرف خبر صادق جس پر سننے والوں کو یقین ہو جائے اعلان کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اس فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لئے صرف خبر صادق کافی نہیں ہوتی بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے، جس کے لئے خاص شرائط اور قواعد ہیں اور علماء یہ جانتے ہیں کہ ہماری عید عام قوموں کے تہواروں کی طرح ایک تہوار نہیں بلکہ ایک عبادت کا ختم اور دوسری عبادت کا شروع کرنا ہے، جس میں شریعت کے بتلائے ہوئے اصول سے مختلف کوئی صورت جائز نہیں، اور کوئی چیز کتنی ہی سچی اور قابل اعتما ہو اور سننے والوں کو اس پر پورا یقین ہو مگر وہ اپنے اس یقین کو پورے ملک پر اس وقت تک مسلط اور لازم نہیں کر سکتا جب تک حجت شرعیہ اور باقاعدہ شہادت نہ ہو (ایضاً ص ۳۹۷)

رمضان المبارک کے تیس دن پورے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۸۸) راندیر ہلال کمیٹی نے رمضان المبارک کے انتیسویں کا چاند اور پیر کے دن سے پہلا روزہ شمار کئے جانے کا جو اعلان کیا ہے وہ ٹھیک ہے، مگر سوال یہ ہے کہ تیس روزے پورے کرنے کے بعد بھی مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آوے تو کیا کیا جائے؟ عید مناویں یا اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے ورنہ لوگوں کے تشویش میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ حاجی رسول خاں راندیری، ۲۵ رمضان ۱۴۰۰ھ۔

(الجواب) مسئلہ یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہو بادل وغیرہ ہو تو رمضان المبارک کے چاند کا ثبوت ایک دیندار یا مستور الحال مرد یا عورت کی گواہی سے ہو جاتا ہے، اور تراویح پڑھنا اور روزہ رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ اذا کان بالسماء علة قبل الامام شهادة الواحد العدل فى روية الهلال رجلا كان او امرأة حرا كان او عبداً (الیٰ قوله) وتاويل قول الطحاوى عدلا كان او غير عدل ان يكون مستوراً (هدايه ۱/۱۹۵ كتاب الصوم)

اور تیس روزے پورے کر لینے کے بعد بھی چاند نظر نہ آوے تو عید کر لینا چاہئے، اکتیسواں روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ واذا شهد على هلال رمضان شاهدان والسماء متغيمة وقبل القاضى شهادتهما و صاموا ثلاثين يوما فلم يروا هلال شوال ان كانت السماء متغيمة يفطرون من الغد بالا تفاق وان كانت مصحية يفطرون ايضا على الصحيح كذا فى المحيط. (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۹۸) (مراقى الفلاح مع الطحطاوى ص ۳۵۹ الباب الثانى فى رؤية الهلال) (شامى ۲/۱۲۹)

رضا خانی مکتب فکر کی معتبر کتاب "بہار شریعت" میں بھی ہے کہ

"رمضان کی چاند رات کو ابر تھا، ایک شخص نے شہادت دی اور اس کی بنا پر روزے کا حکم دیا گیا، اب عید کا چاند اگر بوجہ ابر کے نہیں دیکھا گیا تو تیس روزے پورے کر کے عید کرے اور اگر مطلع صاف ہے تو عید نہ کرے مگر جب دو عادل آدمی کی گواہی سے رمضان ثابت ہو (۵/۱۱۳)

صورت مذکورہ میں ہمارے پاس ایک دو نہیں بلکہ آٹھ دس دیندار گواہ موجود ہیں اور ان کی تحریری و زبانی شہادت لی گئی ہے لہذا صورت مسئولہ میں جب دلیل شرعی کی روشنی میں رمضان المبارک کے ۲۹ ویں چاند کے حساب سے پیر کا پہلا روزہ ثابت ہو چکا ہے تو تیس روزے پورے کر کے عید منالیں چاہے چاند نظر نہ آوے، اکتیسواں روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان اور عید کے علاوہ کے چاند کا ثبوت کیسے ہوگا؟:

(سوال ۲۸۹) رمضان المبارک اور عیدین کے سوا دیگر مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لئے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ باقی نو ماہ (۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الثانی (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الاخریٰ (۷) رجب (۸) شعبان (۹) ذی قعدہ میں چاند کے ثبوت کے لئے (مطلع صاف ہو یا نہ ہو) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، شامی میں ہے۔

(قوله وبقية الا شهر التسعة) فلا يقبل فيها الا شهادة رجلين اورجل وامرأتين عدول احرار غير محدودين كما فى سائر الا حكام ، وذكر فى الا مداد انها فى الصحو كرمضان والفطراى فلا بد من الجمع العظيم ولم يغيره لا حد لكن قال الخير الرملى الظاهر انه فى الا هلة التسعة لا فرق بين الغيم والصحو فى قبول الرجلين لفقد العلة الموجبة لا شتراط الجمع الكثير وهى توجه الكل طالبين ويؤيده قوله كما فى سائر الا حكام اه (شامى ۲/۱۳۰ قبيل مطلب

فی رؤیۃ الھلال نھاراً) فقط واللہ اعلم بالصواب.

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ اور عید:

(سوال ۲۹۰) الف: ریڈیوں کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ اگر وہ معتبر ہے تو کون سی خبر اور کب تک؟ امسال ہمارے یہاں پورے علاقہ میں کسی شخص نے بھی چاند نہیں دیکھا جس کے سبب ہم سب نے شعبان کے تیس دن پورے کر کے تاریخ ۹/۹/۷۵ کو پہلا روزہ رکھا اس کے بعد تاریخ ۸/۹/۷۵ بروز پیر شام کے وقت بڑودہ سے آنے والے ایک خان پوری شخص نے اطلاع دی کہ بڑودہ اور اس کے اطراف میں چاند ثابت ہو گیا ہے اور پیر کے دن روزہ بھی رکھا گیا، ایسے ہی راندیر سے آنے والے ایک خان پوری شخص نے اطلاع دی کہ راندیر میں بوقت شب کسی اور جگہ سے رویت ہلال کی خبر موصول ہوئی اور آنے والا شخص روزہ رکھ کر آیا تھا، اب سوال یہ ہے کہ چاند کے عدم ثبوت کی وجہ سے تاریخ ۸/۹/۷۵ پیر کا روزہ نہیں رکھ گیا تو اس روزہ کی قضا ہمارے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر قضا ہے تو کس بنیاد پر ہے؟

ب: اعتکاف میں ۹/۹/۷۵ تاریخ کا اعتبار ہوگا یا ۸/۹/۷۵ تاریخ کا، حاصل یہ کہ مذکورہ سوالات کے تمام گوشوں کی تفصیل تحریر فرمادیں۔

(الجواب) (الف) ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبر بایں طور کہ یہاں چاند کا ثبوت ہو گیا ہے۔ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، یہ معتبر نہیں، ریڈیو کی خبر معتبر ہونے کے لئے بہت باریک شرائط ہیں جن کی رعایت عام ریڈیو میں مفقود ہے اور ان شرائط کا لحاظ مشکل بھی ہے کیونکہ حکومت کے تعاون کے بغیر ان کا اجراء ناممکن ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) جب بعد میں انتیسویں تاریخ کا چاند ثابت ہو گیا تو روزہ کی قضا ضروری ہے، تراویح کی قضا نہیں اور اعتکاف میں انتیسویں تاریخ کے چاند کا اعتبار ہوگا کیونکہ ۲۹ ویں تاریخ کا چاند ثابت ہو چکا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ریڈیو کا کون سا اعلان قابل اعتماد ہے؟ اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ہلال کمیٹی کے تمام اراکین اہل سنت والجماعت ہوں، بدعتی نہ ہوں اور احکام شریعت کے پورے پابند ہوں، تمام اراکین عالم نہ ہوں تو کم از کم دو رکن مفتی یا مستند عالم ہوں اور وہ از اول تا آخر تمام کارروائیوں میں شریک رہیں، اور وہی حضرات شرعی طور پر تحقیق و تفتیش کے بعد چاند کا فیصلہ کریں، اور کمیٹی کا ایک رکن "ترجمان" کی حیثیت سے ضروری تفصیلات کے ساتھ ریڈیو پر چاند کے ثبوت کا اعلان کرے اور معتبر علماء اسے منظور کریں تو عمل کر سکتے ہیں، عوام کی رائے اور منظوری غیر معتبر ہے۔

دیوبند سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ شائع ہوا ہے جس پر حضرت مفتی محمود صاحب کی تصدیق ہے، اس کے بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

یہ تو صحیح ہے کہ ریڈیو کی خبر یا اعلان شہادت شرعیہ نہیں، لیکن مطلقاً ہر حال میں ناقابل عمل اور ناقابل التفات قرار دے دینا بھی صحیح نہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پر آنے والی ہر خبر اور اعلان بالکلیہ صحیح اور درست ہو کہ اس پر تحقیق و تفتیش کی بھی ضرورت نہ رہے، اور اس پر عمل واجب ہو جائے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے، کچھ قیود و شرائط ہیں،

ان کے ساتھ ریڈیو کا نشریہ و اعلان معتبر و قابل عمل ہو سکتا ہے اور ان شرائط اور قیود کے بغیر غیر معتبر اور ناقابل توجہ و عمل رہے گا، ان تفصیلات و قیودات کی اجمالی نشاندہی ذیل میں نمبر وار کی جائے گی۔

(۱) جہاں حکومت کی جانب سے قاعدہ شرعیہ کے مطابق رویت ہلال کا ثبوت حاصل کر کے اعلان کرنے کا قانون و انتظام ہو، اور اس پر عمل رائج و مشہور ہو تو وہاں پر مقامی طور پر پورے حدود مملکت کے اندر عمل کرنے کے لئے یہ مطلق اعلان بھی مثل اعلان قاضی (شرع) و مثل طبل قاضی و صوت مدافع وغیرہ معتبر ہوگا خواہ حکومت مسلمہ ہو یا کافرہ اور وہاں اس اعلان و نشریہ پر عمل کرنا لازم ہوگا (یہ حکم اس لئے ہے کہ) اس صورت میں اس طریقہ سے غلبہ ظن حاصل ہو جاتا ہے۔

اور اس صورت میں حدود مملکت سے باہر بھی اس اعلان و نشریہ پر عمل کرنا ضروری ہوگا بشرطیکہ مہینہ ۲۹، ۳۰ دن کا ہونے کے بجائے ۲۸ دن یا ۳۱ دن کا نہ ہو رہا ہو۔

مسئلہ (۲) جہاں پر حکومت کی جانب سے ایسا انتظام نہ ہو وہاں ایسا مسلمان حاکم جس کو حکومت کی جانب سے شرعی ثبوت حاصل کرنے کا اختیار ہو اور وہ اعلان کرے یا ہلال کمیٹی جس کے تمام افراد مسلمان باشرع ہوں اور اس کی پوری کارروائی میں کوئی مستند و تجربہ کار مفتی شریک ہو یا مستند مفتی شہر یا عالم مقتدا و متدین یہ لوگ اعلان کریں کہ شرعی ثبوت حاصل کرنے کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے اور قرائن شرعیہ سے صحت کا ظن غالب ہو تو مقامی طور پر یہ اعلان بھی معتبر ہوگا (بشرطیکہ مقامی یا قرب و جوار کے مستند علماء تصدیق کریں عوام عجلت نہ کریں)

مسئلہ (۳) جہاں پر حکومت کی جانب سے کوئی شرعی انتظام نہ ہو اور نہ کوئی مسلمان حاکم منجانب حکومت حسب قاعدہ شرع ثبوت لے کر اعلان کا اختیار رکھتا ہو اور نہ کوئی شرعی ہلال کمیٹی وغیرہ ہو جیسا کہ ہمارے ملک کی اکثر آبادیوں کا بالخصوص دیہاتوں کا یہی حال ہے حالانکہ وہاں بھی مسلمان آباد ہیں اور بکثرت ہیں اور ان کو بھی روزے رکھنا اور شوال کی پہلی تاریخ متعین و معلوم کرنا ضروری ہے کیونکہ یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہے اور چاند کا ہر جگہ یا ہمیشہ نظر آنا ضروری نہیں اور ریڈیو بوجہ کثرت قریب قریب ہر گاؤں میں رائج ہو چکا ہے، اگر ریڈیو سے خبر آ جائے اور آ ہی جاتی ہے، ایسے موقع پر کس طرح عمل کیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ خبر اگرچہ اپنے ملک کے کسی حصہ سے آئے لیکن بایں الفاظ آئے کہ یہاں چاند ہوا ہے یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے تو یہ خبر بالکل معتبر نہیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ایسی خبریں کیوں نہ آئیں، اس لئے کہ یہ خبر و حکایت محض ہے، جو شریعت میں غیر معتبر ہے اور ہمارے ملک میں آج کل ریڈیو کی خبریں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں اور عوام میں بھی اکثر بلا لحاظ شرائط و قیود اس کو معتبر اور قابل عمل قرار دے کر عمل کر بیٹھتے ہیں اور ان ہی وجوہ کی بنا پر بعض حضرات علماء نے ریڈیو وغیرہ کی خبروں کو مطلقاً غیر معتبر و ناقابل عمل قرار دیا ہے، ورنہ راجح و محقق یہ ہے کہ اگر بایں الفاظ اعلان یا نشر خبر ہو کہ میرے سامنے فلاں حاکم شرعی نے یا فلاں ہلال کمیٹی نے جس کے تمام افراد باشرع ہیں یا فلاں مفتی شہر نے یا فلاں عالم مقتدی و متدین نے یا فلاں مسلمان حاکم یا مسلمان وزیر نے (جس کو حکومت وقت کی جانب سے با اختیار بنایا گیا ہو) ثبوت شرعی حاصل کر کے ثبوت رویت کا حکم یا فیصلہ دے دیا ہے اور ان الفاظ کا نشر کرنے والا شخص بھی (مسلمان) معلوم و معتبر ہو تو اس نشریہ پر عمل کرنا درست ہوگا (نظام الفتاویٰ ص ۱۶، ص ۲۳ تا ص ۲۶، ج ۱) (رسالہ رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ کا

شرعی حکم از ص ۱۸ تا ص ۲۰)

ذیل میں ذکر کردہ فتاویٰ مفید تر ہونے کی وجہ سے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(سوال) ہمارے سورت ضلع میں جگہ جگہ قدیم سے ایک ایسا سلسلہ جاری ہے کہ رمضان شریف وعید کے چاند کی خبر حاصل کرنے کے لئے قوم کے پیشوا کسی شخص (اگر چہ وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ) کو انتیسوں تاریخ کو سورت یا کسی دوسری مشہور جگہ کی ایسے مقتدائے قوم کے پاس بھیجتے ہیں جن کی خود نوشتہ تحریر قرب وجوار میں خط وکتاب کے تعلق کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک پہچانی جاتی ہو، وہ مقتدا شخص (جن کے پاس مزدور شخص کو بھیجا جاتا ہے وہ) ایک رقعہ پر چاند ہونے کی خبر تحریر کر کے آنے والے شخص کے حوالہ کرتا ہے، جگہ جگہ ایسی تحریروں سے مقتدائے قوم رمضان وعید کے چاند کا ثبوت جان کر گاؤں میں اعلان کرادیتے ہیں، آیا ایسی خبر کے ذریعہ روزہ رکھنا یا عید منانا درست ہے؟

(الجواب) دوسری جگہ سے زبانی یا تحریری خط کے ذریعہ چاند ہونے کی خبر لانے والے کم از کم دو متدین ومعتبر اشخاص کا ہونا لازم ہے قطع نظر اس سے کہ وہ رمضان کا چاند ہو یا عید کا مذکورہ دونوں اشخاص اس جگہ یعنی جہاں حصول خبر کے لئے گئے ہیں، وہاں کے قاضی صاحب (بشرطیہ کہ ان کے پاس کم از کم چاند دیکھنے کی دو شہادت درج ہوں) سے ایک خط پر تحریر کروا کر بند لفافہ میں حفاظت سے لا کر اپنے گاؤں کے قاضی صاحب کے سامنے پیش کریں، قاضی صاحب پڑھ کر تفتیش کے بعد روزہ یا عید کا اعلان کردیں، یاد رہے قاضی صاحب کا عالم ومتدین اور معتبر ہونا ضروری ہے۔ دستخط (حضرت مفتی ہند) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی ۸ شوال ۱۳۶۹ھ۔ دار الافتاء مدرسہ امینیہ دہلی۔

(الجواب) اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امور دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا تنہا کا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر (محفوظ لفافہ میں بند کر کے) ان کے حوالہ کردینا کافی ہے وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کرلیا کریں (یعنی قاضی صاحب خط پڑھ کر جانچ پڑتال کے بعد روزہ یا عید کا اعلان کردیں تو روزہ رکھنے یا عید منانے میں کوئی حرج نہیں) فقط واللہ اعلم۔ دستخط العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ۔ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۷ شوال ۱۳۶۹ھ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۵۷) الجواب صحیح سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

(سوال) ایک یا کئی آدمی کی عند الشرع غیر معتبر شہادت کے پیش نظر انتیس دن کا مہینہ شمار کر کے روزہ رکھ لیا یا عید کرلی، بعد میں کسی اور جگہ سے شہادت شرعیہ ویقینیہ کی روشنی میں انتیسویں کا چاند ثابت ہو تو ان لوگوں کا روزہ رمضان شریف ہی کا شمار کیا جائے گا؟ اور ان کی عید صحیح ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) ان کا روزہ رمضان شریف ہی کا روزہ گنا جاوے گا اور عید بھی حقیقی عید سمجھی جاوے گی لیکن چونکہ ابتداء شرعی ثبوت کے بغیر یعنی غیر شرعی شہادت کی بناء پر روزہ رکھنے اور عید منانے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، لہٰذا توبہ اور استغفار ضروری ہے۔ ایسی صورت حال میں ان کو چاہئے تھا کہ روزہ نہ رکھتے اور عید نہ مناتے، چاہے بعد میں روزہ کی قضا اور عید دوسرے دن کرنی پڑے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح (بندہ) محمد شفیع (عفی اللہ عنہ) ماضی مفتی دار العلوم دیوبند العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۷/شوال ۱۳۶۶ھ۔ عبد اللطیف ناظم مظاہر علوم سہارن پور سید احمد مفتی مظاہر علوم سہارن پور ۱۴/شوال ۶۶ھ

نوٹ:۔ جہاں عالم اور دیندار قابل اعتماد قاضی صاحب کالعدم ہوں وہاں شہادت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا کام تجربہ کار اور معتمد علماء کو سپرد کیا جاوے، اس سلسلہ میں ان کا اتباع لازم ہے۔ لو کانوا ببلدة لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقة (قوله لا حاکم فیھا) ای لا قاضی ولا والی کما فی الفتح (فقوله صاموا بقول ثقة) ای افتراضاً لقول المصنف فی شرحه وعلیھم ان یصوموا بقوله اذا کان عدلا (شامی ۲/ ۱۲۵)(عمدہ الرعایة مع شرح الوقایه ۱/ ۲۴۶) آخری دونوں فتوے ۱۹۵۰ء میں جماعتی اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

جمع عظیم کی وضاحت:

(سوال ۲۹۱) امسال ''راندیر چاند کمیٹی'' کی جانب سے عید الاضحیٰ کے چاند کا اعلان ہوا، سنا ہے کہ اس پر رضاخانی مکتب فکر کے کچھ لوگوں کو اطمینان نہیں ہے کہ مطلع صاف تھا اس میں جمع عظیم کی شہادت ضروری ہے جب کہ موجودہ صورت میں دس بارہ گواہ تھے جو جمع عظیم کے ماتحت نہیں آسکتے، آپ حوالوں کے ساتھ جمع عظیم کی وضاحت فرمائیں، اور جمع عظیم میں کوئی تعداد ہو تو اس کی بھی نشاندہی حوالوں کی روشنی میں فرمائیں، فقط بینوا توجروا۔؟

(الجواب) مطلع صاف ہو تو اس صورت میں کتنے شخصوں کی گواہی ضروری ہے صحیح قول کے مطابق اس کے لئے کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، البتہ اتنے لوگوں کی گواہی کافی ہے جس پر قاضی وغیرہ کو اطمینان ہو جائے۔

درمختار میں ہے:۔(وقبل بلا علة جمع عظیم یقع (العلم) الشرعی وھو غلبة الظن (بخبر ھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد) علی المذھب (درمختار رد المحتار ۲/۹۳، کتاب الصوم)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شھادة جمع کثیر یقع العلم بخبر ھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر ھو الصحیح کذافی الاختیار، شرح المختار (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۹۶. کتاب الصوم)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: (وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شھادة جمع کثیر یقع العلم بخبرھم) وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر ھو الصحیح (الاختیار. ۱/۱۲۹)

رضاخانی مکتب فکر کی مشہور کتاب ''بہار شریعت'' میں ہے۔

مسئلہ: اگر مطلع صاف ہو تو جب تک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا رہا یہ کہ اس کے لئے کتنے لوگ چاہئے یہ قاضی کے متعلق ہے جتنے گواہوں سے اسے غالب گمان ہو جائے حکم دیدے گا الخ (بہار شریعت ص ۱۰۵ حصہ پنجم، چاند دیکھنے کا بیان)

مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ جمع عظیم کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں ہے، قاضی یا چاند کمیٹی کے ذمہ دار حضرات کو جتنے گواہوں پر اطمینان ہو جائے وہ کافی ہے۔

صورت مذکورہ میں ہمارے پاس دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے طلبہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے طلبہ وہاں کے گواہ (جن میں ایک غلام بھی ہیں) اور بھروچ کے گواہ تھے، ان تمام کی گواہی پر (جو مختلف مقامات کے تھے) ہمیں شرح صدر اور پورا اطمینان ہوا، اس بنیاد پر چاند کا اعلان کیا گیا تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فیکس سے چاند کی خبر ملے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۹۲) فیکس کے ذریعہ چاند کی خبر موصول ہو تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ فیکس کو کتاب القاضی الی القاضی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فیکس ''خط'' کا حکم رکھتا ہے، فیکس شہادت یا کتاب القاضی الی القاضی کے حکم میں نہیں آسکتا کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کے جملہ شرائط موجود نہیں ہیں، لہٰذا خط کا جو حکم ہوگا وہ فیکس کا حکم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

گمراہی کا نیا نمونہ:

(سوال ۲۹۳) یہاں انگلینڈ پر غیر مقلدین اور جماعت اسلامی کے لوگوں نے دس پندرہ روز پہلے ہی اعلان کردیا ہے کہ رمضان کا پہلا روزہ جمعرات کو متعین ہے جب کہ اس دن اہل سنت والجماعت کے حساب سے شعبان کی انتیسویں تاریخ ہے۔

(الجواب) جو لوگ تقلید چھوڑ کر نفسانی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں وہ گمراہی وضلالت کے جتنے کام کریں کم ہیں، ان کے لئے قادیانی بننا، چکڑالوی بننا منکر حدیث وغیرہ بننا بھی آسان ہے۔ رئیس المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا فیصلہ ہے کہ " وفی الاعراض عنہا مفسدۃ کبیرۃ "یعنی ترک تقلید میں بڑی خرابی ہے (عقد الجید ص۳۱)

اور غیر مقلدین کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے اپنے چشم دید تجربہ کے پیش نظر اپنی جماعت (غیر مقلدین) کو وصیت کی ہے۔

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان میں بعض عیسائی ہوجاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ (سبیل الرشاد، تالیف رشیدیہ ص۷، ۱۵۰ اشاعت السنہ نمبر۲ جلد نمبر۱۱ ص۵۳، کلمۃ الفصل ص۱۰)

بے شک ترک تقلید ضلالت وگمراہی کا دروازہ ہے اسی سے تمام گمراہی کی راہیں کھلتی ہیں، خدا حفاظت فرماوے، آمین۔

آپ ﷺ اور آپ کے برحق خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ذوالنورین عثمانؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی بھی دس پندرہ روز قبل ایسا اعلان نہیں کیا کہ فلاں دن رمضان کا پہلا روزہ ہے یا عید الفطر یا عید الاضحی ہے۔ یہ حضرات ہمیشہ انتیسویں تاریخ کو چاند دیکھ کر اعلان کرتے، انتیسویں کا چاند نظر نہ آتا تو تیس روزے پورے کر کے اعلان کرتے، صاحب وحی رسول مقبول ﷺ بذریعہ وحی معلوم فرما کر دس پندرہ روز قبل

اعلان کرسکتے تھے مگر آپ ﷺ نے بھی ایسا نہیں کیا بلکہ ضابطۂ شرعیہ کے پابند رہے، انتیسواں چاند دیکھ کر اعلان فرماتے ہیں یا تیس دن پورے کرنے کے بعد اعلان فرماتے۔

لہٰذا آپ کے یہاں جو کچھ ہوا وہ بالکل غلط اور گمراہی ہے، حدیث "ضلوا فاضلوا" (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم) خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ کا صحیح مصداق ہے، اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دور کی جگہ سے چاند کی خبر بطریق موجب پہنچتی تو اس پر عمل کریں یا نہیں؟ غیر مقلد عالم کا حدیث ابن عباسؓ سے استدلال کرنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۹۴) کیا فرماتے ہیں علماء احناف، اس مسئلہ میں کہ شہر دہلی وغیرہ دور دراز سے رمضان کے چاند دیکھنے کی خبر معتبر ذریعہ سے ہم اہل سورت کو مل جائے تو اس پر عمل جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالجلیل سامرودی غیر مقلد نے اس کو ناجائز فرمایا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے صوموا لرویته وافطروا لرویته، اور یہ مطلق وعام ہے اس میں قریب وبعید کی کوئی قید اور شہر وملک کی کوئی تخصیص مذکور نہیں ہے، اس لئے عندالاحناف ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ اور صحیح ومعتمد ومختار مذہب کے موافق ہلال صوم وفطر میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے، لہٰذا ابتداءً مشرق سے رویت ہلال رمضان وشوال کی خبر وشہادت اہل مغرب کو مل جائے تو اس پر ان کو عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولا عبرة لا ختلاف المطالع فی ظاهر الرواية . كذا فی فتاوى قاضی خان وعليه فتوى الفقيه ابی الليث وبه كان يفتی شمس الائمة الحلوانی قال لورأى اهل مغرب هلال رمضان يجب لی اهل مشرق كذا فی الخلاصة . (ج ۱ ص ۱۹۹ الباب الثانی فی رؤية الهلال)

اور درمختار میں ہے۔ واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة، اور فتاویٰ شامی میں ہے وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤية فی حديث صوموا الرؤيته الخ (ج ۲ ص ۱۳۲ قبيل باب مايفسد الصوم الخ)

اس کے خلاف اور اعتبار اختلاف المطالع کے ثبوت کے لئے حضرت ابن عباسؓ والی روایت پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں اول یہ کہ کریب نے شہادت غیر پر شہادت نہیں دی، دوم یہ کہ نہ حکم حاکم پر شہادت دی، سوم یہ کہ نہ لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دی اور اگر یہ سب کچھ تسلیم بھی کرلیا جائے تاہم ایک شخص کی شہادت سے وجوب القضاء علی القاضی ثابت نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے کریب کی شہادت پر عمل نہیں فرمایا، چنانچہ البحر الرائق میں ہے۔ فلادليل فيه لانه لم يشهد على شهادة غيره ولا على حكم الحاكم ولئن سلم فلانه لم يأت بلفظ الشهادة ولئن سلم فهو واحد لايثبت بشهادته وجوب القضاء . على القضاء (ج ۲ ص ۲۷۰ کتاب الصوم تحت قوله ولا عبرة باختلاف المطالع الخ)

اور امام نوویؒ شافعیؒ نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شوافع سے بھی نقل فرمایا ہے قال بعض اصحابنا تعم الرویة فی موضع جمیع اهل الارض فعلی هذا نقول انما لم یعمل ابن عباس بخبر کریب لانه شهادة فلا تثبت بواحد (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۴۸ باب بیان ان لکل بلدة رؤیتهم الخ)

اگر کہا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے تو نہیں فرمایا کہ تم تنہا ہو اس لئے تمہاری شہادت قابل قبول نہیں، تو یہ بھی کب فرمایا کہ چونکہ ملک شام دور واقع ہے لہذا وہاں کی رویت ہمارے لئے حجت نہیں، پس اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس مسئلہ میں علماء احناف تنہا نہیں ہیں بلکہ حنابلہ اور مالکیہ اور بعض شافعیہ بھی ہیں جیسا کہ شامی، شرح مسلم کی عبارت سے ظاہر ہے، اور بعض مشہور اہل حدیث بھی اس مسلک کے مؤید ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

۲۸، رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ۔

مطلع صاف ہونے کی صورت میں ثبوت ہلال کے لئے جم غفیر ضروری ہے:

(سوال ۲۹۵) رویت ہلال کے متعلق کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! امسال عید الفطر کے موقع پر مطلع صاف تھا اس لئے موقع پر دو چار آدمیوں کی گواہی کافی نہیں ہوتی جم غفیر اور مجمع کثیر کی گواہی ضروری ہے جس سے شرعی قاضی یا اس کے قائم مقام مفتی یا عالم کو چاند ہونے کا اطمینان ہو جائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے عوام کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں واگر مطلع صاف باشد رمضان وشوال جماعت عظیم می باید (مالا بد منه ص ۹۳) الجم الغفیر یقع به العلم فی هلال الصوم والفطر والاضحی (رسائل الارکان ص ۱۰۷ فصل یفترض علی المکلف الخ) والعالم الثقة فی بلدة لا حاکم فیه قائم مقامه (عمدة الرعایه علی شرح الوقایه ج ۱ ص ۳۹ کتاب الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب.

16

باب ما یتعلق بالسحر والافطار

سحری وافطار کے لئے دف بجانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۹۶) ماہ رمضان میں سحری وافطار کے وقت دف بجانا جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) جس طرح نکاح اور اعلان جنگ کے لئے دف وغیرہ بجانا حدیثوں سے ثابت ہے، اسی طرح چاند نظر آنے اور سحری وافطار کے وقت ضرورۃً بطور اعلان دف بجانا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ باجا بجانے کے طرز پر نہ ہو۔ در مختار۔

وعن الحسن لا بأس بالدف فی العرس لیشتهر وفی السراجیة هذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علیٰ هیئة التطرب الخ. اقول وینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تامل (ج۵ ص ۳۰۷ شامی کتاب الحظر والاباحة)

سحری قائم مقام نیت کے ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۹۷) بوقت سحری روزہ کی نیت کرنا بھول گیا تو روزہ ہوگا یا نہیں۔؟

(الجواب) سحری کے وقت یہ ارادہ نہ ہو کہ آج مجھے روزہ رکھنا نہیں ہے تو سحری کرنا یہ بھی روزہ کی نیت ہی ہے، جوہرہ میں ہے فالسحور فی شهر رمضان نیة ذکره نجم الدین النسفی وکذا اذا تسحر لصوم اخر کان نیة له وان تسحر علی انه لا یصح صائما لا یکون نیة (جوهرة ج ۱ ص ۱۴۰ کتاب الصوم)

نوٹ:۔ یاد رہے کہ ماہ رمضان میں روزہ کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے پہلے کر سکتے ہیں۔ اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

افطار کے لئے جماعت میں تاخیر کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۲۹۸) ماہ رمضان میں افطاری کے وقت نماز مغرب میں کس قدر تاخیر کر سکتے ہیں؟

(الجواب) افطار کے لئے جماعت مغرب میں پانچ سات منٹ تاخیر کی گنجائش ہے۔ والاصح انه یکره الا من عذر کالسفر والکون علی الاکل ونحوهما او یکون التاخیر قلیلا وفی التاخیر بتطویل القرأة خلاف انتهی (کبیری ص ۲۳۳ فروع فی شرح الطحاوی) فقط

افطار کے بعد اذان کب دی جائے؟

(سوال ۲۹۹) افطار کے بعد کتنی دیر سے اذان دی جائے۔ وضاحت فرمائیں۔؟

(الجواب) غروب آفتاب کے بعد افطار کر کے اذان پڑھے۔ افطار کی وجہ سے جماعت میں پانچ سات منٹ تاخیر کرنے کی گنجائش ہے۔ والاصح انه یکره الا من عذر کالسفر والکون علی الاکل ونحوهما او یکون التاخیر قلیلا (کبیری ص ۲۳۳ کتاب الصوم)

سحری کے وقت اعلان کرنا کیسا ہے؟:

(استفتاء ۳۰۰) ہمارے گاؤں میں عرصہ دراز سے سحری کے اخیری وقت پر سلام پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ السلام والسلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم.) غرض کہ سب انبیاء کرام کے نام لے کر پڑھی جاتی تھی۔ جس سے لوگ اپنے روزہ بند کرنے اور سحری کا اخیری وقت ہونا سمجھتے تھے۔ اب گاؤں میں مولانا صاحب کہتے ہیں کہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔ لہٰذا صحیح سنت تو یہ ہے کہ دو اذان کہی جاوے۔ ایک سے سحری کا اخیری وقت معلوم ہو اور دوسری اذان فجر کے لئے۔ وہ بخاری شریف جلد اول سے استدلال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو سحری کی اذان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ اور حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ کو اذان فجر کے لئے۔ صحیح سنت تو یہ ہے۔ اس وقت سے گاؤں میں سلام کا طریقہ بند ہوگیا۔ اور مولانا صاحب کے کہنے سے دو اذان دی جاتی ہے۔ ایک اذان سحری کا اخیری وقت بتلانے کے لئے اور دوسری نماز فجر کے لئے۔

آپ مذکورہ بالا معاملہ کی تفصیل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے کہ بجائے سلام کے اذان کہنا جائز ہے۔ یا نہیں؟ اخیری وقت کی آگاہی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

(الجواب) سحری بند کرنے کے لئے نہ سلام پڑھنا سنت ہے نہ اذان کہنا، لوگ خود بخود سحری کا وقت معلوم کرسکتے ہیں۔ سب کے یہاں گھڑیاں ہیں تاہم کسی وقت یا کسی جگہ ضرورت ہو تو ندا کردینا کافی ہے۔ کہ سحری کا وقت قریب الختم ہے۔ لیکن اس کو مسنون نہ سمجھا جائے۔ حضرت بلالؓ کی روایت میں صبح صادق سے پہلے اذان نہ دینے کا صریح حکم موجود ہے۔ لہٰذا اذان متروک العمل ہے۔

بحر الرائق میں ہے۔ وعند ابی حنیفة رحمه الله ومحمد رحمه الله لا یؤذن فی الفجر قبله . کما رواه البیهقی انه علیه الصلوة والسلام قال یا بلال لا تؤذن حتی یطلع الفجر . قال فی الا مام رجال اسناده ثقات . یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صبح صادق سے پہلے اذان نہ کہی جائے کہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کہ اے بلالؓ جب تک صبح صادق نہ ہو اذان فجر نہ کہے۔ رواۃ حدیث معتبر ہیں۔ (ص ۲۶۳.۲۶۲ ج ۱ باب الاذان تحت قوله ولا یؤذن قبل الوقت) فقط والله اعلم بالصواب.

روزہ افطار کب کیا جائے؟:

(سوال ۳۰۱) ہمارے یہاں مسجد میں ٹائم ریڈیو کا ہے اب ریڈیو ٹائم اور جنتری ٹائم میں پانچ سات منٹ کا فرق ہے۔ مثلاً جنتری میں غروب آفتاب چھ بج کر پندرہ منٹ کا ہے اور گھڑی ریڈیو ٹائم چھ بج کر دس منٹ کا ہے تو افطار میں کوئی حرج ہے؟

(الجواب) مغرب کی اذان و نماز اور افطار کا مدار غروب آفتاب پر ہے نہ گھڑی یا جنتری پر، گھڑی اور جنتری غروب کے تابع ہیں یہ غلط بھی ہوسکتی ہیں۔ (۱). ان سے ایک حد تک امداد لے جاسکتی ہے ان پر مدار نہیں رکھا جاسکتا۔ لہٰذا اگر

(۱) ای وقت المغرب من غروب الشمس الی غروب الشفق لروایة مسلم صلاة المغرب مالم یسقط نور الشفق بحر الرائق کتاب الصلاة ج ۱ ص ۲۴۵

آپ دیکھ لیں کہ آفتاب چھپ گیا یا دوسرے کے خبر دینے اور قرائن سے یقین ہو جائے کہ آفتاب چھپ گیا تو ضرور افطار کرلیجئے۔ اور جیسے ہی یقین ہو جائے فوراً افطار کرلیجئے۔ اب احتیاط وغیرہ کے تصور پر تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔ اور جب تک آپ کو خود اپنے مشاہدہ یا قابل یقین خبر یا اعلان کی بنا پر یقین حاصل نہ ہو بلکہ تردد ہو تو صرف جنتری یا گھڑی پر اعتقاد کرکے نماز پڑھنا اور افطار کرنا درست نہیں ہے۔

نوٹ:۔ دہلی کی جامع مسجد کا افطار کا نظام عمل قابل تقلید ہونے کی وجہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد کے بالائی حصہ پر ایک صاحب غروب آفتاب دیکھنے کے لئے متعین رہتے ہیں۔ ان کے پاس جھنڈی رہتی ہے۔ جیسے ہی وہ دیکھتے ہیں کہ آفتاب ڈوب گیا وہ جھنڈی سے اشارہ کردیتے ہیں۔ فوراً منارہ پر روشنی ہو جاتی ہے۔ اور گولے داغ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر مطلع صاف · ہو جس کی وجہ سے وہ آفتاب کو ڈوبتا ہوا نہ دیکھ سکیں۔ تو پھر چند منٹ کی تاخیر کی جاتی ہے۔ (خلاصہ جمعیۃ ٹائمز دہلی ۳ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ)

افطاری میں نان گوشت پلاؤ کا انتظام اور جماعت میں تاخیر:

(سوال ۳۰۲) ہمارے یہاں ماہ مبارک میں حصول ثواب کی غرض سے بہت سے لوگ افطاری میں نان، گوشت، کھچڑا، پلاؤ، کھچڑی، کڑھی، سالن وغیرہ کا مسجد میں نظم کرتے ہیں، افطاری کی وجہ سے آٹھ دس منٹ مغرب کی نماز میں تاخیر ہوتی ہے۔

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ افطاری کے ایسے پروگرام کی وجہ سے مغرب کی جماعت میں تاخیر کرنا گناہ کا کام ہے گویا ثواب کے بجائے گناہ کا کام ہوتا ہے لہٰذا ایسے پروگرام نہ ہونے چاہئیں، ایسی باتوں کی وجہ سے بستی والوں نے افطار کا انتظام موقوف کردیا ہے افطاری کے بہانہ سے غرباء کو جو کھانا ملتا تھا وہ بند ہوگیا، سوال یہ ہے کہ کیا نماز میں تقریباً دس منٹ تاخیر ہو تو گناہ ہے؟

(الجواب) افطاری میں اختصار چاہئے، غرباء کے لئے نان، گوشت پلاؤ وغیرہ کھلانے کا انتظام نماز کے بعد کیا جائے انشاء اللہ پورا ثواب ملے گا، کمی نہیں آئے گی، نماز سے پہلے نان گوشت، پلاؤ، کھچڑی، کڑھی سالن وغیرہ کھلانے کے پروگرام کے لئے دس منٹ بھی ناکافی ہوں گے، بہت سوں کی رکعات جاویں گی اور بہت سے تو جماعت بھی فوت کریں گے اور گنہگار ہوں گے، لہٰذا نان گوشت وغیرہ کھلانے کا پروگرام نماز کے بعد ہی مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

افطاری اور مغرب کی نماز میں فاصلہ کی حد:

(سوال ۳۰۴) رمضان شریف میں روزہ داروں کا لحاظ کرکے مغرب کی اذان اور قیام جماعت کے مابین دس منٹ کا وقفہ مقرر کیا جاوے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) افطاری کی وجہ سے مغرب کی نماز میں پانچ سات منٹ کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے، گھر افطار کرنے والے نہ پہنچ سکتے ہوں تو دس منٹ کی تاخیر کی تعیین بھی درست ہے، ان کو بھی چاہئے کہ جلد آنے کی کوشش کریں یا مسجد ہی میں افطار کریں اور حاضرین کو انتظار کی زحمت میں نہ ڈالیں۔

والاصح انہ یکرہ الامن عذر کالسفر والکون علی الاکل ونحوھما اویکون التاخیر قلیلا(کبیری ص ۲۲۳ فروع فی شرح الطحاوی)(فتاوی محمودیہ ۱۴۴/۱۳)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

افطاری اور مغرب کی نماز میں فاصلہ کی حد

(سوال ۳۰۵)رمضان شریف میں بعد غروب آفتاب جماعت کے قیام کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ کیا دس منٹ کا وقفہ جائز ہے۔

(الجواب) افطاری کا پروگرام مختصر ہونا چاہئے بایں طور کہ سات منٹ میں فارغ ہوکر تکبیر اولیٰ میں شریک ہوکر باجماعت نماز ادا کی جاسکے، گھر پر افطار کرنے والے پہنچ سکتے نہ ہوں تو دس منٹ کی تاخیر کر سکتے ہیں، لیکن گھر پر افطار کرنے والوں کو چاہیے کہ جلد از جلد حاضر ہوجاویں جو لوگ افطار سے فارغ ہوچکے ہیں ان کو انتظار کی زحمت نہ دیں کیونکہ حاضرین کے لئے انتظار کرنا، وضو باقی رکھنا بڑا شاق ہوتا ہے، لہٰذا ان کا لحاظ چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رقم افطاری سے مسجد میں افطار کرائیں یا گھر پر؟

(سوال ۳۰۶)غیر ملک سے رمضان شریف میں مسجد میں افطاری کے لئے جو رقوم آتی ہیں ان رقوم سے اشیائے خوردنی پکوا کر مسجد ہی میں افطاری کروانا چاہئے یا پھر بجائے اس کے پورے گاؤں کے ہر گھر پر بکرے کا گوشت اور نان وغیرہ تقسیم کردیں تو جائز ہے؟ گھر پر نان، گوشت تقسیم کرنے کی صورت میں ہر گھر کے لئے برابر سرابر دینا چاہئے یا پھر مردم شماری کے حساب سے کم وبیش دیا جائے، اس کی تفصیل مطلوب ہے؟

(الجواب) جب مسجد میں افطاری کے لئے رقم آتی ہے تو مصلیان مسجد کی افطاری میں اس کا استعمال کرنا چاہئے، گھر پر نان، گوشت تقسیم کے لئے رقم بھیجنے والوں سے اجازت لینا ضروری ہے (ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ ۳۱۵/۸)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

افطار کی بقیہ رقم کا مصرف:

(سوال ۳۰۷)افطار کے لئے آئی ہوئی رقم کو اسی رمضان کی افطاری میں پورا کرنا ضروری ہے یا افطار سے بقیہ رقم آئندہ سال کے لئے محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ افطاری میں صرف کرنے کے باوجود کچھ رقم رہ جائے تو اس کا مصرف کیا ہے؟ آیا ایسی رقم غرباء کو نقد دے یا کوئی اور اشیاء، (غلہ، کپڑا وغیرہ) خرید کر ان پر تقسیم کردے تو گنجائش ہے؟

(الجواب) مذکورہ رقوم کا استعمال بھیجنے والے کی تحریر اور اجازت کے مطابق کرنا ضروری ہے بے اجازت اس طرح کرنا درست نہیں۔(ملاحظہ ہو تحقیق وقف بودن یا نبودن چندہ، امداد الفتاویٰ ۵۹۳/۲)

سحری کا وقت:

(سوال ۳۰۸)رمضان المبارک میں سحری وافطاری کے جو ٹائم ٹیبل شائع ہوتے ہیں، اس میں خاص طور پر سحری

کے وقت میں بڑا فرق ہوتا ہے، مؤذن صاحب کہتے ہیں کہ سحری کا وقت ختم ہوچکا تو ادھر کوئی اور اعلان کرتا ہے کہ قریب الختم ہے، لہٰذا کس ٹائم ٹیبل پر عمل کرنا چاہئے۔

(الجواب) ٹائم ٹیبل حسابی چیز اور ایک تخمینہ ہے، اس پر ایسا اعتبار کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہو نہیں چاہئے، اصل چیز صبح صادق اور غروب آفتاب کا مشاہدہ اور دل کی گواہی ہے، روزہ اہم عبادت ہے اس لئے احتیاط ضروری ہے، جس ٹائم ٹیبل میں احتیاطی پہلو کا زیادہ لحاظ کیا گیا ہو اسے مدنظر رکھ کر دل کی گواہی پر عمل کرے رمضان ستمبر میں آرہا ہے، حساب کی رو سے ماہ ستمبر میں صبح صادق اور طلوع آفتاب میں تقریباً ایک گھنٹہ پچیس منٹ کا فاصلہ رہتا ہے، لہٰذا طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل سحری سے فارغ ہونا بہتر ہے۔(فتاوی رحیمیہ ۷۹/۴)فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب مایفسد الصوم وما یکرہ

سرمہ یا دوا سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں:

(سوال ۳۰۹) ایک شخص کہتا ہے کہ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ اور مزہ منہ اور تھوک میں محسوس ہوتا ہے اور ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ کان میں دوا اور تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ کان اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے اگر ہوتا تو دوا اور تیل دماغ میں پہنچ کر روزہ فاسد ہوجاتا۔ مذکورہ سوال کے جواب میں آپ کی تفصیل مطلوب ہے۔

(الجواب) منہ، کان، ناک، مقعد، فرج، شکم اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے مفسد صوم اشیاء، جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ وما وصل الی الجوف اوالی الدماغ من المخارق الا صلیة کالانف والا ذن والدبر بان استعط اواحتقن او اقطر فی اذنه فوصل الی الجوف اوالی الدماغ فسد صومه. (بدائع ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم فصل رکنه الخ)

آنکھ میں دوائی اور سرمہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ آنکھ اور دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی راستہ نہیں۔ اور اشک (آنسو) جو نکلتے ہیں وہ پسینہ کی طرح مسامات میں سے ابھر کر نکلتے ہیں۔ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزہ حلق و تھوک وغیرہ میں محسوس ہوتا ہے۔ یہ بھی مسامات میں سے ہوکر پہنچتا ہے یہ مفطر صوم نہیں جیسا کہ سر پر ملا ہوا تیل جذب ہوکر دماغ تک پہنچتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں پہنچتا ہے اور دماغ کو فائدہ دیتا ہے لہذا روزہ فاسد ہوجاتا ہے، او اقطر فی اذنه دهناً اتفاقا او اقطر فی اذنه ماء فی الاصح لو صول المفطر دماغه بفعله فلا عبرة بصلاح البدن وعدمه (مراقی الفلاح ص ۱۳۳ باب ما یفسد الصوم ویوجب القضاء)

دماغی قوت کے لئے انڈے کی زردی براہ کان دماغ میں پہنچانا ایک محقق امر ہے اور چند معتبر اشخاص نے بھی محسوس اس سلسلہ میں کہا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹری میں بھی ایسا ہو۔

لکھنؤ کی سند یافتہ حکیم اور ایک قدیم ماہر وید کی تحقیق یہ ہے کہ کان میں ڈالی ہوئی دوا دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور کبھی حلق میں بھی پہنچتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں براہ راست یا بالواسطہ معدہ میں پہنچنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چوپائے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۱۰) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے مذہب حنفیہ کے خلاف دو رسالے جو انہوں نے لکھے ہیں مجھے دیئے۔ ایک کا نام "اظہار حقیقت از آئینہ حقیقت" ہے۔ اس کے مصنف کا نام ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مولوی ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل صاحب امیر جماعت غربا اہل حدیث (ہند) دوسرے رسالہ پر مصنف کا نام

حضرت شیخ الہند مولانا مولوی محمد عبدالجلیل صاحب محدث امیر جماعت ہے۔ رسالہ (۱) میں احناف پر طنزاً لکھا ہے۔ چوپایہ سے روزہ کی حالت میں وطی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ انزال ہو یا نہ ہو۔ درمختار میں ہے اذا ادخل ذکرہ فی بهیمة او میتة من غیر انزال (شامی ص ۱۰۳ ج: ۲ مطبوعہ مصر قدیم و نقل فی البحر وكذا الزیلعی وغیرہ الا جماع علی عدم الفساد مع الا نزال بلکہ غسل بھی نہیں آتا شیخ جی سن لیا، شیخ جی کی چاروں بلکہ پانچوں انگلیاں گھی میں ص ۱۶۔

کیا مذکورہ صورت میں باوجود انزال کے روزہ فاسد نہیں ہوتا؟ اور کیا اس پر فقہاء کا اجماع ہے؟ کیا صورت مذکورہ میں غسل بھی نہیں ہے؟ درمختار و شامی میں ایسا ہی ہے؟

(الجواب) سوال میں جو اردو عبارت درج ہے وہ میں نے اصل اردو رسالہ میں (جو ۱۹۵۱ء میں لکھا گیا ہے) دیکھی اور ان کے ایک گجراتی رسالہ میں بھی (جو ۱۹۵۰ء) میں چھپا یہ مضمون میں نے پڑھا اور درمختار شامی وغیرہ کے جو حوالے درج کئے ہیں ان کو بھی میں نے بغور دیکھا۔ سامرودی صاحب کے تینوں الزام اور دعوے بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں جو ان کی کوتاہ فہمی اور ناسمجھی کا نتیجہ ہیں۔ دخول اور وطی بہیمہ مع الانزال والی صورت میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور وجوب غسل کے ساتھ ساتھ روزے کی قضا بھی لازم آتی ہے۔ شامی میں صاف لکھا ہوا ہے اما به فعلیه القضاء۔ یعنی اگر انزال ہو گیا تو روزہ کی قضا اس پر لازم ہے۔ باقی شامی کی عبارت "الا جماع علی عدم الفساد مع الانزال" اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق دوسری صورت سے ہے۔ جس کو درمختار میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ او مس فرج بهیمة او قبلها فانزل. یعنی اپنی شرم گاہ کو اس نے استعمال نہیں کیا بلکہ جانور کی شرم گاہ کو اس نے ہاتھ سے چھوا یا جانور کو بوسہ دیا اور اس سے انزال ہو گیا تو اس صورت میں عدم فساد صوم پر (روزہ نہ ٹوٹنے پر) اجماع ہے۔ سامرودی صاحب نے دوسری صورت جس میں اپنی شرم گاہ کو روزہ دار نے استعمال نہیں کیا ہے اس صورت کا حکم پہلی صورت پر لگا دیا۔ جس میں شرم گاہ کو استعمال کیا ہے کہ اس کو داخل کیا ہے اس سے بڑھ کر تلبیس اور دھوکہ دہی کیا ہو سکتی ہے؟

دوسرا افراڈ اور صاف دھوکہ یہ ہے کہ من غیر انزال کے معنی ہیں کہ انزال نہ ہوا ہو۔ اور سامرودی صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔ انزال ہو یا نہ ہو۔ یہ انتہا درجہ کی جہالت ہے یا پرلے درجہ کی دھوکہ دہی (معاذ اللہ) پھر طرہ یہ ہے کہ یہ بکواس بھی کر ڈالی کہ غسل بھی نہیں آتا، اناللہ الخ اللہ تعالیٰ کسی کو کج فہم نہ بنائے۔

دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے۔

بے شک فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بدذات بد ذوق آدمی جانور یا مردے کے ساتھ بد فعلی کرے اور انزال بھی ہوجائے تو روزہ فاسد ہوگا اور قضا لازم ہوگی، عبرت ناک و رسوا کن سزا دی جائے گی، جس کی کوئی حد معین نہیں۔ بلکہ قاضی (جج) کو اختیار دیا ہے کہ وہ جس قدر سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے کہ اس کو بھی سبق ملے اور دوسروں کی آنکھیں کھلیں اور صرف اس شخص پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جانور کے متعلق بھی یہ ہدایت ہے کہ جانور کو ذبح کر دیا جائے (بدکار کو سزا دینے کے لئے انزال شرط نہیں ہے) شامی میں ہے ویعز رو تذبح البهیمة وتحرق علی وجه الا ستحباب ولا یحرم اکل لحمها به (شامی ج ۱ ص ۱۵۴ قبیل مطلب فی رطوبة الفرج کتاب الحدود)

ولا یحد بوطئی بھیمة بل یعزرو تذبح ثم تحرق ویکرہ الا نتفاع بھا حیة ً ومیةً(مجتبی درمختار مع شامی ج ۳ ص ۲۱۳ مطلب فی رطوبة الدابة فتاویٰ سراجیہ ص ۶۱)

مسئلہ کے ذکر کرنے کی ضرورت:

ایسے واقعات ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں اس لئے ان کے احکام بیان کرنے ضروری ہیں۔خود سید الکائنات ﷺ جو شرم وحیا کے پیکر مقدس تھے آپ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتی بھیمة فاقتلوہ واقتلو ھا معہ قیل لا بن عباس رضی اللہ عنہ ما شان البھیمة قال ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک شیئاً ولکن اراہ کرہ ان یؤ کل لحمھا او ینتفع بھا الحدیث (ترجمہ)۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل کرڈالو اور اس کے ساتھ ساتھ جانور کو بھی قتل کرڈالو۔حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا قصور ہے۔حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے کچھ نہیں سنا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس سے کراہیت کی اور پسند نہیں فرمایا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کوئی اور کام لیا جائے (مشکوٰة ص ۳۱۲ کتاب الحدود) اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر حد (معین سزا) نہیں ہے (مگر تعزیر ہے یعنی ایسی سزا جو سیاستاً مناسب سمجھی جائے کہ لوگوں کو عبرت ہو) وعنہ انہ قال من اتی بھیمة فلا حد علیہ.

اور فرمایا خدا پاک اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتے جو بدفعلی کرے کسی مرد یا عورت کے ساتھ دبر میں (مشکوٰة شریف کتاب الحدود)

جس طرح جسمانی اطبا اور ڈاکٹروں کو علاج کے سلسلہ میں انسان وحیوان، مردوزن کی شرم گاہ وغیرہ کا معائنہ کرنا پڑتا ہے اور شرم وحیاء کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ایسے ہی روحانی اطبا (پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے جانشین علماء، فقہاء، محدثین) نے عبادات ومعاملات اور طہارت سے متعلق امور مثلاً پاکی، ناپاکی، پیشاب، پائخانہ، پانی، مٹی، حیض ونفاس۔غسل وتیمم ونشست وبرخاست کے مسائل واحکام بالتفصیل بیان کئے ہیں۔بے شک ان میں ایسے مسائل بھی ہیں جن کا بے حجابانہ تذکرہ شرم وحیا کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اگر شرم وحیا کا لحاظ کر کے بیان نہ کیا جائے تو ان مسائل کے جاننے کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تحقیق مسائل میں شرم وحیا کی گنجائش نہیں۔باپ اپنی بیٹی سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔حضرت عمر فاروقؓ کو ایک عورت کے متعلق احساس ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی جدائی سے مضطرب ہے (شوہر جہاد گیا ہوا تھا) تو آپ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہؓ نے فرمایا چار ۴ مہینہ! آپ نے حکم نافذ فرمایا کہ کوئی سپاہی چار مہینہ سے زائد باہر نہ رہے (الفاروق ص ۹۶ حصہ ۲)

محترم بندہ۔اگر شرم وحیاوالی باتوں کا ذکر ممنوع ہے تو شرم والی باتیں تو کلام پاک میں بھی ہیں اور اس سے زیادہ واضح احادیث میں ملیں گی کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر ہیں اور فقہ کی کتابیں ان دونوں کی تفسیر اور خلاصہ ہیں لہذا کتب فقہ میں بھی ایسی باتوں کا ہونا ضروری ہے۔لہذا ایسی باتوں کی بنا پر فقہ پر تنقید کرنا اور کتب فقہ یا فقہا کو برا بھلا

کہنا در حقیقت قرآن وحدیث پر اعتراض کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ہے (۱) وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ وغلقت الا بواب وقالت ھیت لک قال معاذ اللہ الخ. ترجمہ:۔جس (عزیز مصر کی) عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے وہ ان پر مفتون ہوگئی اور ان سے اپنا مطالبہ حاصل کرنے (خواہش پوری کرنے) کو پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کردیئے۔اور ان سے کہنے لگی آجاؤ (جلدی کر) تم ہی سے کہتی ہوں۔یوسف علیہ السلام نے کہا (اللہ کی پناہ) اللہ بچائے۔(قرآن مجید سورۂ یوسف رکوع نمبر ۳)

قرآن مجید میں ہے (۲) انکم لتأ تون الرجال شھوةً من دون النساء تم شہوت رانی کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف دوڑتے ہو (سورۃ النمل رکوع نمبر ۴)

(۳) ویسئلونک عن المحیض قل ھوا ذیً فاعتز لو اا النساء فی المحیض ولا تقربو ھن حتیٰ یطھرن فاذا تطھرن فأ تو ھن من حیث امر کم اللہ ان اللہ یحب لتوا بین ویحب المتطھرین O نساؤ کم حرث لکم فأ تو حرثکم انّیٰ شئتم .

ترجمہ:۔اور لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے۔یہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے (جماع کرنے سے) علیحدہ رہا کرو اور جب تک پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت نہ کیا کرو۔پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا نے اجازت دی ہے (یعنی قبل سے) بالیقین خداوند قدوس محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے! تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر جاہو آؤ۔یعنی آگے سے، پیچھے سے کھڑے بیٹھے (یعنی کیفیات اگر چہ مختلف ہوں لیکن صحبت کی راہ وہی قبل ہونی چاہئے) (قرآن کریم سورۂ بقرہ رکوع ۲۷) تفسیر جلالین وغیرہ۔

ان جیسی آیتوں کا شان نزول بیان کیا گیا تو وہ اور بھی زیادہ عریاں تھا۔مثلاً آیت "نساء کم حرث لکم" کے شان نزول کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

انما کان ھذا الحی من الا نصار وھم اھل وثن مع ھذا الحی من یھود وھم اھل کتاب وکانوا یرون لھم فضلاً علیھم فی العلم فکا نوا یقتدون بکثیر من فعلھم وکان من امر اھل الکتاب ان لا یأتوا النساء الا علی حرف وذلک استر ما تکون المرأة فکان ھذا الحی من الا نصار قد اخذوا بذلک من فعلھم وکان ھذا الحی من قریش یشرحون النساء شرحاً منکراً ویتلذذون منھن مقبلات ومدبرات ومستلقیات فلما قدم المھاجرون المدینة تزوج رجل منھم امرأةً من الا نصار فذھب یصنع بھا ذلک فانکرتہ علیہ وقالت انما کنا نؤ تی علی حرف فاصنع ذلک والا فاجتنبی حتی شری امر ھما فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل نساء کم حرث لکم فأ توا حرثکم انی شئتم ای مقبلات ومدبرات ومستلقیات یعنی بذلک موضع الولد (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۱ باب فی جامع النکاح)

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں جن حضرات نے الانصار کا خطاب حاصل کیا وہ پہلے مشرک تھے۔ یہودیوں کے ساتھ رہا کرتے تھے چونکہ یہودیوں کے پاس آسمانی کتاب (توریت) تھی تو مشرکین سمجھتے تھے کہ یہود کو علمی فضیلت حاصل ہے اس لئے وہ بہت سی باتوں میں یہودیوں کا چلن اختیار کرلیا کرتے تھے مجامعت اور ہم بستری کے سلسلہ میں یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صرف چت لیٹ کر ہی مجامعت کیا کرتے تھے اس سے عورت کی پردہ پوشی زیادہ ہوتی تھی انصار بھی ان کے اسی چلن پر چلا کرتے تھے۔ ان کے برخلاف قریش کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عورتوں سے خوب کھلتے تھے ان کا سینہ اپنی طرف کر کے ان کی پشت اپنی طرف کر کے ان کو چت لٹا کر غرض ہر طرح لذت اندوز ہوتے تھے۔ جب حضرات مہاجرین مدینہ میں آئے تو کسی مہاجر نے انصاری عورت سے شادی کرلی اس نے اپنے طریق (مختلف کیفیات) سے صحبت کرنا چاہا تو اس انصاریہ نے ناپسند کیا اور کہا صرف چت لیٹ کر ہی جماع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ بھی ایسا ہی کیجئے ورنہ مجھ سے دور رہیے اس میں بات طول پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ تک بات پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی نساء کم حرث لکم الخ یعنی تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرح سے چاہو جاؤ (یعنی چاہے آگے سے، پیچھے سے، چاہے چت لٹا کر وغیرہ، بشرطیکہ وہ جگہ ہو جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے) ابوداؤد ج ا ص ۳۰۱)

(۵) حدیث شریف میں ہے:۔ عن ام سلمة ام المومنین رضی اللہ عنها انها قالت جاء ت ام سلیم امرء ة ابی طلحة رضی اللہ عنه الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحیی من الحق هل علی المرء ة من غسل اذا هی احتلمت.

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نعم اذا رأت الماء (بخاری ج ا ص ۴۲ مطبع مجتبائی باب اذا احلمت المرأ ة) عن ام سلمة رضی اللہ عنه قالت قال ام سلیم یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحیی من الحق فهل علی المرء ة من غسل اذا احتلمت قال نعم اذا رأت الماء فغطت ام سلمة وجهها فقالت یا رسول اللہ او تحتلم المرٔ ة قال نعم تربت یمینک فبم یشبهها ولدها متفق علیه وزاد مسلم بروایة ام سلیم ان ماء الرجل غلیظ ابیض وماء المرء ة دقیق اصفر فمن ایهما علا او سبق یکون منه الشبه (مشکوة شریف ج ا ص ۴۸ باب الغسل مطبع مجتبائی)

حضرت ام سلیمؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہ خدا تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے کیا عورت پر غسل ضروری ہے جب اسے احتلام ہو (یعنی بدخوابی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب وہ پانی (منی) دیکھے، ام سلمہ نے شرما کر اپنا منہ چھپا لیا، پھر دریافت کیا، یا رسول اللہ کیا عورت کو احتلام (منی کا خروج) ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، خاک آلو دہوں تیرے ہاتھ نہیں تو بچہ ماں کی مشابہ کیوں ہوتا؟...... مرد کا پانی (منی) گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور پیلا ہوتا ہے۔ اس میں جو پانی غالب آجائے یا سبقت کر جائے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

(۶) عن ابن شهاب رضی اللہ عنه قال اخبرنی عروة بن الزبیر رضی اللہ عنه ان عائشة رضی اللہ عنها ان امرأ ة رفاعة القرظی جاء ت الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللہ ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده عبد الرحمن بن الزبیر القرظی وانما معه مثل الهدبة قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعلک تریدین ان ترجعی الیٰ رفاعة لا حتیٰ یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلته (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱ پ ۲۲ مطبع مجتبائی باب من اجاز طلاق الثلاث)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں "رفاعہ کی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے رفاعہ نے تین طلاقیں بائنہ دے دیں بعدہٗ میں نے عبدالرحمٰن سے نکاح کیا لیکن اس کے پاس تو کپڑے کے پھندنے کی طرح (یعنی نامرد) ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو شاید پھر رفاعہ سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ (اس کے دل میں تھا کہ ہاں کہے) حضور ﷺ نے یہ بات بھانپ کر کہا) نہیں، تاوقتیکہ وہ (دوسرا شوہر) تیرا مزہ چکھے اور تو اس (دوسرے شوہر) کا مزہ چکھے (یعنی جب تک دوسرے شوہر سے صحبت نہ ہو حلالہ درست نہیں)

(۷) عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنه قال کنا مع النبی علیه السلام فی غزوة فلما قفلنا کنا قریباً من المدینة تعجلت علی بعیر لی قطوف فلحقنی راکب من خلفی فنخس بعیری بعنزة کانت معه فسار بعیری کا حسن ما انت راء من الا بل فالتفت فاذآ انا بر سول اللہ صلی اللہ علیه وسلم .فقلت یارسول اللہ انی حدیث عهد بعرس قال اتزوجت قلت نعم قال بکراً ام ثیبا قال قلت بل ثیباً قال فهلا بکرا تلاعبها تلاعبک وقال فلما قدمنا ذهبنا لندخل فقال امهلوا حتی تدخلوا لیلاً ای عشاء لکی تمتشط الشعثة وتستحد المغیبة .

ترجمہ:

(از قولہٗ اتزوجت الخ) حضور ﷺ نے حضرت جابرؓ سے (سفر سے واپسی پر پوچھا کہ تم نے دوشیزہ سے نکاح کیا یا شادی شدہ کے ساتھ؟ کہا کہ بیوہ (ثیبہ) کے ساتھ! آپ ﷺ نے فرمایا تم نے باکرہ (کنواری) سے نکاح کیوں نہیں کیا کہ وہ تم سے دل لگی کرتی اور تم اس سے دل لگی کرتے! پھر جب مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ عشاء تک یہیں ٹھیرے رہو کہ عورتیں بال سنوار لیں (کنگھی کرلیں) اور موئے زیر ناف بھی لے لیں)، (خلاصہ) (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۹ پ ۲۲ باب طلب الولد)

صرف سات حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ اس طرح کی حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہو سکتی تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام۔ اس مصنوعی شرم سے ناآشنا تھے جو سامرودی صاحب کے کارخانہ غیرت میں ڈالی جاتی ہے۔ جب دین کا بڑا حصہ عورتوں سے متعلق ہے تو ان کے بیان کرنے میں وہی کوتاہ اندیش مصنوعی شرم کر سکتا ہے جو دین کی تعلیم کو ادھوری رکھنا چاہے اور دینی تعلیمات میں خیانت گوارا کرے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان اللہ لا

يستحيى من الحق. حق بات میں اللہ شرم نہیں کرتا۔ تو اس نے نیک اور دیانت دار بندوں کی شان بھی یہی ہوتی ہے مگر سامرودی صاحب کو حق و دیانت سے کوئی واسطہ نہیں، ان کے نزدیک حق صرف یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو مذہب احناف کو بدنام کریں اور فقہاء کرام کی توہین میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھیں۔ آپ بڑی جگر سوزی سے فرماتے ہیں۔

اے پیارے دینی بھائیو! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، کب تک سوتے رہو گے؟ اپنی مذہبی کتابوں میں کیا کیا لکھا ہے، ہمارے علماء نے ہمیں یہ سمجھا کر سلا رکھا ہے کہ فقہ خاص قرآن وحدیث کا مغز و لب لباب ہے۔

آگے رقمطراز ہیں:۔ جن کتب میں ایسی عجیب و غریب گندی باتیں لکھ کر لذت اندوزی ہوتی ہو وہ کیا مذہبی کتابیں ہو سکتی ہیں؟ اور ایک جگہ لکھتے ہیں:۔ قابل تفکر ہے ذرا غیرت کو قریب آنے دو اور عقل و دانش سے کام لو۔ غیر قوم نے ایسی ایسی باتوں پر تنقید کی ہے۔"

اور لکھتے ہیں:۔ کیا مذہب اسلام ایسا ہی ہوگا کہ ایسی باتیں کتابوں میں لکھتے ہیں۔ آریہ سماج میں ہونا چاہئے ایک مذہبی کتابوں میں قطعاً نہ ہونا چاہئے، اور لکھتے ہیں:۔ کہ ہم نے تو بطور نمونہ اتنے مسائل تحریر کئے ہیں دوسرے لکھنے سے قلب مضطرب ہے اور قلم لرزاں۔

میں ہوں آپ کا خیر خواہ ناچیز عبدالجلیل سامرودی۔ بتاریخ ۲۱/۶/۵۰ء ایک دوسری جگہ مذہب حنفی پر طنزاً لکھتے ہیں:۔

"جس مذہب میں ایسی خوبیاں ہوں وہ دنیا میں مقبول کیوں نہ ہو؟ کیونکہ ب دل پسند باتیں اس میں مل جاتی ہیں، ایسی باتیں کلام اللہ اور احادیث نبوی میں تو کہاں سے ملے؟

سامرودی صاحب کا یہ طنز صرف نادانوں کو مشتعل کرنے اور حضرات فقہاء کرام کی توہین کے لئے ہے۔ ورنہ آیات کلام اللہ اور احادیث مقدسہ کی مثالیں اوپر گذر چکی ہیں جو بانگ دہل پکار رہی ہیں کہ مسائل دین کی تعلیم میں نہ اللہ تعالیٰ خیانت آمیز شرم و حیا جائز قرار دیتے ہیں نہ اللہ کے رسول۔ اور ان کے صحابہ کرام (صلوات اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین)

سامرودی صاحب ائمہ مجتہدین کی تقلید نہیں کرتے۔ مگر آپ کو یہود مدینہ اور مشرکین کی تقلید کا فخر حاصل ہے۔ ذیل کی دو روایتیں مطالعہ کیجئے اور ملاحظہ فرمائیے کہ سامرودی صاحب غیر مقلد ہوتے ہوئے کس کی تقلید کر رہے ہیں۔

(۱) عن سلمان قال قال بعض المشركين وهو يستهزئ انى لا رى صاحبكم يعلمكم حتى الخراءة قلت اجل امرنا ان لا نستقبل القبلة وان لا نستنجى بايماننا ولا نكتفى بدون ثلاثة احجار ليس فيها رجيع ولا عظيم رواه مسلم.

ترجمہ:

کسی مشرک نے استہزاءً حضرت سلمان فارسی سے کہا کہ تمہارا ساتھی (نبی) تو تمہیں پیشاب، پائخانہ تک کی (بھی) تعلیم دیتا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ (حضور ﷺ ہم پر باپ جیسے شفیق ہیں) آنحضرت ﷺ

نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ پیشاب پائخانہ کے لئے قبلہ رخ ہو کر نہ بیٹھیں اور سیدھے (داہنے) ہاتھ سے استنجانہ کریں تین ڈھیلوں سے کم پر کفایت نہ کریں۔ تین ڈھیلے استعمال کریں، لید (گوبر) ہڈی وغیرہ استعمال نہ کریں (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما انا لكم مثل الوالد لولده اعلمكم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها وامر بثلاثة احجار ونهى عن الروث والرمة ونهى ان يستطيب الرجل بيمينه. (رواه ابن ماجه والدارمى)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تم لوگوں کے لے ایسا ہوں جیسے باپ بیٹے کے لئے ہوتا ہے۔ میں تمہیں سکھلاتا ہوں کہ جب بیت الخلاء جاؤ قبلہ رخ نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف پشت کرو اور (صفائی کے لئے) تین ڈھیلوں کا حکم فرمایا اور لید اور ہڈی (کے استعمال) سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آدمی اپنے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

علماء اور فقہاء انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں اور امت کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ نیز دین کے رہبر اور مذہبی پیشوا ہیں۔ انہوں نے قیامت تک آنے والی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے مسائل کو قرآن وحدیث (فرامین رسول) و تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روشنی میں بالتفصیل مرتب کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے کوئی بات پیش آئے تو اس کا حل تلاش کرنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ ہمیں ان کا احسان ماننا چاہئے چہ جائیکہ ان کی مذمت، مذاق اور ان کی شان میں گستاخی کی جائے۔

اصل مسئلہ کی طرف رجوع:

القصہ انزال کے باوجود روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور عدم فساد پر اجماع ہے۔ یہ دوسری ہی صورت ہے۔ وطی بہیمہ مع الانزال والی یہ صورت نہیں ہے وہ صورت تو فرج بہیمہ کو محض مس کرنے اور تقبیل بہیمہ کرنے کی ہے۔ جماع اور وطی کی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ شامی میں اسی موقع پر تصریح اور تفصیل کی ہے کہ روزہ کو فاسد کردینے والی یہ چند صورتیں ہیں۔

(۱) الجماع صورةً وهو ظاهر (عورت مشتہاۃ ہو تو وطی بھی شرط نہیں) (۲) او معنىً فقط وهو الانزال عن مباشرة بفرجه لا فى فرج (کالا ستمناء باليد) (۳) او فى فرج غير مشتهى عادةً (جیسا کہ بہیمہ اور میتہ وغیرہ معدوم الشہوت کے ساتھ) (۴) او عن مباشرة بغير فرجه فى محل مشتهى عادةً (جیسا کہ عورت کے ساتھ مباشرت) (۵) الا نزال بعمل المرأتين فانها مباشرة فرج بفرج لافى فرج (جیسا کہ عورت کا عورت کے ساتھ مباشرت کرنا)

جس صورت کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عدم فساد (روزہ نہ ٹوٹنے) پر اجماع ہے وہ ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے (یعنی اپنی شرم گاہ کو استعمال کئے بغیر ہاتھ سے جانور کی فرج کو چھونا۔ یا جانور کو بوسہ دینا) کسی

طرح بھی جماع اور وطی نہیں ہے۔ نہ صورۃً نہ معنیً! لہٰذا روزہ فاسد نہیں ہوگا (ہاں انزال ہونے سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔ علامہ شامی بیان فرماتے ہیں۔

اما الانزال بمس او تقبيل بهيمة انه لم يوجد فيه شيئى من معنى المجماع فصار كالانزال بنظر او تفكر فلذا لم يفسد الصوم اجماعاً (شامی ج ۲ ص ۱۳۷ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده

اللہ اکبر! کیا تحقیق ہے علامہ شامیؒ کی! اس کا نام ہے علمیت اور تفقہ! اور یہ ہے خوبی علم فقہ کی!!

داستان عہد گل رابشنو از مرغ چمن
زاغ ہا آشفتہ تر گفتند ایں فسانہ را

موسم بہار کی داستان سننا ہو تو چمن کی باذوق بلبل سے سنو۔ کوؤں نے تو اس کو بہت بڑے ڈھنگ سے سنایا ہے۔

محدث اور شیخ الاسلام بن جانا تو آسان ہے۔ مگر اس رتبے کو پہنچنا اور اہل علم کا کلام سمجھنا دشوار ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

صحیح مطلب وحقیقت مسئلہ سمجھنے کے لئے علت معلوم کرنا اور قرائن سے امداد لینا ازبس ضروری ہے۔ ظاہری الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ ہمیشہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ تو چھلکا ہوتا ہے اور مغز اندر ہوتا ہے!

حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" میں ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابن عباس نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آن کر سوال کیا کہ میں پیشاب کرتا ہوں تو "ماء دافق" نکلتا ہے۔ کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے؟ ہم نے کہا کیا یہ وہی "ماء دافق" ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں! ہم نے کہا تو غسل واجب ہے۔ وہ شخص اناللہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ حضرت ابن عباس نے جلدی سے نماز ختم کر کے حضرت عکرمہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو بلاؤ، وہ آیا، آپ نے ہم سے پوچھا۔ کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا تو کیا حدیث سے؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا کیا اقوال صحابہ سے؟ ہم نے کہا نہیں! پھر فرمایا کس کے قول پر فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا خود اپنی رائے سے! یہ سن کر فرمایا۔ لذلک يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد یعنی اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ پھر آپ نے نو وارد سے از روئے تحقیق پوچھا پیشاب کے بعد جو شئے نکلتی ہے اس وقت تمہارے دل میں شہوت یا عورت کی خواہش ہوتی ہے اس نے کہا نہیں! فرمایا مذکورہ صورت میں صرف وضو کافی ہے غسل لازم نہیں! (ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ "ماء دافق" کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے اور ظاہری معنی پر فتویٰ دے دیا گیا اور غسل کی علت پر غور وفکر نہیں کیا تو آپ سمجھ گئے کہ ان (محدثین) میں کوئی فقیہ نہیں ہے اگر فقیہ ہوتا تو وجوب غسل کی علت پر نظر رکھتا۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے اس شخص کے بیان سے معلوم فرمالیا کہ سبب غسل یعنی خروج منی کے لوازم (خواہش) موجود نہیں ہے۔ لہٰذا فتویٰ دیا کہ پیشاب کے ساتھ نکلنے والا پانی منی ہے ہی نہیں لہٰذا غسل بھی واجب نہیں!

مسائل اور احکام شرعیہ سمجھنے کے لے صرف حدیث دانی (حدیث جاننا یا یاد کر لینا) کافی نہیں ہے۔ تفقہ فی الدین بہت ضروری ہے۔

علامہ ابن جوزی حضرت امام خطابی (محدث) سے نقل فرماتے ہیں: ۔

(۱) ایک شیخ نے حدیث بیان کی ہے کہ نهى النبى عليه السلام عن الحلق قبل الصلوة يوم الجمعة اور اس کا مطلب یہ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے روز، نماز سے قبل سر منڈانے سے منع فرمایا ہے، اور پھر فاتحانہ انداز میں فرمانے لگے کہ مذکورہ حدیث پر چالیس ۴۰ سال سے میرا عمل ہے۔ امام خطابیؒ نے ان سے فرمایا کہ حضرت یہ لفظ حلق (بفتح الحاء و سكون اللام) نہیں بلکہ حلق (بكسر الحاء وفتح اللام) ہے جو حلقہ کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر نہ بیٹھے اس سے نماز وخطبہ کی تیاری میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، سو آپ نے میرے لئے بڑی آسانی فرمادی۔

قال الخطابى و كان بعض مشائخنا يروى الحديث عن النبى عليه الصلوة والسلام نهى عن الحلق قبل الصلوة يوم الجمعة (باسكان اللام) قال واخبرنى انه لقى اربعين سنةً لا يحلق رأسه قبل الصلوة قال فقلت انما هو الحلق جمع حلقة وانما كره الاجماع قبل الصلوة للعلم والمذاكرة وامر ان يشتغل بالصلوة وينصت للخطبه فقال قد فرجت عنى و كان من الصالحين (تلبيس ابليس ص ۱۶۶)

(۲) اور کتاب مذکور میں ہے۔ روينا ان بعض المحدثين روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يسقى الرجل ماءه زرع غيره فقال جماعة من حضر قد كنا اذا فضل ماء فى بساتيننا سرحناه الىٰ جير اننا ونحن نستغفر الله فما فهم القارى ولا السامع ولا شعران المراد وطى الحبالى من السبايا!

یعنی ابن جوزی فرماتے ہیں بعض محدثین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں سینچے۔ تو ان کے شاگرد حاضرین وسامعین نے کہا ہم تو اپنے باغات کا بچا پانی پڑوسیوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے اور اب ہم اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں کہ ایسا نہ کریں گے! چنانچہ (اس حدیث کا مطلب) نہ محدث صاحب سمجھے اور نہ شاگرد وسامع حالانکہ معنی یہ ہے کہ جہاد میں جو عورتیں قید کرلی جاتی ہیں ان میں جو حاملہ ہوں ان سے وضع حمل تک جماع نہ کیا جائے۔ یہ معنی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

(۳) کشف بزدوی میں ہے کہ ایک اہل حدیث استنجاء کرنے کے بعد وتر پڑھتے تھے ان سے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "من استنجى فليوتر" جو استنجا کرے اس کو چاہئے کہ وتر پڑھے! اس حدیث پر میرا عمل ہے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ڈھیلے طاق (وتر) ہونے چاہئیں۔ یعنی تین، پانچ، سات! یہ اہل حدیث سمجھا کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھنے کا حکم ہے۔ سبحان اللہ کیسی اچھی سمجھ ہے۔ فقہ سے ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے! ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ:۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه (الحدیث)

یعنی خداپاک تروتازہ کرے اس بندہ کو جو میری حدیث سنے اور یاد کرے اور یاد رکھے اور دوسرے کو پہنچا دے۔اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے حاملین فقہ کی بہ نسبت وہ زیادہ فقیہہ ہوتے ہیں جن کی طرف حدیث پہنچائی گی ہے۔(مشکوٰۃ ص ۳۵)فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

خداپاک مخالفین حدیث اور معاندین فقہ کو فہم سلیم و نیک ہدایت نصیب فرمائے۔آمین۔

رمضان میں امتحان:

(سوال ۳۱۱) دنیوی علوم (مثلاًبی،کام،بی۔اے،وغیرہ) کے امتحان کے وقت بحالت روزہ (رمضان ہی میں) امتحان میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟ روزہ رکھے یا ترک کردے اور پھر قضا کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ترک صوم یا افساد صوم کی گنجائش نہیں ہے۔روزہ کے ساتھ ہی امتحان دے۔خداتعالیٰ مدد فرمائیں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سفر میں فوت شدہ روزوں کی قضا:

(سوال ۳۱۲) بحالت سفر فوت شدہ روزوں کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں۔قضا کا وقت ملے تو قضا رکھنا ضروری ہے۔نہ رکھے تو فدیہ دینے کی وصیت لازم ہے بشرطیکہ ترکہ میں مال چھوڑ گیا ہو۔اور بحالت سفر مرگیا یا مقیم ہو کر مرا لیکن قضا کا وقت نہیں ملا تو فدیہ دینے کی وصیت واجب نہیں۔ اگر چند روزے قضا رکھنے کا وقت ملا تو اسے روزوں کی قضا لازم ہے،قضا نہ کرسکا تو ان دنوں کے فدیہ دینے کی وصیت ضروری ہے۔مثلاً بحالت سفر دس روزے فوت ہوگئے اور پانچ روزے رکھنے کا وقت ملا لیکن قضا نہ کی تو ان پانچ روزوں کے فدیہ کی وصیت لازمی ہے اس سے زائد کی نہیں۔

شامی میں ہے۔(فان ماتوا فیه) ای فی ذلک العذر (فلا تجب) علیهم (الوصیة بالفدیة) لعدم ادراکهم عدة ایام اخر (ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام اخر (درمختار.شامی ج۲ ص ۱۶۰. ۱۶۱ فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم)

بحالت صوم شرم گاہ میں دوا رکھنا کیسا؟:

(سوال ۳۱۳) بعد افطار کے کوئی عورت بوجہ بیماری کے دوا کی تھیلی باندھ کر رات کے وقت ہی اپنی شرم گاہ میں رکھے اور دوسرے دن بعد افطار کے وہ تھیلی نکالے،یا بحالت صوم دن کے وقت ہی دوا کی تھیلی رکھے اور بعد افطار کے نکال لے تو ان دونوں صورتوں میں روزے پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

17 (الجواب) روزہ شروع ہونے سے پہلے داخل فرج میں رکھی ہوئی دوا سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ہاں بحالت صوم دواء رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔فتاویٰ تیمیہ میں ہے (مسئلة) فی امراءة تضع معها دواء وقت المجامعة (الی قوله) وهل اذا بقی ذلک الدواء معها بعد الجماع ولم یخرج یجوزلها الصلوة والصوم بعد الغسل ام لا (الجواب) اما صومها وصلاتها فصحیحة وان کان ذلک الدواء فی جوفها (ج ۱ ص ۶۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بحالت صوم انجکشن لینا کیسا ہے:

(سوال ۳۱۴) بحالت صوم جو انجکشن گوشت میں لیا جاتا ہے اس سے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔لیکن جو انجکشن رگ میں دیا جاتا ہے جس سے حاجت طعام بھی رفع ہوجاتی ہے تو ایسا انجکشن رگ میں لینے سے روزے پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) بذریعہ انجکشن جسم میں دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹی۔بی (تپ دق) کے مریض کے لئے روزہ کا حکم؟:

(سوال ۳۱۵) ہمارے مکان میں ٹی بی کا مریض ہے،کم وبیش چھ ماہ سے زیر علاج ہے۔قبل ازیں ایک فوٹو (ایکسرے) لیا گیا تھا۔جس میں پھیپھڑے میں خرابی بتائی گئی تھی بعدہٗ دوسرا فوٹو تقریباً چار ماہ بعد لیا گیا تو اس میں دس بارہ آنے فائدہ معلوم ہوا اور دوا حکیم فرخ الدین صاحب کی جاری ہے،ان کا کہنا ہے کہ روزہ نہ رکھے،تو اب پندرہ روز کے بعد رمضان آرہا ہے تو اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا یہ خط حکیم صاحب کے مشورہ سے لکھا ہے۔

(الجواب) ٹی۔بی (تپ دق) کے مریض کو نقصان پہنچنے کے اندیشہ کی وجہ سے جناب حکیم صاحب روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے،تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے حکیم صاحب خود عالم ہیں اور حاذق حکیم ہیں۔لہٰذا ان کی رائے معتبر ہے۔بعد صحت قضا رکھ لے۔[2] فقط۔

بچہ کو روزہ کی حالت میں لقمہ چبا کر دینا:

(سوال ۳۱۶) بچہ چھوٹا ہے۔روٹی چبا کر کھلائی جاتی ہے اس کے بغیر نہیں کھا سکتا ہے۔ایسی صورت میں بحالت صوم روٹی چبا کر اس کی والدہ دے دے تو روزے پر کوئی اثر ہوگا۔

(الجواب) جب بچہ بغیر لقمہ چبائے نہ کھا سکتا ہو اور کوئی نرم غذا بھی نہ ہو تو لقمہ چبانا مکروہ نہیں،ہاں بلاضرورت چبانا مکروہ ہے۔اسی طرح خاوند یا مالک یا مالکہ ظالم ہوں کھانے میں نمک،مصالحہ کم وبیش ہونے پر خفا ہوتے ہوں،گالیاں دیتے ہوں تو زبان سے چکھنے سے روزہ میں خرابی نہیں آئے گی۔مالابدمنہ میں ہے"چشیدن چیزے یا

---

(۱) وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر هکذا فی شرح الجمع (عالمگیری فیما یفسد الصوم وما لا یفسد)
(۲) ومنها المریض اذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتداده فکذلک عندنا وعلیه القضاء اذا افطر کذا فی المحیط. عالمگیری، فی الاعذار التی تبیح الافطار ج ۱ ص ۲۰۷

خائیدن بے ضرورت روزہ مکروہ ات وطعام برائے طفل خائیدن درصورت ضرورت جائز باشد۔ (ص ۹۸) فقط۔

روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی معاف نہیں:

(سوال ۳۱۷) حدیث میں ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا، پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کر لے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، بخلاف نماز اور حج کے کہ ان میں بھول معاف نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے جو روزہ کو یاد دلاتی ہو اس لئے روزہ میں معاف سمجھا گیا، بخلاف نماز اور حج کے کہ نماز میں استقبال قبلہ نماز کو یاد دلانے والی ہیئت ہے اور حج میں احرام یعنی بغیر سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ ہیئت مذکرہ ہے اس لئے حج اور نماز میں معذور نہیں سمجھا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بحالت صوم طنبورہ بجانے کا کیا حکم ہے:

(سوال ۳۱۸) کوئی آدمی بحالت روزہ، بانسری، طنبورہ اور دیگر گانے بجانے کی اشیاء، دم گھونٹ کر بجائے تو روزہ میں کچھ حرج ہوگا؟

(الجواب) بحالت صوم طنبورہ وغیرہ بجانا گناہ کا کام ہے لیکن روزہ فاسد نہیں ہوگا فقط۔

روزے میں ماں چھوٹے بچہ کے لئے روٹی چبا سکتی ہے:

(سوال ۳۱۹) بچہ چھوٹا ہے۔ روٹی چبا کر دیں تو کھا سکتا ہے۔ چبائی بغیر نہیں کھا سکتا تو ماں ایسی حالت میں روٹی چبا کر بچہ کو دے تو روزہ مکروہ ہو جاتا ہے؟

(الجواب) جب بچہ چبائے بغیر کھا نہیں سکتا اور نہ کوئی نرم چیز ہے تو لقمہ چبا کر دینا مکروہ نہیں۔ ہاں بے ضرورت لقمہ چبانا مکروہ ہے۔ اسی طرح شوہر یا آقا ظالم ہو کھانے میں نمک مرچ کم ہونے پر خفا ہو کر گالی گلوچ کرتا ہو تو اس پریشانی سے بچنے کے لئے اگر نمک چکھے تو روزہ میں خرابی نہ آئے گی۔ "مالا بدمنہ" میں ہے۔ "چشیدن چیزے یا خائیدن بے ضرورت در روزہ مکروہ است وطعام برائی طفل خائیدن درصورت ضرورت جائز باشد (ص ۹۸) واللہ اعلم بالصواب۔

دانت کا خون مفسد صوم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۰) روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا۔ تو روزہ کی قضاء اور کفارہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خون قلیل مقدار میں ہو تھوک کا غلبہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ ہاں اگر خون کا مزہ حلق میں محسوس ہوگا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح خون تھوک سے زیادہ یا مساوی ہوگا تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا فقط قضاء واجب ہے۔
الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقه ان كانت الغلبة للبزاق لا يضره وان كانت الغلبة للدم يفسد صومه وان كانا سواء افسد ايضا استحساناً (فتاوىٰ عالمگیری ص ۱۳۱ ج ۲) اوخرج

الدم بين اسنانه ودخل حلقه) يعني ولم يصل الى جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساويا فسد و الا لا الا اذا وجد طعمه بزازية (درمختار مع الشامي ص ۱۳۴ ج ۲ باب ما يفسد الصوم الخ) فقط والله اعلم بالصواب .

دانت نکلوایا تو روزہ رہا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۱) رمضان میں دانت نکلوایا۔ اور خون جاری رہا۔ بحالت روزہ حلق میں بھی چلا گیا تو روزہ فاسد ہو گیا یا نہیں؟

(الجواب) خون پیٹ میں چلا گیا تو روزہ کی قضاء لازم ہے۔ قلت ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان و دخل الدم الى جوفه في النهار ولو نائماً فيجب عليه القضاء الا ان يفرق بعدم امكان التحرز عنه فيكون كالقئ الذى عاد بنفسه فليراجع. (شامي ص ۱۳۴ ايضاً) فقط والله اعلم بالصواب .

مرض پائیریا کی وجہ سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۲) پائیریا کی وجہ سے مسوڑوں میں پیپ آتی ہے۔ اس کو تھوک کے ساتھ نگل جاتا ہے اس سے روزہ ٹوٹ گا یا نہیں؟ منشاء سوال یہ ہے کہ جو چیز منہ ہی میں پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے اجزاء بالقصد یا بلا قصد تھوک کے ساتھ حلق میں چلے جائیں۔ اور دوسرے جو چیز خارج سے منہ میں رکھی۔ اور پھر مثلاً سو گیا اور سوتے میں اس کے اجزاء تھوک کے ساتھ حلق میں چلے جائیں جیسے پان منہ میں رہ گیا صبح کو آنکھ کھلی۔ ان دونوں میں فرق ہوگا یا نہیں؟ تحقیق کی ضرورت ہے۔

(الجواب) پائیریا کی پیپ کو پان کی پیک پر قیاس کرنا اور مفسد صوم قرار دینا صحیح نہیں۔ پان خارج سے منہ میں رکھا جاتا ہے اور اس کی پیک تھوک پر غالب ہوتی ہے۔ بخلاف پائیریا کی پیپ کے، کہ پائیریا ایک مستقل مرض ہے۔ پیپ منہ ہی میں پیدا ہوتی ہے اس سے احتراز ممکن نہیں پیپ کی مقدار بھی کم اور تھوک سے مغلوب ہوتی ہے۔ لہذا مفسد صوم نہ ہونا چاہئے۔ ترطبت شفتاه ببزاقه عند الكلام اوغيره فابتلعه ' لا يفسد للضرورة كذافي الزاهدى ولو سال لعابه من فيه الى ذقنه من غير ان ينقطع من داخل فمه ثم روه الىٰ فيه وابتلعه لا يفطره لانه لا يتم الخروج بخلاف ماذا انقطع كذا في الظهيرية في المقطعات . في الحجة رجل له علة يخرج الماء من فمه ثم يدخل و يذهب في الحلق لا يفسد صومه كذا في التاتارخانية ولو بقى بلل بعد المضمضة فابتلعه مع البزاق لم يفطره ولو دخل المخاط انفه من رأسه ثم استشمه فادخل حلقه عمداً لم يفطره لانه بمنزلة ريقه كذآ في محيط السرخسي. (فتاوىٰ عالمگیری ص ۱۳۱ ج ۲ الباب الرابع في ما يفسد وما لا يفسد ص ۲۰۳)

ابتلع ما بين اسنانه وهو دون الحمصة لانه تبع لريقه ولو قدرها افطر كما سيجئ. (درمختار) (قوله لانه تبع لريقه) عبارة البحر لانه قليل لا يمكن الاحتراز عنه فجعل

بمنزلة الريق (شامی ص ١٣٤ ج ٢) او خرج الدم من بين اسنانه ودخل حلقه (تنوير الابصار) قوله يعنى ولم يصل الى جوفه) ظاهر اطلاق المتن انه لا يفطر وان كان الدم غالبا على الريق صححه فى الوجيز كما فى السراج وقال وجهه انه لا يمكن الا حترازعنه عادةً فصار بمنزلة ما بين اسنانه وما يبقى من اثر المضمضة كذا فى ايضاح الصير فى اه (شامى ص ١٣٤ باب ما يفسد الصوم الخ) فقط والله اعلم بالصواب .

غیبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ٣٢٣) امام صاحب نے جمعہ کی نماز سے قبل تقریر کے دوران یہ حدیث بیان کی ۔ عن ابن عباس رضی الله عنه ان رجلين صليا صلوة الظهر او العصر وكانا صائمين فلما قضى النبى صلى الله عليه وسلم الصلوة قال اعيدوا وضوء كما وصلوتكما وامضيا فى صومكما واقضياه يوماً آخر قالا لم يا رسول الله قال اغتبتم فلاناً (مشكوة شريف ص ٤١٥ باب حفظ اللسان والغيبة والشتم) یہ حدیث پڑھ کر بتلایا کہ دو شخص جنہوں نے نماز ظہر یا عصر حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تھی نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا وضو اور نماز نہیں ہوئی کہ تم نے غیبت کی تھی اور اپنا روزہ پورا کرلو اور دوسرے دن اس کی قضا کرنا ..... امام صاحب کی نیت اس حدیث سے صرف یہ تھی کہ عوام میں غیبت کی شناعت اور برائی دلوں میں بیٹھ جائے لیکن عوام میں یہ اضطراب پیدا ہوگیا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے نماز اور روزہ نہیں ہوگا اعادہ ضروری ہوگا ۔ عوام کا یہ خیال کیا حیثیت رکھتا ہے؟ یہ حدیث عام احکام میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں وضو، نماز اور روزے کے اعادہ کا حکم خواص کے لئے حقیقتاً اور عوام کے لئے زجراً واحتیاطاً ہے۔ غیبت حرام ہے اس سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے، لہٰذا غیبت سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے ۔ یہ مطلب نہیں کہ وضو، نماز اور روزہ فاسد ہوجائے گا ۔(١) علماء نے لکھا ہے کہ روزے کے تین درجے ہیں (١) آدمی روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے دن بھر رکارہے، یہ عوام کا روزہ ہے (٢) آدمی روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے علاوہ آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ، پیر اور جمیع اعضاء کو تمام گناہ کبیرہ وصغیرہ سے روکے رکھے، یہ صالحین اور نیک مؤمنین کا روزہ ہے (٣) روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے دن بھر رکنے کے علاوہ تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے اور قلب کو بھی دنیوی خیالات اور فکروں سے روکے اس طرح کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خیال ہی قلب میں نہ آئے ۔ ایک حدیث میں ہے عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه وشرابه مشكوة باب تنزيه الصوم ص ١٧٦ . حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی روزہ رکھ کر باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے (یعنی غیبت اور گناہ کرتا رہے) تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، معلوم ہوا کہ روزہ مقبول

(١) ولو اغتاب انسانا فظن ان ذلک يفطره ثم اكل بعد ذلک متعمداً فعليه القضاء والكفارة الخ فتاوى عالمگيرى كتاب الصوم (ومما يتصل بذلک مسائل)

ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا اور جماع چھوڑنے کے علاوہ معصیات ومنکرات مثل جھوٹ غیبت چغل خوری وغیرہ سے بھی زبان کی حفاظت کرے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ١٥ جمادی الثانی ١٤٠١ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجین کا آپس میں بوسہ لینا یا چمٹنا:

(سوال ٣٢٤) کسی شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اس وجہ سے انزال ہوگیا تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، میاں بیوی دونوں کا ٹوٹے گا یا صرف شوہر کا، اگر روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جسے انزال ہوگا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اگر دونوں کو انزال ہوجائے تو دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا، مراقی الفلاح میں ہے (او) انزل (من قبلة او لمس لا كفارة عليه لما ذكرنا طحطاوی میں ہے (قوله لما ذكرنا) اى من قصور الجناية وعليه القضاء بوجود معنى الجماع ولو قبلت زوجها فامنت فسد الصوم وان امذى او امذت لا يفسد كما فى الظهيرية والتجنيس كذا فى الشرح (مراقى الفلاح وطحطاوى ص ٣٦٩، ٣٧٠ باب مايفسد الصوم ويوجب القضآء)

مالا بدمنہ میں ہے: یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شد روزہ فاسد شود والا فاسد نہ شود (مالا بدمنہ ص ٩٧) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

روزہ کی حالت میں عورت کو حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ٣٢٥) روزہ کی حالت میں اگر عورت کو حیض آجائے تو اسے کیا کرنا چاہئے، کتاب کا حوالہ دیں تو بہتر ہوگا ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر روزہ کی حالت میں عورت کو حیض آجائے تو اس کا روزہ خود بخود ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ حیض (اور نفاس) روزہ کے منافی ہے اور شئی اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی، جیسے غیر معذور شخص کو نماز میں حدث پیش آجائے تو نماز خود بخود ٹوٹ جاتی ہے، اس پر تشبہ بالصائمین لازم تو نہیں البتہ رمضان کے احترام کے پیش نظر علانیہ کھانے پینے سے اجتناب کرے اور اگر حائضہ پاک ہوجائے تو اسے بقیہ دن میں روزہ دار کی طرح رہنا چاہئے ۔

الجوهرة النيرہ میں ہے (واذا حاضت المرأة افطرت وقضت) وكذا اذا نفست وهى تاكل سراً وجهراً ولا يجب عليها التشبه واذا قدم المسافر او طهرت الحائض فى بعض النهار امسكا بقية يومها واما الحائض اذا طهرت قبل الزوال والا كل ونوت لم يكن صوما لا فرضاً ولا تطوعاً لوجود المنافى اول النهار والصوم لا يتجزى وقوله امسكا اى على الايجاب هو الصحيح قضاءً لحق الوقت لانه وقت معظم وانما لم تشبه الحائض فى حالة لتحقق المانع من التشبه (الجوهرة النيرة ص ١٤٨ ج ١ كتاب الصوم) فقط والله اعلم بالصواب.

استمناء بالید (مشت زنی) سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۶) رمضان کے روزے میں استمنا بالید (مشت زنی) کا ارتکاب ہوگیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، اگر ٹوٹ جائے تو صرف قضا کا حکم ہے یا کفارہ بھی واجب ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) روزہ کی حالت میں استمنا بالید (مشت زنی) مکروہ تحریمی اور سخت گناہ کا کام ہے اس فعل سے اگر انزال نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر انزال ہویا (منی نکل گئی) تو روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہے، کفارہ واجب نہ ہوگا، درمختار میں ہے۔(وکذا الا ستمناء بالکف) ای فی کونہ لا یفسد لکن ھذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کما سیصرح بہ وھو المختار کما یأتی الخ (درمختار و شامی ص ۱۳۶، ص ۱۳۷ ج ۲) باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کی حالت میں حلق میں دھواں داخل ہونا:

(سوال ۳۲۷) رمضان المبارک میں دن کے وقت خوشبو کے لئے مساجد میں اور گھر میں اگربتی، لوبان جلایا جاتا ہے؟ ہمارے یہاں خصوصاً جمعہ کے دن اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اگر اس کا دھواں روزہ دار کے حلق میں داخل ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) رمضان المبارک میں خوشبو کے لئے مسجد یا گھر میں لوبان، اگربتی جلانا ممنوع نہیں ہے، اگر بلا قصد وارادہ دھواں حلق میں داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر قصداً وارادۃً دھواں سونگھے اور حلق میں داخل کرے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا مراقی الفلاح میں ہے (اودخل انفہ دخان) بلا صنعہ لعدم قدرتہ علی الامتناع الی قولہ۔ وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ من ادخل بصنعہ دخاناً بای صورۃ کان الا دخال فسد صومہ سواء کان دخان عنبر او عود او غیر ھما حتی من تبخر ببخور فاواہ الی نفسہ واشم دخانا ذاکرا صومہ افطر لا مکان التحرز عن ادخال المفطر جوفہ ودماغہ وھذا مما یغفل عنہ کثیر من الناس (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۶۱، ص ۳۶۲، باب فی بیان مایفسد الصوم) (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۱۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جماع کے تصور یا عورت کی تصویر دیکھنے سے انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۲۸) کسی شخص کو روزہ کی حالت میں جماع کا تصور کرتے کرتے انزال ہوجائے یا کسی عورت کی تصویر دیکھ کر شہوت پیدا ہوا اور انزال ہوجائے تو اس صورت میں صرف قضا لازم ہے یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا، لہٰذا نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ گو یہ فعل بجائے خود حرام اور ناجائز ہے خاص کر روزہ کی حالت میں، مراقی الفلاح میں ہے (او انزل بنظر) الی فرج امرأتہ لم یفسد او فکروان ادام النظر والفکر) حتی انزل لانہ لم یوجد منہ صورۃ الجماع ولا معناہ وھو الانزال عن مباشرۃ ولا یلزم من الحرمۃ الافطار۔

طحطاوی مراقی الفلاح میں ہے (قولہ انزل بنظر) قیدبالنظر لان الانزال بالمس ولو بحائل توجد معہ الحرارۃ مفسدو لو استمنی بکفہ فعامۃ المشائخ افتوا بفساد الصوم وھو المختار کما فی القھستانی وفی الخلاصۃ لا کفارۃ علیہ (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۳۶۱، باب فی بیان ما لا یفسد الصوم)

درمختار میں ہے (او قبل) ولم ینزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الی فرجھا مراراً (او بفکر) وان طال (درمختار ص ۱۳۴ ج ۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ میں انجکشن کا حکم:

(سوال ۳۲۹) روزہ کی حالت میں انجکشن کا کیا حکم ہے؟ اور رگ کا انجکشن لیا جائے تو کیا روزہ میں حرج ہوگا؟ اور روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! دوا بذریعہ انجکشن رگوں میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا معدہ میں پہنچنا ضروری ہے اور وہ یہاں پایا نہیں جاتا ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد) دیکھئے سوراخ ذکر میں دوا ٹپکانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس لئے کہ گو دوا اندرون بدن گئی لیکن مثانہ سے آگے (معدہ میں) نہیں پہنچتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب، ۳ رمضان ۱۳۷۲ھ۔

باب ما یوجب القضاء والکفارۃ

تقویم پر اعتماد کر کے غروب آفتاب سے پہلے افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۰) ہمارے یہاں رمضان المبارک میں پہلے دوروز غروب آفتاب ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا اس وجہ سے تقویم پر اعتماد کر کے روزہ افطار کرلیا لیکن تیسرے روزے کو مطلع صاف تھا اور آفتاب غروب ہوتے ہوئے نظر آیا اگر اگلے دوروز کے حساب سے آفتاب کے غروب ہونے میں فرق تھا پہلے دوروز چھ بج کر پچاس منٹ پر افطار کیا تھا اور تیسرے روز چھ بج کر چون منٹ پر افطار کیا، اب شبہ یہ ہوا کہ پہلے دوروزے غروب سے پہلے افطار کئے گئے ہیں تو ان دوروزوں کی قضالازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تقویم ہی کو مدار بنالینا اور اس میں درج شدہ منٹ منٹ کے مطابق عمل کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصاً بادش کے دنوں میں زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے چار پانچ منٹ ٹھہر کر جب قرائن سے معلوم ہو اور دل گواہی دے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے تب افطار کرنا چاہئے، بصورت مذکورہ میں اگر ظن غالب ہو جائے کہ واقعی ہم نے قبل از وقت ہی افطار کرلیا تھا تو قضا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آیا تو روزہ افطار کرے یا نہیں؟ اس بارے میں فتاویٰ رحیمیہ اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتویٰ میں تعارض ہے، فتاویٰ رحیمیہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ افطار نہ کرے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتویٰ سے (جو مسلم گجرات فتاویٰ ستگرہ میں چھپا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرلے، ذیل میں دونوں فتویٰ درج ہیں کون سا صحیح اور قابل عمل ہے، رہنمائی فرمائیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا فتویٰ:۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے یعنی سات یا ساڑھے سات بجے دکھائی دے تو اسی وقت یعنی چاند دیکھتے ہی روزہ افطار کرے یا نہیں؟

(الجواب) کسی عورت کو اگر اس دن اخیری وقت میں حیض آجائے تو اس کو افطار کرلینے کا حکم ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حالت میں بھی ایسا کر سکتے ہیں یعنی روزہ افطار کرلینا چاہئے (مسلم گجرات فتاویٰ ستگرہ ج ۳ ص ۹۶۹)

فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ:

(سوال) عید الفطر کا چاند دیکھا آفتاب غروب ہونے میں ابھی تین چار منٹ دیر تھی اس وقت زید نے کہا کہ ہلال عید نظر آگیا لہٰذا افطار کرلینا چاہئے، بکر نے انکار کیا تاہم زید کے کہنے پر دس پندرہ آدمیوں نے روزہ افطار کر ڈالا تو ان

مفطرین کا روزہ ہوا یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے کہ تمہارا روزہ نہیں ہوا قضا کرنی ہوگی، آپ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) غروب آفتاب سے پہلے رویت ہلال کا اعتبار نہیں ہے، وہ دن رمضان ہی کا ہے عید کا نہیں، اب جس نے یہ سوچ کر افطار کیا کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے اسی لئے چاند نظر آیا تو ان پر روزہ کی فقط قضالازم ہے اور جو لوگ جانتے تھے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے اور روزہ کھول لیا ان پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً: بحمد اللہ فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ صحیح ہے غروب سے پہلے چاند نظر آجائے تو بھی افطار صحیح نہیں ہے یہ دن رمضان المبارک کا ہے اور چاند آئندہ شب کا شمار ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین غروب سے پہلے جو چاند نظر آجاتا اس کو آئندہ شب کا مانتے تھے (واذا رأی هلال رمضان او شوال نهاراً قبل الزوال او بعده فهو لليلة الآتية وقال ابو يوسف كذلك ان كان بعد الزوال وان كان قبله فللماضية يروى ذلک عن عمرو عائشة رضی اللہ عنهما والاول يروى عن علی وابن مسعود وابن عمر وانس وعن عمر ايضاً (الاختيار ج ۱ ص ۱۳۰) لہٰذا غروب سے پہلے افطار کرنا صحیح نہیں ہے قرآن میں ہے ثم اتموا الصيام الى الليل. یعنی پھر روزے کو صبح صادق سے رات آنے تک پورا کرو (سورۂ بقرہ) لہٰذا غروب سے پہلے افطار کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اس کی قضالازم ہے، بعض صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہے آپ نے جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر عمل جائز ہے، حائضہ پر قیاس کر کے روزہ افطار نہیں کر سکتے۔ حیض آتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضالازم ہے، بحالت حیض روزہ رکھنا حرام ہے اگر چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا جائز ہو تو مغرب کی نماز بھی جائز ہونا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ مجالس الابرار میں ہے ومن رأى هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدة الصوم وافطر قال فی المحيط اختلفوا في وجوب الكفارة والاكثر على الوجوب. یعنی جس نے عید کا چاند عصر کے وقت (غروب سے پہلے) دیکھا اور اس گمان سے روزہ افطار کرلیا کہ روزہ کا وقت پورا ہو گیا تو اس کے متعلق محیط میں ہے کہ کفارے کے وجوب میں اختلاف ہے اکثر علماء کرام کفارے کے وجوب کے قائل ہیں (قضا بالاتفاق واجب ہے) (مجالس الابرار ص ۱۷۳ مجلس نمبر ۲۵)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ

پس جب کہ رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا تو روزہ غروب شمس تک پورا کرنا واجب ہے اگر دن میں افطار کرلیں گے تو قضاء کفارہ دونوں واجب ہوں گے (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۰۱)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔

غروب آفتاب سے کچھ پہلے چاند نظر آجائے تو وہ چاند آئندہ شب کا چاند قرار دیا جائے گا گذشتہ شب کا نہ ہوگا اور قبل غروب دیکھنے والے کو جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلے روزہ آفتاب غروب ہونے پر حسب قاعدہ افطار کرنا چاہئے اگر پہلے افطار کرلیا جائے تو یہ روزہ نہ ہوگا اور اس کی قضا رکھنی ہوگی۔ محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۰۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

زوال کے بعد جو تیس تاریخ کو چاند نظر آیا وہ بالا جماع آئندہ شب کا ہے اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال (عید کا دن) نہیں ہے پس نہ تو کسی عالم کا مذہب ہے اور نہ حدیث صوموا لرویته وافطروا لرویته کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں، پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند ہوا نہ کسی فتویٰ کی طرف، پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس کے لئے نہیں پائی گئی جس سے شبہ معتبرہ پیدا ہو اس لئے ان لوگوں پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں الخ۔ (امداد الفتاویٰ ج۲ ص ۱۱۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک روزہ کی قضا:

(سوال ۳۳۲) ہمارے یہاں لکھنؤ اور بمبئی میں رویت ہلال کی خبر ریڈیو کے ذریعہ پہنچی، لیکن جامع مسجد دہلی کے امام نے اعلان کیا کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آیا اور گاؤں میں بھی بادل کم ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیا، لہذا کون سی خبر پر عمل کیا جائے، ریڈیو کی خبر پر یا ہمارے امام صاحب کی بات پر؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں آپ حضرات نے ریڈیوں کی خبر کا اعتبار نہ کیا اور اپنے امام صاحب کی تحقیق پر عمل کیا یہی درست ہے، دہلی، سہارنپور، کاٹھیاواڑ وغیرہ بہت سی جگہوں میں چاند نظر نہیں آیا، تیسویں تاریخ کے حساب سے جمعرات کو پہلا روزہ ہوا ہے، اب جب کہ انتیسویں کا چاند ثابت ہو چکا تو ایک روزہ کی قضا ضروری ہے، تراویح کی قضا نہیں ولو صام اهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية واهل بلدة اخرى تسعة وعشرين يوما للرؤية فعلم من صام تسعة وعشرين يوما فعليهم قضاء يوم (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص/۱۹۸ الفصل الاول فی رؤية الهلال الخ) واذا فاتت التراويح لا تقضى بجماعة ولا بغير ها هو الصحيح (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۱۷ فصل فی التراويح) ہم نے انتیسویں کا چاند دیکھا ہے اس لئے ہمارا پہلا روزہ بدھ کا ہوا ہے فقط واللہ اعلم۔

روزہ کے کفارہ میں روزہ کی طاقت ہونے کے باجود مساکین کو کھانا کھلائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۳) روزہ کے کفارہ میں ساٹھ دن روزہ رکھنے پر قادر ہو اس کے باوجود ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا روزہ پر قدرت ہونے کی حالت میں روزہ رکھنا ہی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب روزہ رکھنے پر قدرت ہے تو روزہ رکھنا ضروری ہے اس صورت میں کفارہ کی ادائیگی کے لئے ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا کافی نہ ہوگا، البتہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو اطعام سے کفارہ ادا کر سکتا ہے، شامی میں ہے (قوله ككفارة المظاهر) مرتبط بقوله وكفر اى مثلها فى الترتيب فيعتق اولا فان لم يجد صام شهرين متتابعين فان لم يستطع اطعم ستين مسكيناً لحديث الا عرابى المعروف

فى الكتب الستة الخ (شامی ج۲ ص ۱۵۰، مطلب فى كفارة الصوم)

مراقی الفلاح میں ہے (فان عجز عنه اى التحرير بعدم ملكها وملك ثمنها (صام شهرين متتابعين ليس فيها يوم عيد ولا) بعض (ايام التشريق فان لم يستطع الصوم) لمرض او كبر (اطعم ستين مسكيناً) او فقيراً الخ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳٦٦ باب ما يفسد الصوم وتجب به الكفارة)

عمدۃ الفقہ میں ہے: توڑ دینے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ ایک ہی طرح کے ہیں یعنی رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینے کا کفارہ کفارہ ظہار کے مانند ہے یعنی ترتیب میں اس کے مانند پس پہلے غلام آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام نہ ملے تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، کیونکہ حدیث اعرابی میں اسی طرح وارد ہوا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے (عمدۃ الفقہ ۳/۲۸٦) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر کے متعلق احکام

کیا بحالت سفر حضور ﷺ نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا؟:

(سوال ۳۳۴) ایک اردو اخبار اس طرح تحریر ہے کہ حضور ﷺ نے بحالت سفر روزہ توڑا تھا اور اپنے رفقاء سفر (صحابہؓ) سے افطار کرایا تھا کیا یہ مستند بات ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ یہ خاص اہم بات ہے اور "ماہنامہ پیغام" (کاوی) کے ذریعہ ضرور جواب دیں۔

(الجواب) ہاں بحالت سفر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے روزہ کے افطار کا واقعہ صحیح اور مستند ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں مدینہ شریف سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام عسفان پر پانی منگوایا، صحابہ کو بتلا کر افطار فرمایا۔ پھر مکہ مکرمہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے بحالت سفر روزہ رکھا بھی ہے اور کبھی نہیں بھی رکھا! یہ اپنی مرضی پر ہے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال سافر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی رمضان حتی بلغ عسفان ثم دعا باناء فیه شراب فشربه نهاراً لیراه الناس ثم افطر حتی دخل مکة قال ابن عباس رضی اللہ عنه فصام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وافطر ، من شاء صام ومن شاء افطر (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر الخ)

دوسری روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ روزہ کی وجہ سے صحابہ کرام کی حالت دگرگوں تھی۔ اس لئے آپ نے ایسا کیا۔ ان الناس قد شق علیهم الصیام (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم الخ)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ فقیل له بعد ذلک ان بعض الناس قد صام فقال اولئک العصاة اولئک العصاة. یعنی بعض اصحاب نے روزہ نہیں افطار کیا تھا آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ نے (بانداز خفگی) فرمایا کہ یہ نافرمان ہیں۔ یہ نافرمان ہیں (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ ایضاً) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے رخصت پر عمل کیا اور آپ کی خواہش تھی کہ سب رخصت پر عمل کریں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ یہ سفر جہاد کے لئے تھا۔ بہر حال کچھ صاحبان نے عمل نہیں کیا تو آپ کو ناگوار ہی ہوئی۔ (ﷺ)

ایک روایت میں ہے۔ عن جابر بن عبداللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر فرأی رجلاً قد اجتمع الناس علیه وقد ظلل علیه فقال ماله قالوا رجل صائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیس البران تصوموا فی السفر!

یعنی سفر میں ایک صحابی کی حالت بہت خراب ہوگئی، صحابہ جمع ہو کر اس کی خدمت کرنے لگے۔ اس پر سایہ کا انتظام کیا گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں (جان پر ظلم کر کے) روزہ رکھنا یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر الخ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی جو بہت روزے رکھتے تھے آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنے لگے کہ مجھ میں روزہ رکھنے کی طاقت وہمت ہے تو کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جی چاہے تو رکھو نہ چاہے تو مت رکھو۔ باب جواز الصوم والفطر الخ ص ۳۵۷)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم (گروہ صحابہ) حضور ﷺ کے ساتھ ۱۶ رمضان المبارک کو جہاد کے لئے نکلے تو ہم میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض غیر روزہ دار! صائم نے غیر صائم پر اور غیر صائم نے صائم پر اعتراض نہیں کیا (کیونکہ صائم عزیمت پر عامل تھے اور غیر صائم رخصت پر عمل پیرا تھے! باب جواز الصوم

یہ اور ایسی دیگر احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بحالت سفر روزہ رکھنا ضروری اور واجب نہیں ہے اگر رکھا تو عزیمت پر عمل کیا اور نہ رکھا تو رخصت پر عمل ہوا اگر روزہ رکھنے سے طبیعت خراب ہونے یا تکلیف پہنچنے کا ڈر نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔

اگر اس کو یا اس کے رفیق سفر کو نقصان یا ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ترک صوم بہتر ہے۔ درمختار شامی میں ہے:۔

(ویندب لمسافر الصوم) لآیة وان تصوموا خیر لکم والخیر بمعنی البر لا افعل تفضیل (ان لم یضره) فان شق علیه او علی رفیقه فالفطر افضل لموافقة الجماعة الخ (درمختار مع شامی ج ۲ ص ۱۶۰ فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب.

سفر میں اطمینان ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے؟:

(سوال ۳۳۵) بحالت سفر روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے۔

(الجواب) بحالت سفر روزہ رکھنے نہ رکھنے کی اجازت ہے اگر روزہ رکھنے میں تکلیف اور ضعف کا اندیشہ ہو یا ساتھیوں کو تکلیف اور پریشانی ہوتی ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے گھر پہنچ کر قضاء رکھ لے اور اگر کمزوری اور تکلیف کا ڈر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے ثم الصوم فی السفر افضل من الا فطار عند نا اذا لم یجهده الصوم ولم یضعفه وقال الشافعی الا فطار افضل بناءً علی ان الصوم فی السفر عندنا عزیمة والافطار رخصة الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۶ فصل حکم فساد الصوم) ولکن الصوم افضل ان لم یضره کما سیأتی (شامی ج ۲ ص ۱۵۸ فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب.

باب ما يتعلق بما يبيح الافطار

روزہ نہ رکھنے کے اعذار کون کون سے ہیں؟:

(استفتاء ۳۳۶) ماہِ رمضان میں کن کن وجوہ سے روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے؟ وضاحت فرمائیے!

(الجواب) پانچ اعذار ہیں۔ جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۱) مرض۔ جس کی وجہ سے روزہ کی سکت نہ ہو۔ یا روزہ سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ (رفع عذر کے بعد قضاء لازم ہے۔ (۱)

(۲) حاملہ۔ مرضعہ جن کو روزہ سے اپنی جان یا بچہ کو ایذاء و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ (رفع عذر کے بعد قضاء لازم ہے۔ (۲)

(۳) شرعی مسافر (مقیم ہونے کے بعد قضا ضروری ہے۔ (۳)

(۴) ایسا سن رسیدہ ضعیف (بوڑھا۔ بوڑھیا) جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں معذور ہو وہ روزہ کے عوض فدیہ (بنگالی وزن سے پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت) غریب کو دے۔ لیکن حق تعالیٰ روزہ رکھنے کی طاقت عطا فرمائے تو قضا لازم ہے۔ (۴)

(۵) حائضہ اور نفساء عورتوں کے لئے روزہ رکھنا درست نہیں۔ اگر رکھ لیں تو روزہ ادا نہ ہوگا۔ اور یہ گنہگار ہوں گی۔ پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا لازم ہے۔ (۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میزبان کی خاطر نفل روزہ توڑنے کا حکم:

(سوال ۳۳۷) میزبان کو مہمان کی خاطر اپنا نفل روزہ توڑنے کی اجازت ہے تو کیا مہمان بھی میزبان کی خاطر اپنا نفل روزہ توڑ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں مہمان کو بھی اجازت ہے کہ میزبان کی خاطر اپنا نفلی روزہ توڑ دے مگر قضا لازم ہوگی" وضیافت ہم عذر است افطار کند و قضا لازم شود (مالا بد منہ ص ۱۰۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ومنها المرض. المريض اذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالاجماع. فتاوىٰ عالمگيرى الاعذار التى يبيح الافطار ص ۲۰۷)
(۲) الحامل والمرضع اذا خافتا على انفسهما او ولدهما افطرتا وقضتا ايضاً
(۳) منها السفر الذى يبيح الافطار ص ۲۰٦ ايضا)
(۴) فالشيخ الفانى الذى لا يقدر على الصيام يفطر ص ۲۰۷ ايضاً
(۵) اذا حاضت المرأة او نفست افطرت. ايضا

فدیہ صوم وصلوٰۃ

متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا:

(سوال ۳۳۸) ایک روزے کا فدیہ دو مسکینوں کو اسی طرح متعدد روزے کے فدیے ایک مسکین کو دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک فدیہ کے گیہوں تھوڑے تھوڑے متعدد مساکین کو دینا درست ہے، اسی طرح اس کی قیمت بھی۔ علیٰ ہذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی صحیح ہے، شامی میں ہے کہ ایک فدیہ متعدد مساکین پر تقسیم کرنے کے متعلق امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فدیہ کا حکم کفارہ کے مثل نہیں بلکہ صدقۃ الفطر کی طرح ہے لہٰذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا درست ہے اور اس میں مشقت سے حفاظت ہے اور سہولت ہے ورنہ بڑی رقم میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا ویفدى وجوباً ولو فى اول الشهر وبلا تعدد فقير (درمختار) (قوله وبلا تعدد فقير) اى بخلاف نحو كفارة اليمين للنص فيها على التعدد فلو اعطى هنا مسكيناً صاعاً عن يومين جاز الخ (شامى ج ۲ ص ۱٦۳. ۱٦۴ فصل فى العوارض المبيحه للصوم) فقط والله اعلم بالصواب.

روزہ کا فدیہ کب دے سکتا ہے؟:

(سوال ۳۳۹) روزہ کا فدیہ کون ادا کرے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا، نہ فی الحال نہ آئندہ، وہ فدیہ دے۔ (۱) فقط والله اعلم بالصواب.

روزہ کا فدیہ:

(سوال ۳۴۰) روزہ کا فدیہ کب دے سکتے ہیں؟

(الجواب) جو شخص ایسا بوڑھا ہو گیا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور یہ امید بھی نہیں کہ مستقبل میں روزہ کی قضا کر سکے گا، یا ایسا بیمار ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور اب اچھے ہونے کی بھی امید نہیں تو ایسی حالت میں روزہ کا فدیہ دے، یعنی ہر روزہ کے بدلے پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت یا بقدر قیمت کپڑے یا دینی کتابیں مستحق کو

(۱) فالشيخ الفانى الذى لا يقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل مسكينا كما يطعم فى الكفارة. فتاوى عالمگيرى الافطار التى يبيح الافطار ج ۱ ص ۲۰۷

دے دے، فدیہ ادا کرنے کے بعد موت سے پہلے روزہ رکھنے کی طاقت حاصل ہوگئی تو روزے کی قضا ضروری ہے۔

شیخ فانی کہ از روزہ عاجز باشد افطار کند وعوض ہر روزہ بقدر صدقہ فطر اطعام کند پس اگر قدرت روزہ بہم رسید قضا بروئے واجب شود (مالابدمنہ ص ۹۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کی نماز روزہ کا فدیہ اس کے اصول وفروع کو دینا یا بہو کو دینا:

(سوال ۳۴۱) کسی میت کی نماز، روزہ کا فدیہ اس کے اصول وفروع کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بہو کو اگر وہ مستحق ہو تو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ فدیہ کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: فدیہ کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے، اس لئے اصول وفروع کو نہیں دے سکتے، بہو (لڑکے کی زوجہ) کو اگر وہ مستحق ہو تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۸ شوال ۱۳۸۷ھ۔

صیام تطوع

موجودہ زمانہ میں صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں؟

(سوال ۳۴۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عاشوراء کے روزے کے بارے میں فقہاء کرام نے حدیث تشابہ بالیہود کے سبب بجائے ایک روزہ کے دو روزے کو مسنون قرار دیا ہے اور صرف عاشوراء کے روزے کو مکروہ قرار دیا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا کہ آپ پہلے صرف عاشوراء کے روزے کو کافی وغیر مکروہ قرار دیتے تھے (امداد الفتاویٰ جلد دوم میں آپ کا رجوع منقول ہے) اب ایک مقتدر عالم نے حدیث تشبہ بالیہود کے تحت اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے (قولہ۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یوم عاشوراء کو روزہ نہیں رکھتے بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لئے اب کسی اشتراک اور تشبیہ کا سوال ہی نہیں رہا۔ لہٰذا فی زماننا رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے) مولانا کی اس تجویز کے بارے میں حضرات مفتیان کرام کی کیا رائے ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہ محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشوراء کے روزہ کا سنت ہونا حضور ﷺ کے عمل اور قول سے ثابت ہے اور تشبہ سے بچنے کے لئے نویں تاریخ کے روزے کا قصد بھی ثابت ہے۔ یہودیوں میں عاشوراء کے روزے کا رواج نہیں ہے یہ ثابت کرنا مشکل ہے ان میں سے بعض پرانے لوگ جو بزعم خود اپنے مذہب کے پابند ہیں روزہ رکھتے ہوں گے، لہٰذا علت تشبہ قائم ہے اور اس میں بھی انکار نہیں کہ چودہ سو سال سے امت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے، تراویح کی بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا منقول نہیں لیکن امت اور اکابر کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے، علی ہذا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر ثابت نہیں ہے فقہاء نے ۲۳ نمازیں شمار کی ہیں جن کے بعد تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں اور یہ چوبیسویں نماز ہوجاتی ہے مگر توارث کی بناء پر تکبیر کہنے کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض نے واجب تک فرمادیا ہے ولا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸٦ مطلب فی تکبیر التشریق)

لہٰذا عاشوراء (یعنی دسویں محرم) کے روزے کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھنا ہوگا، اگر نویں کا نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی روزہ رکھ لے ھذا ما ظھر لی. فقط واللہ اعلم بالصواب.

نوٹ:

ایک شخص حال میں برطانیہ سے آئے تھے دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے یہاں بعض یہودیوں کو دیکھا کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں، گو اس قسم کے پرانے خیال کے لوگ بہت کم ہیں۔

کیا ستائیسویں رجب کا روزہ ہزاری روزہ ہے:

(سوال ۳۴۳) بہت سے لوگ ستائیسویں رجب کے روزہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ہزاری روزہ (یعنی ہزاروں روزوں کے برابر ثواب) سمجھتے ہیں اور اسی اعتقاد سے روزے رکھتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابل اعتماد نہیں، لہذا ستائیسویں رجب کا روزہ عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر ہزار روزوں کا ثواب ملے گا اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے، حضرت عمر فاروقؓ ستائیسویں رجب کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔

حدیث فی رجب یوم ولیلة من صام ذلک الیوم وقام تلک اللیلة کان له الا جر کمن صام مائة سنة وھی لثلث بقین من رجب بعث الله محمد اروا ه الدیلمی عن سلیمان فیه خالد بن ھیاج وابن ھیاج متروک له احادیث مناکیر کثیرة (ما ثبت بالسنة ص ۱۷۵)(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۴۹۱/۶) عن خرشة ابن الحر قال رأیت عمر بن الخطاب رضی الله عنه یضرب اکف الرجال فی صوم رجب حتی یضعوھا فی الطعام ویقول رجب وما رجب انما رجب شھر تعظمه الجاھلیة فلماجاء الا سلام ترک رواه ابن ابی شیبة والطبرانی فی الا وسط (ماثبت بالسنة ص ۱۷۳)

البتہ کوئی سنت اور ہزاری روزہ کے اعتقاد کے بغیر صرف بنیت نفل روزہ رکھے تو منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔

اعتکاف

سنت مؤکدہ اعتکاف توڑنے سے قضا لازم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۴۴) رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف توڑ دینے سے اس کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضاء کر لے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) جس دن اعتکاف توڑ دیا ہے فقط اس دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ کے ساتھ ضروری ہے بقیہ ایام کی قضاء ضروری نہیں۔ بعد رمضان کے پورے عشرہ کی قضاء مع الصوم احتیاطاً کر لے تو بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس مسجد میں پنجگانہ نماز باجماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۴۵) ہمارے گاؤں کی مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت نہیں ہوتی تو اس میں اعتکاف کر سکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب) دیگر ایام میں جماعت نہ ہوتی ہو لیکن اعتکاف کے دنوں میں جماعت ہوتی ہو تو کافی ہے۔ اعتکاف صحیح ہو جائے گا۔ آپ بخوشی اعتکاف کر سکتے ہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف غسل کے لئے کمپاؤنڈ میں جا سکتا ہے؟:

(سوال ۳۴۶) معتکف غسل کے واسطے (جمعہ یا جنابت کا) پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے مسجد کے کمپاؤنڈ میں چولہا سلگا کر پانی گرم کر سکتا ہے یا نہیں؟ ٹھنڈا پانی نقصان دیتا ہے۔

(الجواب) معتکف غسل جنابت کے لئے نکل سکتا ہے، دوسرے غسل کی اجازت نہیں ہے گرم پانی کوئی دینے والا نہ ہو تو خود کمپاؤنڈ (احاطہ) میں پانی گرم کر سکتا ہے، ضرورت شرعیہ ہے لہذا اعتکاف میں حرج نہ ہوگا۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسنون اعتکاف کی قضاء ہے یا نہیں؟:

(استفتاء ۳۴۷) ماہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ عذر کی بناء پر توڑ دیا، یا بھول سے ٹوٹ گیا تو قضاء ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے۔ اس دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ سمیت لازم ہے

(۱) فیقضی الیوم الذی افسده لا ستقلال کل یوم بنفسه شامی باب الا عتکاف ج ۲ ص ۱۸۰
(۲) فی مسجد جماعة ھو ماله امام ومؤذن ادیت فیه الخمس اولا درمختار مع الشامی حواله بالا ج ۲ ص ۱۷۶
(۳) وحرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان طبعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الا غتسال فی المسجد کذا فی النھر. درمختار مع الشامی باب الا عتکاف ص ۱۸۰

لیکن احتیاطاً اختلاف سے بچنے کے لئے بعد رمضان دس دن روزہ سمیت قضاء کرلے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (ردالمحتار تحت قول صاحب الدرالمختار اما النفل الخ ص ۱۸۰ ج ۲)۔(۱)

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزنے کا حکم؟:

(استفتاء ۳۴۸) عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا قصد ہے۔ لیکن روزہ رکھنے کی سکت نہیں ہے تو بدون روزہ رکھے اعتکاف صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسنون اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ لہذا روزہ کے بغیر اعتکاف نفلی ہے۔ مسنون اعتکاف نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت گھر میں مسنون اعتکاف کرے یا نہیں؟:

(استفتاء ۳۴۹) عورت گھر میں مسنون اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت اپنے مکان میں جہاں پنجگانہ نماز ادا کرتی ہو وہاں اعتکاف کرے۔ گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف جائز نہیں۔ وہاں اعتکاف کے وقت نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کرلے، تو وہاں اعتکاف کرسکتی ہے۔ ورنہ اعتکاف نہیں کرسکتی۔ (امرأة فی مسجد بیتها) ویکره فی المسجد. ولا یصح فی غیر موضع صلاتها. (شامی ص ۱۷۶ ج ۲ باب الاعتکاف ج۲ ص ۱۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حالت اعتکاف میں غسل جمعہ:

(استفتاء ۳۵۰) رمضان کے اخیری عشرہ کے اعتکاف میں جمعہ کے غسل سنت کے لئے نکلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض غسل کے سوا جمعہ وغیرہ کے غسل کے لئے نکل نہیں سکتے۔ وغسل لو احتلم. (در مختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۱۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جنازہ کے لئے نکلنا مفسد اعتکاف ہے یا نہیں:

(سوال ۳۵۱) معتکف کو معلوم ہوا کہ جنازہ آیا ہے اور پھر اس نے مسجد سے نکل کر نماز پڑھی تو کیا اعتکاف ٹوٹ گیا اگر ٹوٹ گیا تو کیا اس کی قضا لازم ہے؟ اگر لازم ہے تو کتنے دنوں کی؟ کیا جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا حاجت شرعیہ نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ شرعی مسجد سے خارج ہوگی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور کم از کم ایک دن کی قضا لازم ہوگی، ہمت ہو تو پورے دس دن کی قضا کرے یہ احوط ہے۔ جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا حاجت شرعیہ میں داخل نہیں ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے (فان خرج ساعة بلا عذر) معتبر (فسد الواجب) ولا اثم علیه به

(۱) حوالے پہلے سوال کے جواب میں گذر چکا ہے۔
(۲) وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقاً فقط علی المذهب درمختار مع الشامی باب الاعتکاف ج۲ ص ۱۷۷

(قوله بلا عذر معتبر) ای فی عدم الفساد فلو خرج لجنازة محرمه او زوجته فسد لانه وان کان عذراً الا انه لم یعتبر فی عدم الفساد (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۹ باب الاعتکاف) رسائل الارکان میں ہے او تعین لصلوة الجنازة ففی هذه الصورة یفسد الاعتکاف (ص ۲۲۹ خاتمه فی الاعتکاف) فقط واللہ اعلم بالصواب.

سر منڈانے اور غسل مستحب کے لئے مسجد سے نکلنا:

(سوال ۳۵۲) معتکف کے لئے ایسے امور جو نظافت سے تعلق رکھتے ہیں (مثلاً سر منڈانا، غسل مستحب کرنا) ان کے لئے خارج مسجد جانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) معتکف کے لئے سر منڈانے اور غسل مستحب کے لئے مسجد سے نکلنا درست نہیں، مفسد اعتکاف ہے، سر منڈانا ضروری ہو تو اعتکاف کی جگہ میں چادر وغیرہ بچھا کر منڈا سکتا ہے اور پوری احتیاط رکھے کہ بال وغیرہ مسجد میں گرنے نہ پائیں۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا یخرج منه الا لحاجة شرعیة او طبعیة کالبول والغائط وازالة نجاسة او اغتسال من جنابة باحتلام لانه علیه السلام کان لا یخرج من معتکفه الا لحاجة الانسان. الخ (ص ۴۰۷ باب الاعتکاف) اور غسل مستحب یہ حاجت شرعیہ وطبعیہ میں داخل نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے سئل ابو حنیفه عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد و الحجامة هل یخرج فقال لا (عالمگیری کتاب الخطر والاباحة الباب الخامس ج۶ ص ۲۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیڑی پینے اور مستحب وضو کے لئے نکلنے کا حکم:

(سوال ۳۵۳) معتکف باوضو ہے اور اس وضو سے عبادت بھی کی ہے مگر تازہ وضو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے نکل سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) معتکف بے وضو ہے اور باوضو سونا چاہتا ہے تو وضو کے لئے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جب مسنون اور مستحب غسل کے لئے نکلنے کی اجازت نہیں ہے تو باوضو سونے کے لئے بطریق اولیٰ نکلنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

(۳) معتکف بیڑی پینے کا عادی ہے، رات میں دس مرتبہ سے زیادہ بیڑی پیتا ہے تو یہ طبعی ضرورت میں داخل ہے یا نہیں اور اس کے لئے نکلنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ اور اجازت ہو تو صرف منہ صاف کرلینا کافی ہوگا یا وضو کرنا ضروری ہوگا؟ بینوا توجروا۔ (از احمد آباد)

(الجواب) (۱) جب کہ معتکف باوضو ہے تو تازہ وضو کے لئے نکلنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) جب وضو نہیں ہے اور باوضو سونا چاہتا ہے اور معتکف کے لئے ہمہ وقت باوضو رہنا اور باوضو سونا مناسب بھی ہے تو ایسا کرسکتا ہے۔ اور وضو کرکے کم از کم دو رکعت تحیة الوضوء ہی پڑھ لے اور سو جائے اس کو غسل جمعہ اور غسل مستحب پر قیاس کرنا صحیح نہیں کہ غسل کے بغیر نماز جمعہ وغیرہ صحیح ہو جاتی ہے۔ فقط۔

(۳) اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تعداد اور

مقدار کم کرے اور کچھ پینی ہی پڑے تو جس وقت استنجاء اور طہارت کے لئے نکلے اس وقت بیڑی کی حاجت بھی پوری کرے خاص بیڑی پینے کے لئے نہ نکلے مگر جب مجبور ہو جائے اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے بھی نکل سکتا ہے کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا اور مخل و مفسد اعتکاف نہ ہوگا، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے۔

(الجواب) معتکف کو جائز ہے کہ بعد نماز مغرب مسجد سے باہر جا کر حقہ پی کر اور کلی کر کے بو زائل کر کے مسجد میں چلا آوے (فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۵۷) ھذا ما ظھرلی الان فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

حالت اعتکاف میں بچوں کو پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۵۴) امام مسجد مکتب میں پڑھاتا ہے اور پڑھانے کی تنخواہ لیتا ہے وہ رمضان المبارک میں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں بچوں کو مسجد میں تعلیم دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اعتکاف کے لئے مدرسہ سے رخصت لے لی جائے رخصت نہ ملے تو مجبوراً مسجد کے اندر پڑھا سکتا ہے۔ ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلا بأس به لانه قربة وان کان بالا جرة یکره الا ان یقع لهما الضرورة کذافی محیط السرخسی (فتاوی عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراهیة الباب الخامس فی آداب المسجد الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف کے ساتھ غیر معتکف کا افطار کرنا:

(سوال ۳۵۵) امام مسجد معتکف ہے اس کے ساتھ امام تراویح جو معتکف نہیں ہے مسجد میں افطار کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) احوط یہ ہے کہ حافظ صاحب خارج مسجد شرعی اپنے کمرہ وغیرہ میں افطار کریں، اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت نفل اعتکاف کی نیت کرلیں تو معتکف کے ساتھ افطار کرسکتے ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے وقت اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک کے ساتھ نویت الاعتکاف مادمت فی المسجد کہہ لیا کریں۔ عالمگیری میں ہے ویکره النوم والاکل فیه لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیه ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ماشاء . کذا فی السراجية (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراهية الباب الخامس) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱) مسجد کی چادر سے اعتکاف کے لئے خیمہ بنانا

(۲) معتکف کے لئے مسنون افعال:

(سوال ۳۵۶) ماہ رمضان المبارک عشرۂ اخیرہ میں لوگ اعتکاف کرتے ہیں اور مسجد میں سونے کی جگہ پر چادر کا خیمہ

(چھوٹا سا حجرہ) بناتے ہیں اور چادریں مسجد کی ہوتی ہیں، اور ہر خیمہ میں ایک ایک بلب (بتی) ہوتا ہے تو ایسا خیمہ بنانا اور اس میں مسجد کی چادریں استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور معتکفین دن میں مسجد میں سوتے رہتے ہیں اور رات کو جماعت خانہ میں سب مل کر باتوں میں مشغول رہتے ہیں تو یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اعتکاف کے لئے خیمہ بنانا مستحب ہے اگر اس کام کے لئے کسی نے مسجد میں چادریں رکھیں ہیں تو مضائقہ نہیں ہے، مسجد کے پیسوں سے خریدی ہوں تو اس کو خیمہ کے لئے کام میں لانا درست نہیں، اپنی ذاتی چادر استعمال کرنا چاہئے، بجلی مسجد کے دستور کے مطابق جب تک جلتی رہے استعمال کرنا درست ہے، مقررہ وقت کے بعد جلانا درست نہیں لہذا جتنا زیادہ پاور جلا ہو معتکفین مل کر ادا کردیں مسجد کا حق اپنے ذمہ باقی نہ رکھیں، معتکف ضروری بات کرسکتا ہے، غیر ضروری دنیوی باتیں اگرچہ گناہ کی نہ ہوں مسجد میں درست نہیں ہیں۔ حدیث میں ہے جب کوئی شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اسکت یا ولی اللہ (اے اللہ کے ولی چپ رہ) اگر چپ نہیں رہتا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اسکت یا بغیض اللہ (دشمن خدا چپ رہ) اس کے بعد بھی اگر دنیوی باتوں میں لگا رہتا ہے تو کہتے ہیں اسکت لعنة اللہ علیک (تجھ پر خدا کی لعنت چپ رہ) (کتاب المدخل ج ۳ ص ۵۵)

معتکفین عبادت کے لئے، اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور حصول ثواب کے لئے بیٹھتے ہیں اگر دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو بجائے اجر و ثواب کے فرشتوں کی لعنت اور بددعا لے کر جائیں گے، لہذا معتکفین کو لازم ہے کہ بلا ضرورت ایک جگہ جمع نہ ہوں، اپنے اپنے خیمہ میں تلاوت، دعا، نوافل، ذکر اللہ، درود شریف پڑھنے اور بقدر ضرورت سونے میں مشغول رہیں، جو دنیوی امور خارج مسجد اور غیر معتکف کے لئے درست نہیں وہ مسجد میں اور پھر معتکفین کے لئے کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ مجالس الابرار میں ہے ویلازم قراءة القرآن والحدیث وعلم الدین وسیر النبی صلی اللہ علیه وسلم وقصص الانبیاء وحکایات الصالحین وکتابة امور الدین واما التکلم بما لیس بخیر فانه مکروه لغیر المعتکف فما ظنک للمعتکف فی المسجد۔ ترجمہ:۔ اور قرآن کی تلاوت اور حدیث اور علم دین اور سیرت نبی ﷺ اور صالحین کی حکایتوں اور امور دینی کے لکھنے پڑھنے کا شغل رکھے، اور فضول بات کرنا غیر معتکف کے لئے مکروہ ہے چہ جائیکہ مسجد کے اندر معتکف کے لئے (مجالس الابرار ص ۲۰۵ مجلس نمبر ۳۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

اعتکاف کے لئے چادر وغیرہ سے خیمہ بنانے کا ثبوت:

(سوال ۳۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے مسجد کے ایک کونے میں پردہ کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ یعنی پردے کا ہونا مسنون ہے یا بدعت؟ برائے کرم بحوالۂ کتب مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) معتکف کے لئے مسجد کے گوشہ میں چادر وغیرہ کا حجرہ بنالینا مستحب ہے اور اس میں ستر وغیرہ کی حفاظت ہے اس کے علاوہ اور بھی مصلحتیں ہیں، حضور اکرم ﷺ کے لئے چٹائی کا حجرہ بنانا ثابت ہے۔ بدعت نہیں ہے البتہ

معتکف ان باتوں کا خیال رکھے کہ ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکے، نمازیوں کی ایذاء کا سبب نہ بنے، صفوں کی درستی میں مخل نہ ہو۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل فی معتکفه رواه ابو داؤد وابن ماجة (قوله صلی الفجر ثم دخل فی معتکفه بصیغة المفعول ای مکان اعتکافه. الی قوله. وتاولوا الحدیث بانه صلی الله علیه وسلم دخل المعتکف وانقطع وتخلی بنفسه فانه کان فی المسجد یتخلی عن الناس فی موضع یستتر به عن اعین الناس کما ورد انه اتخذ فی المسجد حجرةً من حصیر اھ (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۹ باب الاعتکاف الفصل الثانی) (هکذا فی التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۱۵) مظاہر حق میں ہے۔ جب نماز صبح کی پڑھتے تو اس حجرے میں کہ اعتکاف کے لئے بوریے سے بنایا جاتا تھا داخل ہوتے تا کہ الگ رہیں لوگوں سے (مظاہر حق ج ۲ ص ۲۰۰) مجالس الابرار میں ہے۔ واصله ما فی الصحیحین انه علیه السلام اعتکف العشر الاول من رمضان ثم اعتکف العشر الاوسط فی قبة ترکیة ثم اطلع رأسه اھ یعنی آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا پھر درمیانی عشرہ میں ترکی خیمہ میں (اعتکاف فرمایا) پھر سر باہر نکال کر فرمایا اھ (مجالس الابرار ص ۲۰۳ مجلس نمبر ۳۱) معلوم ہوا کہ چادر وغیرہ سے حجرہ بنانا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، لہٰذا اسے بدعت نہیں کہہ سکتے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

نابالغ بچہ کا اعتکاف کرنا:

(سوال ۳۵۸) نابالغ بچہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں پر ایک نابالغ لڑکے نے اعتکاف کیا ہے اگر جائز نہ ہو تو کیا اسے اٹھا دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نابالغ لڑکا سمجھدار ہو، نماز کو سمجھتا ہو اور صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو تو معتکف ہو سکتا ہے، نفل اعتکاف ہوگا مسنون نہ ہوگا، اگر نا سمجھ ہو تو نہیں بیٹھ سکتا کہ مسجد کی بے ادبی کا اندیشہ ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

سنت مؤکدہ اعتکاف ٹوٹ جائے تو کتنے ایام کی قضا کرے:

(سوال ۳۵۹) سنت مؤکدہ اعتکاف ٹوٹ جائے یعنی کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے ایام کی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے سنت مؤکدہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے بدون روزہ اعتکاف معتبر نہ ہوگا اور یہ اعتکاف توڑ دینے یا ٹوٹ جانے سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ صرف ایک روز کے اعتکاف کی (یعنی جس روز ٹوٹا ہے اس روز کی) قضا واجب ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اعتکاف کا ہر دن جداگانہ

(۱) اما البلوغ فلیس بشرط لصحة الاعتکاف فیصح من الصبی العاقل الخ فتاوی عالمگیری باب الاعتکاف ص ۲۱۱

ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق پورے دس ایام کی یا کم از کم باقی دنوں کی قضا واجب ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ اما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل کما مر (درمختار) (قوله اما النفل) ای الشامل للسنة المؤکدة ح قلت ما قدمنا یفید اشتراط الصوم فیها بناء علی انها مقدرة بالعشر الاخیر ومفاد التقدیر ایضا اللزوم بالشروع تأمل ثم رأیت المحقق ابن الهمام قال ومقتضی النظر لو شرع فی نفل ثم افسده' ان یجب قضاءه تخریجاً علی قول ابی یوسف فی الشروع فی نفل الصلوة ناویاً اربعاً لا علی قولهما اھ ای یلزمه قضاء العشر کله لوا فسد بعضه کما یلزمه قضاء اربع لو شرع فی نفل ثم افسد الشفع الاول عند ابی یوسف لکن صحح فی الخلاصة انه لا یقضی الا رکعتین کقولهما الی قوله . وعلی کل فیظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتکاف المسنون بالشروع وان لزوم قضاء جمیعه او باقیه مخرج علی قول ابی یوسف رحمه الله اما علی قول غیره فیقضی الیوم الذی افسده لا ستقلال کل یوم بنفسه. الی قوله . والحاصل ان الوجه یقتضی لزوم کل یوم شرع فیه عندهما بناء علی لزوم صومه بخلاف الباقی لان کل یوم بمنزلة شفع من النفل الرباعیة وان کان المسنون هو اعتکاف العشر بتمامه تامل (درمختار وشامی ج ۲ ص ۱۸۰ باب الاعتکاف) فقط والله اعلم بالصواب .

معتکف مسجد میں چارپائی پر سو سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۶۰) معتکف اپنے معتکف (حجرہ) میں چارپائی (پلنگ) پر سو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) معتکف مسجد میں چارپائی پر سو سکتا ہے کما فی سفر السعادة وابن ماجة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا اعتکف طرح له فراشه او یوضع له سریره' وراء سطوانة التوبة (مجموعه فتاوی ج ۲ ص ۱۸) فقط والله اعلم بالصواب .

معتکف مسجد میں ضرورتاً چہل قدمی کر سکتا ہے؟:

(سوال ۳۶۱) مسجد کے اندر ٹہلنا (چہل قدمی کرنا) ضرورتاً جائز ہے یا نہیں؟ معتکف وغیر معتکف میں فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں عمل غیر موضوع لہ المسجد کرنا قصداً واعتیاداً ناجائز ہے اور یہ مشی (ٹہلنا) بھی ایسا ہی ہے لہٰذا منع کیا جائے گا (تتمۂ رابعہ امداد الفتاوی ص ۱۷) مگر معتکف کے لئے ضرورتاً بقدر حاجت اجازت ہوگی جب کہ ٹہلنے کا طرز مسجد کے احترام کے خلاف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مجبوری کی وجہ سے مردے کو غسل دینے کیلئے نکلا تو؟:

(سوال ۳۶۲) معتکف مسجد سے ضرورتاً نکلے، مثلاً میت کو غسل دینے والا کوئی نہ ہو، نماز جنازہ پڑھانے والا دوسرا کوئی

نہ ہو اس لئے مسجد سے نکلے تو اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ بینوا توجروا

(الجواب) طبعی اور شرعی حاجت کے سوا دیگر ضرورت سے نکلنا مفسد اعتکاف ہے مثلاً صورت مسئولہ میں غسل میت یا نماز جنازہ کے لئے یا گواہی دینے کے لئے متعین ہو جانے پر کہ اگر اس نے گواہی نہ دی تو اس شخص کا حق مارا جائے گا، اسی طرح کسی ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے کو بچانے کی نیت سے نکلے تب بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا مگر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ان صورتوں میں نکلنا ضروری ہو جائے گا (فان خرج ساعة بلا عذر) معتبر (فسد الواجب) ولا اثم علیه به (مراقی الفلاح) (قوله بلا عذر معتبر) ای فی عدم الفساد فلو خرج لجنازة محرمة او زوجته فسد لا نه وان کان عذراً الا انه لم یعتبر فی عدم الفساد (قوله ولا اثم علیه) أی بالعذر واما بغیر العذر فیأثم لقوله تعالیٰ و لا تبطلوا اعمالکم (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۸، ۴۰۹ باب الاعتکاف) اوتعین لصلوة الجنازة ففی هذه الصور یفسد الا عتکاف وان لم یاثم بالخروج والافساد (رسائل الا رکان ص ۲۲۹) فقط واللہ اعلم بالصواب.

معتکف کے لئے تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد کا حکم:

(سوال ۳۶۳) معتکف جب بھی وضو کرنے کے لئے جائے تو تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تحیۃ الوضوء پڑھے تحیۃ المسجد دن میں ایک بار کافی ہے، وتستحب التحیة لد اخله فان کان ممن یتکرر دخوله کفته رکعتان کل یوم (الاشباه) وفی الحموی. وفی السراج الوهاج فان قیل هل تسن تحیة المسجد کلما دخله ام لا قیل فیه خلاف قال بعضهم نعم لانه معتبر بتحیة الا نسان فانه یحییه کما لقیه وقال بعضهم مرةً واحدةً وهذا اذا کان نائیاً (ای بعیداً) اما اذا کان جار المسجد لا یصلیها کما لا یحسن لاهل مکة طواف القدوم. (الاشباه والنظائر مع حاشیه حموی ص ۵۵۹ احکام المسجد. الفن الثالث) فقط واللہ اعلم.

مسجد نہ ہونے کی وجہ سے ایسے مکان میں اعتکاف کرنا جہاں پنجوقتہ جماعت ہوتی ہے:

(سوال ۳۶۴) ایک بستی میں مسجد نہیں ہے لیکن یہاں ایک مکان میں پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کرنے کا انتظام ہے تو ایسے مکان میں اعتکاف صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ اعتکاف ادا ہوگا یا نہیں؟ اور اعتکاف نہ کرنے کی صورت میں پوری بستی کے ذمہ سنت مؤکدہ اعتکاف ادا نہ کرنے کا بار رہے گا یا نہیں؟ یا کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ بستی میں مسجد ہی نہیں ہے تو جس مکان میں پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کرنے کا انتظام ہو اس میں اعتکاف کیا جائے امید ہے کہ سنت مؤکدہ کا ثواب ملے گا، نہ کیا تو کوتاہی کا بار رہے گا جتنا ہو سکے کر گذرنا چاہئے قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وقالوا لما سقط عن المرأة فی صلوتها المسجد الجامع کذلک سقط فی اعتکافها المسجد الجامع باب الاعتکاف (رسائل الا رکان ص ۲۲۹) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نوٹ:

جس مکان میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں وہاں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ لیکن مسجد کے ثواب سے محروم رہے گی اس لئے مسجد بنانے کی کوشش جاری رکھیں۔ ۱ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

مسجد شہید کردی ہے تو اعتکاف کہاں کیا جائے:

(سوال ۳۶۵) بستی میں مسجد تھی لیکن شہید کردی گئی ہے اور دوسری جگہ مدرسہ میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں تو کیا وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں؟ اور اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ اعتکاف ادا ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔ کھلوڈ ضلع سورت۔

(الجواب) اگر شہید شدہ مسجد میں اعتکاف کرنا ممکن نہ ہو اور بستی میں دوسری مسجد ہو تو وہاں اعتکاف کیا جائے، مدرسہ کا اعتکاف معتبر نہ ہوگا، اگر مسجد نہیں ہے تو صحیح ہو جائے گا انشاء اللہ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

سرکاری وظیفہ لینے کے لئے مسجد سے نکلنا:

(سوال ۳۶۶) یہاں (برطانیہ، انگلینڈ) میں کام کرنے والے حضرات بہت کم اعتکاف کرتے ہیں اکثر معتکفین وہی ہوتے ہیں جو کارخانہ وغیرہ میں کام نہیں کرتے لیکن ایسے لوگوں کو ہفتہ میں ایک مرتبہ سرکاری آفس میں حاضر ہو کر دستخط کرنے پر پیسے ملتے ہیں یہی ان کی تنخواہ (وظیفہ) ہے اگر آفس میں نہ جائیں تو وظیفہ نہیں ملتا تو دستخط کرنے کے لئے معتکف جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (از لندن)

(الجواب) اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہو سکتا ہو تب تو جا سکے گا اور دستخط کر کے فوراً مسجد میں آجائے اور احتیاطاً بعد میں ایک روز کے اعتکاف کی قضا بھی کر لے اور اگر اس پر گذران موقوف نہ ہو تو جانے کی اجازت نہیں۔ جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور ابطال اعتکاف کا گناہ بھی ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹۔ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

نفل اعتکاف میں جمعہ کے غسل کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۶۷) ایک شخص نے رمضان المبارک کے پورے ماہ کا اعتکاف کیا ہے اس نے اعتکاف شروع کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ میں جمعہ کے غسل مستحب کے لئے نکلوں گا، مسجد کے احاطہ میں غسل خانہ ہے اس صورت میں وہ غسل کے لئے نکل سکتا ہے؟ اگر نیت نہ کی ہو تو جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس میں اور نذر کے واجب اعتکاف میں واجب غسل کے علاوہ جمعہ وغیرہ کے غسل کے لئے نکلنے کی اجازت نہیں، عشرۂ اولیٰ اور عشرۂ ثانیہ کا اعتکاف (اگر نذر نہ مانی ہو تو) نفل ہے اس میں جمعہ کے غسل کے لئے (یا جنازہ کی نماز کے لئے یا مریض کی عیادت کے لئے) نکلنے کی نیت نہ ہو یا نہ کی ہو نکلنے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا اس کو فاسد ہونا نہیں کہا جائے گا اور جب مسجد میں دوبارہ داخل ہوگا اس

وقت سے پھر نفل اعتکاف شروع ہوگا۔ والقسم الثالث (مستحب فیما سواہ) ای فی ای وقت شاء سوی العشر الاخیر ولم یکن منذوراً (مراقی الفلاح ص ۴۰۸ باب الاعتکاف) چندسطروں کے بعد ہے (وانتھی بہ) ای بالخروج (غیرہ) ای غیر الواجب وھو النفل اذلیس لہ حد (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۰۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقدمہ کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۶۸) ایک شخص معتکف ہے اور عشرۂ اخیرہ میں اس کے ایک مقدمہ کی تاریخ ہے اس دن کورٹ (کچہری) میں اس کی حاضری ضروری ہے، صورت مسئولہ میں یہ معتکف مجبوری کی وجہ سے کورٹ میں حاضری دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقدمہ کے لئے نکلے گا تو اس کا سنت موکدہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا اگر مجبوراً نکلنا پڑ رہا ہے تو گنہگار نہ ہوگا، اور صاحبین رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق اگر نصف یوم سے زیادہ باہر نہ رہے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا، ایسی مجبوری کی حالت میں اس مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ وقالا ان خرج اکثر الیوم فسد والا فلا۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۰۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس شخص کے بدن سے بدبو آتی ہو اس کا اعتکاف کرنا اور جماعت میں شریک ہونا:

(سوال ۳۶۹) (۱) ایک شخص کو پیدائشی ناک کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ایسے شخص کا اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے۔

(۲) اور ایسا شخص نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں جائے یا نہیں؟ دوسرے مصلی اس چیز کو برداشت کرنے پر خوش ہوں بلکہ اس کو عدم حاضری سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر بھی احترام مسجد کے خیال سے اس کو مسجد میں جانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذا پاتے ہیں (بخاری شریف وغیرہ) حدیث معلل ہے بایذا انسان و ملائکہ۔ اس لئے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بو سے لوگوں کو ناگواری اور اذیت ہوتی ہو تو اسے مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہئے، وسیلۃ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے قال الفقہاء وکل من وجد فیہ رائحۃ کریھۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ یعنی فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کے بدن میں ایسی ناگوار بو پائی جائے جس کی وجہ سے آدمیوں کو اذیت ہو تو اسے نکال دینا چاہئے۔ (از۔ اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) بدبو، ناگواری اور تکلیف دہ حد تک پہنچی ہوئی ہو لیکن احباب اسے برداشت کر لیتے ہوں یا عادی بن گئے ہوں تاہم اسے مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ مسجد جائے حضوری ملائکہ ہے، ان کو اور دوسرے لوگوں کو اذیت ہوگی، البتہ اگر بدبو خفیف ہو تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہو تو نماز پنجگانہ کے لئے دافع بدبو عطر وغیرہ لگا کر جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اخراج ریح کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۷۰) معتکف اخراج ریح کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے؟ یا اس کے لئے مسجد میں اخراج ریح درست ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں صحیح یہ ہے کہ اخراج ریح کے لئے باہر چلا جائے قولہ واخراج الریح فیہ من الدبر ای یکرہ الی قولہ بل یخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح انتھی والعلۃ فی ذلک ان الملائکۃ تتاذی بما یتاذی بہ بنو آدم کما ورد فی الحدیث (حموی شرح اشباہ ص ۵۶۰ احکام المسجد) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف کا دواعی وطی کرنا:

(سوال ۳۷۱) معتکف سے اس کی بیوی ملنے کے لئے آئی معتکف نے اس سے بوس و کنار کیا تو اس سے اعتکاف میں نقص آئے گا؟

(الجواب) حالت اعتکاف میں معتکف کے لئے دواعی وطی (یعنی بغل گیری اور بوسہ دینا) بھی جائز نہیں۔ لیکن اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر انزال ہوگیا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

مالابدمنہ میں ہے: معتکف را وطی و دواعی وطی حرام است واز وطی اگرچہ بشب باشد یا بفراموشی باشد اعتکاف فاسد شود واز مس وقبلہ اگر انزال کند اعتکاف فاسد شود والا نہ (ص ۹۷) ویبطل الاعتکاف بالوطی مطلقاً وبالدواعی ان انزل والا فلا (مجالس الابرار مجلس ص ۳۱ ص ۲۱۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف کا بیوی سے گفتگو کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷۲) ایک شخص اعتکاف میں ہے وہ اپنی زوجہ سے ضروری بات چیت مثلاً کھانے یا دوسری شئی کے متعلق بات کرسکتا ہے یا نہیں؟

نیز بیوی سے پیار و محبت کی بات چیت کرنے سے یا بغرض استنجاء معتکف سے باہر گیا بعد میں نیت بگڑی اور عورت سے صحبت کرلی تو اعتکاف فاسد ہوگیا یا نہیں؟ ہمارے گاؤں میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی بھی عورت کا چہرہ دیکھ لینے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے ان امور کا جواب دے کر ممنون فرمادیں۔

(الجواب) حالت اعتکاف میں ضرورت کی بات چیت عورت سے کرنے کی اجازت ہے مگر پیار و محبت نیز بغل گیری اور چوما چاٹی مکروہ ہے اور صحبت کرنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔

ویکرہ تحریما صمت وتکلم الا بخیر وھو مالا اثم فیہ ومنہ المباح عند الحاجۃ الیہ لا عند عدمھا وبطل بوطء فی فرج ولو لیلا او ناسیا وبانزال بقبلۃ اولمس او تفخیذ ولو لم ینزل لم یبطل وان حرم الکل ای کل ماذاکر من دواعی الوطء اذا لا یلزم من عدم البطلان بھا

حلها العذم الحرج (شامی ۲/۱۸۵، ص ۱۸۶ باب الاعتکاف) فقط واللہ اعلم بالصواب

عورت اخیر عشرہ کا اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ اعتکاف میں حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۳۷۳) عورت رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اعتکاف کرنا ہو تو کہاں کرے؟ اعتکاف کی حالت میں اگر اسے حیض آجائے تو کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، عورت بھی یہ مسنون اعتکاف کرسکتی ہے، عورت اپنے گھر کی مسجد (جو جگہ نماز کے لئے متعین کی ہے اگر متعین نہ ہو تو اب کرلے) میں اعتکاف کرے اس اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے عورت کا حیض یا نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے، اگر اعتکاف کے درمیان حیض آجائے تو اعتکاف چھوڑ دے، حیض کی حالت میں اعتکاف درست نہیں اور پاک ہونے کے بعد کم از کم ایک دن کی (جس روز حیض آیا ہے) روزے کے ساتھ قضا کرے، اور اگر ہمت ہو تو پورے دس دنوں یا بقیہ دنوں کے اعتکاف کی روزے کے ساتھ قضا کرے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ولو حاضت المرأة فی حال الا عتکاف فسد اعتکافها لان الحیض ینا فی اهلیة الا عتکاف لمنا فاتها الصوم ولهذا منعت من العقاد الا عتکاف فتمنع من البقاء (بدائع ص ۱۱۶ ج ۲ کتاب الاعتکاف) فقط واللہ اعلم بالصواب.

معتکف کا لوگوں سے گفتگو اور ملاقات کرنا:

(سوال ۳۷۴) معتکف کن عوارض کی وجہ سے خارج مسجد جاسکتا ہے مثلاً خارج مسجد یعنی صحن میں کوئی عزیز و رشتہ دار ملنے کی غرض سے آوے تو ان سے ملنے کے لئے جاسکتا ہے؟ ایسے ہی بار بار تھوکنے کے لئے یا نفلی عبادت کا وضو کرنے کے لئے جماعت خانہ سے باہر جاسکتا ہے؟ پانی پینے کا مٹکا جماعت خانہ سے باہر رکھا ہے تو کیا پانی پینے کے لئے وہاں جانا درست ہے یا جماعت خانہ میں پانی کا انتظام کرنا ضروری ہوگا۔

(الجواب) معتکف کا مسجد شرعی سے ضرورت شرعی (جیسے کہ نماز جمعہ) اور ضرورت طبعی (استنجاء وغیرہ) کے لئے نکلنا درست ہے، عزیز و رشتہ دار سے ملنا نہ ضرورت شرعی ہے نہ ضرورت طبعی، لہٰذا ان سے ملنے کے لئے مسجد شرعی کی حد سے باہر جانا درست نہیں، اگر باہر گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، ایسے ہی تھوکنے کے لئے باہر نہ جاوے البتہ وضو کی غرض سے نکلنا درست ہے پانی کی صراحی وغیرہ اپنے پاس رکھے، البتہ اگر پانی اپنے پاس نہ ہو اور لانے والا بھی کوئی موجود نہ ہو ایسی مجبوری میں پانی لینے کے لئے جاسکتا ہے وحرم علیه ای علی المعتکف الخروج الالحاجة طبیعة کبول وغائط وغسل لو احتلم اوشرعیة کعید والجمعة (درمختار ملخصاً) قال الشامی وعن هذا اعتراض بعض الشراح تفسیر الکنزلها بالبول والغائط بان الا ولیٰ تفسیر ها بالطهارة ومقدماتها لید خل الا ستنجاء والو ضوء والغسل لمشارکتها لهما فی الا حتیاج وعدم الجواز فی المسجد اه (شامی ۲/۱۸۰ باب الا عتکاف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

صفوں کے درمیان بندھی ہوئی معتکف کی چادروں کو بوقت جماعت کھول دینا:

(سوال ۳۷۵) معتکف حضرات درمیان کی صفوں میں چادریں باندھیں اور جماعت کے وقت میں مصلی اس جگہ کھڑے نہ رہ سکتے ہوں اور اس کے پیچھے کی صفوں میں مصلیوں کو کھڑے رہنا پڑتا ہو تو اس طرح جگہ روکنا کیسا ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! جماعت کے وقت اعتکاف والی جگہ کی ضرورت ہو تو پردہ کھول کر جگہ دینا ضروری ہے، پردہ نہ کھولے گا تو گنہگار ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیڑی سگریٹ کے عادی معتکف کا اس کے لئے مسجد سے باہر نکلنا:

(سوال ۳۷۶) معتکفین بیڑی سگریٹ پینے کے لئے جماعت خانہ سے باہر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! بیڑی کی عادت حتی الامکان کوشش کرکے چھوڑ دینی چاہئے، نہ چھوٹے تو کم کردینی چاہئے، مجبوراً بیڑی کے لئے نکلا جاسکتا ہے، (۱) بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کی حاجت کے لئے نکلے اس وقت پی لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱) اس مسئلہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (۱) بیڑی سگریٹ پی کر منہ اچھی طرح صاف کرکے مسجد میں آنا چاہئے، گندے منہ سے مسجد میں آنا مکروہ ہے (۲) یہ گنجائش شدید مجبوری کی صورت میں ہے، محض شوق پورا کرنے کے لئے نہ نکلے، وہ استنجاء کے لئے جائے اس وقت پی لے ۱۲۔ (سعید احمد پالن پوری)۔